خواتین کے لیے صاف ستھرا تفریحی ادب

ماہنامہ

آنچل

کراچی

aanchalpk.com aanchalnovel.com

قیمت =/70 روپے

Celebrating 5 Years of Success

The Smart School
Tomorrow is our Destiny
A Project of The City School

THE SMART SCHOOL

ADMISSION OPEN

- Holistic development
- Project based learning
- Investigative processes, technology, interactive resources
- Early Years Education through fun and play
- Exam focused Student Resource Material for Matric
- Child Educational Insurance

Head Office:
31- Gurumangat Road, Industrial Area, Gulberg III, Lahore
U.A.N: +92 42 111 444 123
Phone:+92 42 35773069-77
E-mail: info@thesmartschools.edu.pk

Southern Region:
The Smart Tower Plot-C-10/2, Off Sharah-e-Faisal, Lines Area, Sector 8, Opp Gora Qabristan, Karachi
Phone:+92 21 32780125-8
E-mail: rm-sr@thesmartschools.edu.pk

Northern Region:
House 875 Block-F Satellite Town, Near Holy Family Hospital, Rawalpindi
Phone:+92 308 8886011-7
E-mail: gm-sr@thesmartschools.edu.pk

aanchal.com.pk

رنگارنگ کہانیوں سے آراستہ دلچسپ جریدہ

ماہنامہ نئے افق

تازہ شمارہ شائع ہوگیا ہے

onlinemagazinepk.com/recipes

جون 2018ء کے شمارے کی ایک جھلک

روحوں کا شکاری: نئے افق کے شمارے خوفناک کہانی نمبر کے لیے میری دوسری تحریر جو کہ ہالی وڈ فلم گھوسٹ رائیڈر کا اردو ترجمہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہ کسی بھی انگلش ناول کی میری پہلی کوشش ہے اور اس سلسلے میں میں گوگل ٹرانسلیٹ کا استعمال بھی کیا ہے اور جہاں مشکل پیش آئی وہاں سے اس فلم کا ہندی ترجمے سے بھی فائدہ اٹھایا ہے۔ اس میں کئی خامیاں ہوسکتی ہیں لیکن امید ہے میری یہ محنت قابل اشاعت ہو۔ اس کی طوالت کی بنا پر دو یا تین حصوں میں تقسیم کرنا پڑے گا۔ اس سلسلے میں سر مشتاق احمد قریشی صاحب سے فیس بک پر رابطہ کیا تو انہوں نے حوصلہ افزائی کی اور کہا کہ اگر طوالت قاری کو بور نہ کرے تو کوئی حرج نہیں اور اسے دو حصوں میں بھی شائع کیا جاسکتا ہے۔ امید ہے اس سلسلے میں میری مزید رہنمائی کی جائے گی اور مجھے امید ہے کہ نئے افق سے میرا تعلق استوار رہے گا

خونی گھر: یہ کہانی خودغرضی اور لالچ پر مبنی ہے کہ کیسے کچھ انسان اپنی غرض پوری کرنے کے لیے دوسروں کا احساس کیے بنا ہی کچھ ایسے شرمناک کام انجام دے جاتے ہیں جو رہتی دنیا کے لیے باعث شرم بن جاتے ہیں۔ اپنے حال پر مطمئن رہنا بھی ایک شکر گزاری ہی ہے جو کم لوگوں کو نصیب ہوتی ہے۔ اس کہانی کے کچھ کرداروں کا فیصلہ آپ نے کرنا ہے کہ وہ غلط تھے یا درست، حالات کے بے رحم سمندر میں بہتے ہوئے کمزور انسان اپنے آپ کو بچانے کی خاطر، اکثر فطرت اور ضمیر کے خلاف بھی چلے جاتے ہیں جس کا خمیازہ اس کے ساتھ اولاد کو بھی بھگتنا ہوتا ہے۔

اس کے علاوہ اور بھی بہت کچھ

ماہنامہ آنچل کراچی

جلد نمبر	40
شمارہ نمبر	03
جون	2018

بانی مدیرہ — زیب النساء

مدیر اعلیٰ — مشتاق احمد قریشی

مدیرہ — قیصر آراء

نائب مدیرہ — سعیدہ نثار

گروپ ایڈیٹر — طاہر احمد قریشی

مدیر معاون — جویریہ احمد
روبینہ احمد

اشتہارات اور دیگر معلومات
0300-8264242

رکن آل پاکستان نیوز پیپرز سوسائٹی
رکن کونسل آف پاکستان نیوز پیپر ایڈیٹر
رکن چیمبر آف کامرس

aanchalpk.com

aanchalnovel.com

www.aanchalpk.com/blog

onlinemagazinepk.com/recipes

/Naeyufaq Aanchal & Hijab official group

/women.magazine

ابتدائیہ

سرگوشیاں — مدیرہ — 14
حمد — خاحسن صابری — 15
نعت — الیاس عطار قادری — 15
در جواب آں — مدیرہ — 16

دانش کدہ

الکوثر — مشتاق احمد قریشی — 20

ہمارا آنچل

رباب کنول/شہناز فضل
ثناء نواز/مصباح بتول — ملیحہ احمد — 23

سلسلہ وار ناول

تیری الف کے سر ہونے تک — اقرأ صغیر احمد — 62
اکائی — عشنا کوثر سردار — 94

مکمل ناول

سہانی رات کا سحر — ایم سلطانہ فخر — 26
تم میری ہو — عائشہ نور محمد — 126

افسانہ

روشن صبح — رفاقت جاوید — 52
ایک ادھوری الجھی کہانی — سیما بنت عاصم — 86
تخلیق کار — ماورا طلحہ — 122
جاپانی مشین — صباء ایشل — 180
گتھی — تحسین انجم انصاری — 184

پبلشر: مشتاق احمد قریشی پرنٹر: جمیل حسن/ابن حسن پرنٹنگ پریس
ہاکی اسٹیڈیم کراچی/دفتر کا پتا: 7 فرید چیمبرز، عبداللہ ہارون روڈ کراچی۔74400

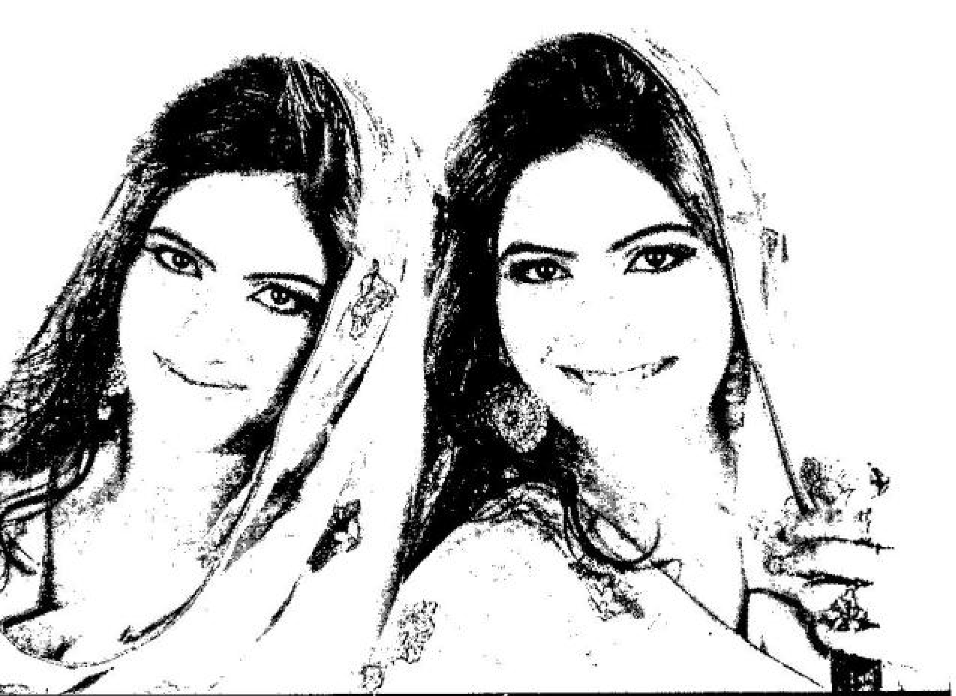

سرورق: اریج خان ...... آرائش: روز بیوٹی پارلر...... عکاسی: موسیٰ رضا

مستقل سلسلے

ہومیو کارنر — طلعت نظامی — 190
بیاض دل — میمونہ رومان — 192
ڈش مقابلہ — طلعت آغاز — 194
بیوٹی گائیڈ — روبین احمد — 197
نیرنگ خیال — ایمان وقار — 199
دوست کا پیغام آئے — ہما احمد — 203
یادگار لمحے — جویریہ مالک — 208
آئینہ — شہلا عامر — 211
ہم سے پوچھیے — شمائلہ کاشف — 220
آپ کی صحت — ہومیو ڈاکٹر ہاشم مرزا — 222
کام کی باتیں — حنا احمد — 225
کترنیں — قارئین — 000

خط و کتابت کا پتہ: "آنچل" پوسٹ بکس نمبر 75 کراچی 74200 فون: 021-35620771/2
فیکس: 021-35620773 ایک از مطبوعات نئے افق پبلی کیشنز۔ ای میل info@aanchal.com.pk

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا "فجر کی دو رکعتیں (سنتیں) دنیا اور اس میں موجود تمام چیزوں سے بہتر ہیں۔ (مسلم)

سرگوشیاں

مدیرہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'

جون ۲۰۱۸ء کا آنچل حاضرِ مطالعہ ہے۔

جیسا کہ گزشتہ ماہ اعلان کیا گیا تھا موجودہ آنچل کا شمارہ "رمضان نمبر" ہے۔ رمضان شریف اپنی پوری برکتوں ورحمتوں کے ساتھ شروع ہو چکا ہے۔ اب یہ ہمارا کام ہے کہ ان برستی رحمتوں' نعمتوں کا استقبال کیسے کریں' کیسے ان انعاماتِ الٰہی سے فیض یاب ہوں۔

مجھے اور میرے ادارے کو اپنی قارئین پر ناز ہے' میری پیاری بہنیں جس طرح آنچل سے تعاون اور محبت کا ثبوت دیتی ہیں اس سے نہ صرف میرا بلکہ میری تمام ساتھیوں کا سر فخر سے بلند ہو جاتا ہے' میری دعا ہے کہ اللہ سبحان وتعالیٰ میری تمام قاری بہنوں کو سلامت رکھے اور اپنی بھرپور نعمتوں سے اس ماہِ مبارک میں نوازے۔ آمین۔

آپ بہنوں کے مشوروں اور اجازت سے قیمت میں دس روپے کا اضافہ کیا جارہا ہے' گرانی کے اعتبار سے دس روپے کا اضافہ بھی بہت اہم ہے اس کے باوجود ادارے کو ہونے والے نقصانات کا کسی قدر ہی ازالہ ہو سکے گا' میں امید کرتی ہوں کہ آپ بہنوں کو یہ اضافہ گراں نہیں گزرے گا اور حسب سابق اپنا بھرپور تعاون جاری رکھیں گی۔ آپ کی آرا اور مشورے ہمارے لیے مشعل راہ ہوتے ہیں۔ اس کے بعد آنے والے جولائی کے شمارے عید نمبر کے بارے میں آپ کی آرا کا انتظار رہے گا۔ تمام لکھاری اور قاری بہنیں عید نمبر کے لیے خصوصی نگارشات جلد از جلد ارسال کر دیں تاکہ بروقت موصول ہو سکے۔

نوٹ:۔ اس بار بہن سمیرا شریف طور کی ناساز طبیعت کے باعث کہانی "جنون سے عشق تک" شائع نہیں ہو رہی۔

اس ماہ کے ستارے

ایم سلطانہ فخر' رفاقت جاوید' سیما بنت عاصم' ماورا طلحہ' عائشہ نور محمد' صباء ایشل اور تحسین انجم انصاری۔

اگلے ماہ تک کے لیے اللہ حافظ۔

دعا گو

قیصر آرا

حمد

کہہ نظر لا الٰہ الہ اللہ
یاد کر لا الٰہ الا اللہ
تیرے مشتاق ذکر کرتے ہیں
رات بھر لا الٰہ الا اللہ
ہے وظیفہ ترے فقیروں کا
ہر سحر لا الٰہ الا اللہ
قبر میں گرز روکنے کے لیے
ہے سپر لا الٰہ الا اللہ
داغ عصیاں کے دور کرنے کو
ہے ضیا لا الٰہ الا اللہ
عاصیوں کی قبول کرنے کو
ہے دعا لا الٰہ الا اللہ

جناب خالد حسین صابری

نعت

عرشِ علیٰ سے اعلیٰ میٹھے نبی کا روضہ
ہے ہر مکاں سے بالا میٹھے نبی کا روضہ
کیسا ہے پیارا پیارا یہ سبز سبز گنبد
کیسا ہے میٹھا میٹھا میٹھے نبی کا روضہ
بادل گھرے ہوئی ہیں بارش برس رہی ہے
لگتا ہے کیا سہانا میٹھے نبی کا روضہ
مکے سے اس لیے بھی افضل ہوا مدینہ
حصے میں اس کے آیا میٹھے نبی کا روضہ
کعبے کی عظمتوں کا منکر نہیں ہوں لیکن
کعبے کا بھی ہے کعبہ میٹھے نبی کا روضہ
ہجر و فراق میں جو یارب تڑپ رہے ہیں
ان کو دکھا دے مولا میٹھے نبی کا روضہ
جس وقت روح تن سے عطار کی جدا ہو
ہو سامنے خدایا میٹھے نبی کا روضہ

الیاس عطار قادری

editor_aa@aanchal.com.pk
www.facebook.com/EDITORAANCHAL

درِ جواب آں

مدیرہ

صائمہ مشتاق...... بھاگٹا نوالہ' سرگودھا

عزیزی صائمہ! شاد وآباد رہو دنیا میں اچھے برے ہر طرح کے لوگ ہوتے ہیں' ان میں ایسے لوگ بھی ہیں جو دوسروں کے دکھ درد کو اپنا سمجھتے ہوئے ان دکھوں کا مداوا کرنے کی کوشش بھی کرتے ہیں۔ آپ کی محبت اور والہانہ جذبات بے حد قابل قدر ہیں اور ہم آپ کے مشکور ہیں۔ آئینہ میں بہت سی بہنوں کے تبصرے صرف صفحات کی کمی کی وجہ سے شامل ہونے سے محروم رہتے ہیں۔ انہیں رد نہیں کیا گیا بلکہ یہی کوشش ہے کہ آہستہ آہستہ سب کو شامل کرلیا جائے اسی لیے 'جاری ہے' بھی لکھا تھا آخر میں شاید آپ کی نظر سے نہیں گزرا' اس بار آپ کا تبصرہ شامل ہے۔ آنچل کی پسندیدگی پر بے حد مشکور ہیں۔ اپنی آراء سے یونہی آنچل وحجاب کو سنوارتی رہا کریں۔ کہانی کے لیے تھوڑا انتظار کرلیں ہوسکتا ہے وہاں دوسرے ادارے سے آپ کو جلد جواب مل جائے۔ بہ صورت دیگر آپ کہانی بھیج دیجیے گا۔ امید ہے تشفی ہوپائے گی۔

پرنسز انابیا...... مانسہرہ

ڈیئر پرنسز! آنچل میں خوش آمدید۔ آپ کی نگارشات اور پیغام موصول ہوگئے ہیں۔ ان شاء اللہ جلد شامل کرنے کی کوشش کریں گے۔ اس بات کا خیال رکھیں کہ ہر سلسلہ کے لیے اگلے صفحے کا استعمال کریں اور اپنا اور شہر کا نام ضرور لکھیں۔ امید ہے آئندہ بھی بزم آنچل میں شرکت کرتی رہیں گی۔ اللہ سبحان وتعالیٰ آپ کو بہت سی کامیابیاں عطا فرمائے آمین۔

نوشابہ زینت...... ضلع گجرات

ڈیئر نوشابہ! سدا خوش رہیں' آپ کا اور آنچل کا ساتھ کئی سالوں پر محیط ہے جان کر خوشی ہوئی۔ ان سالوں میں آپ خاموش قاری کی حیثیت سے آنچل سے وابستہ رہیں اور آج یہ شرکت بہت اچھی لگی۔ آپ کی کہانی پڑھی' لیکن انداز تحریر کچھ کمزور لگا۔ پھر آپ نے خود بھی کہا کہ آپ بچوں کی کہانیاں لکھتی رہی ہیں' بچوں کی کہانیاں لکھنے کا انداز آنچل کے انداز سے بالکل مختلف ہے۔ اس لیے پہلے آنچل اور حجاب میں شائع ہونے والی کہانیوں کا انداز تحریر بغور سامنے رکھیں اس کے بعد قلم اٹھائیں امید ہے کوشش جاری رکھیں گی۔ آپ کا پیغام اس بار شامل کرلیا گیا ہے۔

طیبہ سعید...... گجرانولہ

گڑیا طیبہ! سدا شاد رہو۔ آپ کا نامہ موصول ہوا' جس میں آنچل کے حوالے سے تجویز پیش کی گئی ہیں جو کسی بھی صورت قبول نہیں کی جاسکتی۔ پہلی بات اشتہارات کم کرنے کی صورت میں نقصان ادارے کا ہوگا اور ویسے بھی بہت سے قطار میں ہیں' وجہ صفحات کی کمی۔ دیگر سلسلوں کے صفحات کم کیے گئے ہیں اور جن سلسلوں کو آپ بند کرنے کا کہہ رہی ہیں اس حوالے سے پہلے آپ اپنی قاری بہنوں سے بات کریں کہ ان کی کیا رائے ہے۔ سب کی طرف سے مشترکہ رائے سے ہی ہم کوئی قدم اٹھا پائیں گے۔

رقیہ ناز...... ضلع وہاڑی

ڈیئر رقیہ! شاد وآباد رہو محبت اور چاہت سے بنایا گیا خوب صورت عید کارڈ آپ کی جانب سے موصول ہوا جو آنچل وحجاب سے آپ کی محبت کا بخوبی اظہار کررہا ہے۔ آپ کے اس تحفے پر بے حد مشکور ہیں۔ آپ کو بھی رمضان اور عید کی پیشگی مبارک باد۔ یاسمین نشاط اور نازیہ کنول نازی تک آپ کی تعریف ان سطور کے ذریعے پہنچا رہے ہیں۔

اقراء حفیظ...... کے ٹی ایس' ہری پور

عزیزی اقراء! جگ جگ جیو آپ کی تحریر اور آرٹیکل موصول ہوگیا ہے۔ ابھی ان کے متعلق کچھ بھی کہنا قبل از وقت ہوگا۔ آپ کی تحریریں تاخیر سے موصول ہونے کے سبب ابھی پڑھی نہیں گئیں۔ جلد پڑھ کر اپنی رائے سے آگاہ کریں گے۔ اگر حجاب یا آنچل کے معیار کے مطابق ہوئیں تو اپنی جگہ بنالیں گی۔

ہما خان...... کوٹ رادھا کشن

ڈیئر ہما! جیتی رہو آپ کی ارسال کردہ تحریر "بابا ٹیلر" اور

آرٹیکل کے لیے معذرت خواہ ہیں۔ کہانی میں موضوع کا چناؤ ٹھیک نہیں لگا' کسی اور موضوع کے ساتھ محنت جاری رکھیں۔ آپ کا مشاہدہ اگر وسیع ہے تو آپ دیگر موضوعات پر بھی طبع آزمائی کرسکتی ہیں' اس ناکامی کو اپنے لیے کامیابی کا زینہ بنانے کی کوشش جاری رکھیں۔ امید ہے مزید اچھا اور بہتر لکھ سکیں گی۔ اللہ سبحان وتعالیٰ آپ کو کامیابی عطا فرمائے آمین۔

فائزہ بھٹی...... پتوکی

پیاری فائزہ! سدا آباد رہو آپ کا آرٹیکل "مائیں ایسی ہوتی ہیں" موصول ہوا' پڑھ کر اندازہ ہوا کہ اب آپ کی تحریر میں بہتری آرہی ہے' لیکن موضوع مناسب نہ ہونے کی بنا پر تحریر اپنی جگہ بنانے میں ناکام ٹھہری' جو منظر نگاری آپ نے کی وہ ہمارے ذہن کے لیے تو مناسب ہے لیکن اشاعت کے لیے موزوں نہیں کیونکہ ہر ایک اپنے حساب سے سوچتا اور سمجھتا ہے۔ اس لیے اس موضوع کو قلم بند کرنے کے بجائے ہلکے پھلکے موضوع کو قلم بند کریں۔ تحریر پر گرفت اسی طرح قائم رکھیں امید ہے تشفی ہوگئی ہوگی۔

یمنیٰ نور...... فیصل آباد

ڈیئر یمنیٰ! سدا آباد رہو آپ کی تحریر "محافظ" موصول ہوئی' پڑھ کر حجاب کے لیے منتخب کرلی۔ انداز تحریر اور موضوع دونوں ہی منفرد ہونے کی بنا پر اپنی جگہ بنا گئے اور جلد ہی حجاب میں شامل ہوکر آپ کو مسرت بخشے گی۔ جب تک کے لیے انتظار کی گھڑیاں تھامے رکھیں۔

گلشن چودھری...... گجرات

عزیزی گلشن! شاد رہو آپ سے نصف ملاقات بہت اچھی لگی۔ اگر آپ دلی تسکین کی خاطر آنچل کے سلسلوں میں شرکت کرتی ہیں تو ہماری بھی کوشش ہوتی ہے کہ جلد از جلد سب کی نگارشات کو شامل کرلیں۔ آپ کا پیغام اس بار شامل ہے امید ہے دیکھ کر خوشی ہوگی۔ کہانی لکھنے کے لیے اپنا مطالعہ وسیع کریں اور دیگر رائٹرز کے انداز کو سامنے رکھیں پھر قلم اٹھائیں۔

فرحی نعیم...... کراچی

پیاری فرحی! جیتی رہو آپ کی تحریر "بے نشاں منزل" موصول ہوئی۔ پڑھ کر اندازہ ہوا کہ ابھی آپ کو مزید محنت کی ضرورت ہے۔ بے شک تحریر میں حقیقت کا رنگ چھلکتا ہے لیکن مثبت پہلو سے بھی قاری کو مطمئن کرنا ہوتا ہے ورنہ ذہن پر بوجھ سا محسوس ہوتا ہے۔ اس لیے تحریر لکھتے ہوئے ان باتوں کا خیال ضرور رکھا کریں' امید ہے تشفی ہوگئی ہوگی اور آئندہ ان باتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے تحریر ارسال کریں گی۔

سدرہ اعجاز...... نامعلوم

ڈیئر سدرہ! سدا شاد رہو آپ کا ناول "تم سے تم تک" پڑھ ڈالا۔ ناول پڑھ کر اندازہ ہوا کہ آپ میں لکھنے کی صلاحیت موجود ہے لیکن بے جا طوالت کے سبب کہانی میں الجھاؤ پیدا ہوگیا ہے اور آپ کی گرفت بھی کمزور پڑتی محسوس ہوئی۔ فی الحال مختصر موضوع پر طبع آزمائی کرکے افسانہ اور ناولٹ کی طرف توجہ مرکوز کریں اور جب لکھنے کے فن میں عبور حاصل ہوجائے تو پھر اس طرف آئیں۔ امید ہے اس ناکامی کو اپنے لیے کامیابی کا زینہ بنائیں گی۔

شگفتہ برکت...... خانیوال

پیاری شگفتہ! جگ جگ جیو آپ کی نظم "معصوم زینت" کے نام سے موصول ہوئی اور متعلقہ شعبہ میں بھیج دی ہے۔ اب انتظار کے لمحات گنتے امید رکھیں اگر قبولیت کا درجہ حاصل کرگئی تو جلد ہی آنچل میں شامل کرلیں گے۔ کوشش کیا کریں کہ اپنے حالات نظم وتحریر کی صورت ارسال نہ کریں کیونکہ جہاں اچھائی پھیلانے کا حکم ہے وہیں برائی کو بھی دبانے کا کہا گیا ہے۔ امید ہے اس بات کو مدنظر رکھتے ہوئے آئندہ خیال رکھیں گی۔

ریحانہ اعجاز...... کراچی

ڈیئر ریحانہ! سدا سہاگن رہو آپ کی طرف سے خوب صورت شاعری کی کتاب "دعا دیتے ہیں لفظ میرے" موصول ہوئی۔ اس کامیابی پر مبارک باد وصول کریں۔ بے شک شاعری ایک مشکل صنف ہے اور جس طرح ایک شاعر اس میں اپنے احساسات بیان کرتا ہے وہ بھی کمال ہے اللہ سبحان وتعالیٰ آپ کو مزید کامیابیاں عطا فرمائے آمین۔

نزہت پروین...... نامعلوم

بہن نزہت! جیتی رہو آپ کی تحریر "من کی موج عشق توجی" موصول ہوئی۔ پڑھ کر اندازہ ہوا کہ ابھی آپ کو مزید محنت کی ضرورت ہے۔ انداز تحریر اور موضوع کے ساتھ آپ کا بیانیہ بھی کمزور تھا' جس کی بنا پر تحریر اپنی جگہ بنانے میں ناکام ٹھہری'

اس لیے پہلے نامور مصنفین کی تحریروں کا بغور مطالعہ کریں اور مشاہدہ بھی وسیع کریں تاکہ لکھنے میں مدد مل سکے۔ امید ہے تشفی ہوگئی ہوگی۔

ثانیہ مغل...... سرگودھا

ڈیئر ثانیہ! سدا سہاگن رہو شادی کے بعد اگرچہ زندگی بے حد مصروف ہوجاتی ہے اور دیگر مصروفیات میں اپنی ذات کے لیے وقت نکالنا بے حد مشکل ہوجاتا ہے۔ ہمیں آپ کی باتوں سے بخوبی اندازہ ہوگیا ہے بہرحال آنچل کی محبت نے ایک بار پھر آپ کو اس کا حصہ بنادیا جان کر خوشی ہوئی۔ کہانی پڑھ کر جلد اپنی رائے سے آگاہ کردیں گے۔ ہم اور ہمارے قارئین کوئی بھی آپ کو اتنی جلدی نہیں بھول سکتا۔ اس غلط فہمی کو ہرگز دل میں جگہ مت دیں۔ اللہ سبحان وتعالیٰ آپ کو قلمی سفر میں مزید کامیابیاں عطا فرمائے آمین۔

نیلم شہزادی...... کوٹ مومن

نیلم شہزادی! سلطنت آنچل میں خوش آمدید کہتے ہیں خط کی ابتدائی سطور سے ہی خفگی و بیگانگی کا مظاہرہ کیا گیا۔ بہرحال شہزادی صاحبہ کا ہر انداز پسند آیا۔ لفظوں کے پیرہن میں چھپا طنز بھی عجیب لذت سے آشنا کرگیا۔ آپ کی جو تحریریں آنچل کے قید خانے میں مقید اپنی بے قدری پر شکوہ کناں ہیں اور آزادی کا پروانہ ملنے کو بے تاب ہیں تو ان کے لیے عرض ہے کہ آپ کی ایک تحریر دوہرا معیار حال ہی میں حجاب میں شائع ہوچکی ہے۔ دیگر تحریروں کو بھی رمضان اور عید نمبر سے فراغت کے بعد قفس سے نجات مل جائے گی۔ بہرحال اپنی تحریروں کے لیے آپ کی چاہت اور محبت ان سطور سے بخوبی عیاں ہوگئی۔ امید ہے اب خفگی مایوسی اور ناراضی کو ترک کردیں گی اور شہزادی صاحبہ کا مزاج بھی خوشگوار ہوجائے گا۔

سیدہ صبا نوید...... چنیوٹ

ڈیئر صبا! سدا خوش رہو آپ کی نظمیں غزلیں متعلقہ شعبے میں بھیج دی گئی ہیں اگر معیاری ہوئیں تو اصلاح کے بعد ضرور شامل ہوجائیں گی کیونکہ اس سلسلے میں کثیر تعداد میں بہنیں شرکت کرتی ہیں اس وجہ سے دیر سویر ہوجاتی ہے آپ کی نظم بھی اگر پرچے کے معیار کے مطابق ہوئی تو جلد یا بدیر ضرور شائع ہوجائے گی۔ اللہ سبحان وتعالیٰ آپ کا حامی وناصر ہو آمین۔

ایمن شہزادی...... ہری پور ہزارہ

ڈیئر ایمن! سدا مسکراؤ آنچل اور آپ کے دیرینہ ساتھ کے متعلق جان کر بے حد خوشی ہوئی۔ آٹھویں کلاس سے آپ آنچل کے زیر سایہ ہیں اور اس کی کہانیوں سے زندگی کے رموز بھی سمجھتی ہیں۔ یہ ہمارے لیے خوش آئند بات ہے۔ بے شک ان کہانیوں کا مقصد بھی یہی ہوتا ہے کہ زندگی کے مختلف روپ اور اودوار کو اس انداز میں سامنے لایا جائے کہ پڑھنے والا مثبت سوچ اپنائے اچھائی برائی کا فرق سمجھ سکے۔ ہر رائٹر کی تخلیق کے پیچھے یہی مقاصد کارفرما ہوتے ہیں اور ہمارا اصل مقصد بھی اصلاح کا ہے۔ جب آپ جیسے قارئین اس اصل مفہوم کو سمجھ کر آنچل کو سراہتے ہیں اسے پسند کرتے ہیں تو بے حد اچھا لگتا ہے۔ آنچل کی پسندیدگی پر مشکور ہیں۔ آئندہ بھی شریک محفل رہیے گا۔

فریدہ جاوید فری...... لاہور

عزیزی فریدہ! شادو آباد رہو ہمیں بخوبی اندازہ ہے کہ آپ کیسے علالت کے دوران وقت نکال کر بزم آنچل میں شرکت کرتی ہیں۔ نیرنگ خیال میں اکثر آپ کی شاعری کو جگہ بھی دی جاتی ہے اور ہمارے ساتھ ساتھ قارئین بھی آپ کی شاعرانہ صلاحیتوں کے معترف ہیں۔ بے شک آپ کی بہت سی کتابیں مارکیٹ میں آچکی ہیں اور آپ کے چاہنے والے انہیں گراں قدر سرمایہ بھی سمجھتے ہیں۔ ناول بھیجنا چاہیں تو ضرور ارسال کردیں۔ ہماری دعائیں آپ کے ساتھ ہیں۔ اللہ سبحان وتعالیٰ آپ کو صحت کاملہ عطا فرمائے اور آپ یونہی ہر بار آنچل کی رونق میں اضافے کا سبب بنتی رہیں۔ سالگرہ کی مبارک باد پیش کرنے پر مشکور ہیں۔ دعاؤں کے لیے جزاک اللہ۔

تمنا بلوچ...... ڈی آئی خان

عزیزی تمنا! سدا سہاگن رہو مفصل خط سے آپ کے تمام حالات بخوبی واضح ہوگئے۔ گھر والوں کے ساتھ پیش آنے والے مختلف حادثے بے شک انتہائی پریشان کن بات ہے لیکن مشکل کی ان گھڑیوں میں اللہ سبحان وتعالیٰ نے سب اہل خانہ کو ہمیشہ محفوظ رکھا اور ان شاء اللہ آگے بھی وہی سب کی حفاظت کرے گا۔ آپ ان حادثات کو آزمائش سمجھتے ہوئے اللہ سبحان وتعالیٰ کے قریب ہونے کی کوشش کریں گھر والوں کو بھی

یہی مشورہ دیں کیونکہ صدقہ ہر مشکل اور مصیبت کو ٹال دیتا ہے۔ جہاں تک اولاد کی محرومی کا دکھ ہے تو آپ اللہ سبحان و تعالیٰ سے دعا کرتی رہیں اور مایوس مت ہوں۔ ماں ہوکر اپنی پہلی اولاد کو بھول جانا بے شک آسان نہیں لیکن اس طرح ہر وقت بیٹی کے تصور میں رہ کر پریشان مت ہوں بلکہ تمام معاملہ اللہ سبحان وتعالیٰ کے سپرد کردیں۔ ان شاء اللہ وہ جلد آپ کو اولاد کی نعمت سے بھی نوازدے گا۔ اللہ سبحان وتعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ آپ کا دامن خوشیوں سے بھردے آمین۔

انعم زہرہ...... ملتان

ڈیئر انعم! شادو آباد رہو آپ سے یہ نصف ملاقات بہت اچھی لگی مفصل خط سے تمام باتیں بخوبی واضح ہورہی ہیں۔ آپ کے اندر لکھنے کی صلاحیت بخوبی موجود ہے اور اس بات کا واضح ثبوت آپ کو آنچل کے صفحات پر مل بھی چکا ہے اور کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جو دوسروں کی خوبیوں کا اعتراف کرنے کے بجائے تنقید کرتے ہیں قدر دان بننے کے بجائے بے قدری کرتے ہیں اس شخص کا شمار بھی ایسے ہی لوگوں میں ہوتا ہے آپ اپنی شاعری ارسال کرتی رہیں وقتاً فوقتاً شائع ہوتی رہے گی اللہ سبحان وتعالیٰ آپ کے بھائی کو نیک وصالح اولاد سے نوازے اور آپ سب کو زندگی کی بہت سی خوشیوں سے ہمکنار کرے ہماری دعا ہے کہ جلد زندگی میں آپ کو بھی محبت کرنے والے قدردان لوگ میسر آئیں آمین۔

سحرش...... میانوالی

گڑیا سحرش! جگ جگ جیو آپ کا شکایت نامہ موصول ہوا بات دراصل یہ ہے کہ شاعری ہمیں کثیر تعداد میں موصول ہوتی ہے اور فوراً ہی اسے متعلقہ شعبے میں ارسال کردیتے ہیں وہیں سے رد وقبولیت کا درجہ پاکر اپنی جگہ آنچل میں بنالیتی ہے آپ کی شاعری اگر قابل اشاعت ہوئی تو انتظار لازمی ہے باقی ناقابل اشاعت کا ہم ذکر نہیں کرتے کہ کہیں مایوسی میں آپ لکھنا ہی نہ چھوڑ دیں اتنا ضرور کریں کہ ایک وقت میں ایک ہی نظم وغزل ارسال کیا کریں، جب وہ اپنی جگہ بنالے تو دوسری ارسال کریں امید ہے اس بات کو مدنظر رکھتے ہوئے عمل بھی کریں گی۔

ناقابل اشاعت:

انتخاب آنچل کی سالگرہ پر مشاعرہ اک مرگ مسلسل برک صحرا پڑھ کلمہ ایک خدا کا اردو اور پاکستان حیا والی لڑکی بند دروازے سزا آنچل سالگرہ کی تقریب رشتے (آرٹیکل) قورمہ آخر ایک دن مائیں ایسی ہوتی ہیں انوکھا لاڈلہ سائیں لوگ محبت کا سراب اپنے ہوتے ہیں بے نشاں منزل کانوں کا کچا ضرورت سے ہنر تک کرب مسکراہٹ بکھیرتی عید رمضان میں اسراف پنک سوٹ پیا من بھائے شہید ان وطن کو سلام میں تیری سائبان نوید زندگی لو یو حبیب کاش میں وہ ہوتا نصیبا وقت اپنے شوہر کا مان۔

قابل اشاعت:

محرم ذات محافظ ہم یوں ملے رنگ ریز مجھے خوابوں میں رہنے دو گھر کی ملکہ تم میری عید کے چاند کب اشک گہرا ہوگا ذات دی کوڑھ کرلی۔

مصنفین سے گزارش

☆ مسودہ صاف خوش خط لکھیں۔ ہاشیہ لگائیں صفحہ کی ایک جانب اور ایک سطر چھوڑ کر لکھیں اور صفحہ نمبر ضرور لکھیں اور اس کی فوٹو کاپی کراکر اپنے پاس رکھیں۔

☆ قسط وار ناول لکھنے کے لیے ادارہ سے اجازت حاصل کرنا لازمی ہے۔

☆ نئی لکھاری بہنیں کوشش کریں پہلے افسانہ لکھیں پھر ناول یا ناولٹ پر طبع آزمائی کریں۔

☆ فوٹو اسٹیٹ کہانی قابل قبول نہیں ہوگی۔ ادارہ نے ناقابلِ اشاعت تحریروں کی واپسی کا سلسلہ بند کردیا ہے۔

☆ کوئی بھی تحریر نیلی یا سیاہ روشنائی سے تحریر کریں۔

☆ مسودے کے آخری صفحہ پر اپنا مکمل نام پتا خوشخط تحریر کریں۔

☆ اپنی کہانیاں دفتر کے پتا پر رجسٹرڈ ڈاک کے ذریعے ارسال کیجیے۔ 7، فرید چیمبرز عبداللہ ہارون روڈ۔ کراچی۔

دانش کدہ

سورۃ الکوثر

مشتاق احمد قریشی

نماز ہے کیا اور اس کی کیا اہمیت ہے اس پر تھوڑا سا غور کرلیا جائے تو اس کی اہمیت اور حقیقت واضح ہوجائے گی کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کیوں اپنے بندوں کو نماز کی تلقین فرما رہا ہے اور اس کے دنیاوی اور دینی کیا فوائد ہیں۔ نماز کو قرآن حکیم نے صلوٰۃ کے نام سے یاد کیا ہے اور قرآن حکیم میں سات سو مرتبہ اس کی ادائیگی کی تلقین کی گئی ہے۔ صلوٰۃ کو فارسی میں نماز کہتے ہیں یہی اردو میں رائج ہے۔ اسلام میں سب سے اہم عبادت ہے۔ لغوی اعتبار سے اس کا مطلب دعا' مغفرت' رحمت' درود ہے۔ نماز اسلام کا رکنِ اعظم ہے۔ نماز کی ادائیگی سے جسم وجان دل کی ہی صفائی نہیں ہوتی اس سے قربِ الٰہی بھی حاصل ہوتا ہے۔ اس عبادت میں انسان کے تمام ظاہری اور باطنی قویٰ شریکِ عبادت ہوتے ہیں۔ وضو سے لے کر نماز کی نیت اور سلام پھیرنے تک انسانی جسم کا ایک ایک عضو ایک ایک جوڑ متحرک رہتا ہے اور شریک عبادت ہوتا ہے۔ جب انسانی جسم نماز میں مصروف ہوتا ہے تو اس کا ایک ایک ریشہ ایک ایک جوڑ ایک ایک عضو شریک عبادت ہوتا ہے اس طرح حالت نماز میں متحرک ہونے سے ان اعضاء کی ورزش بھی ہوجاتی ہے۔ جو انسان کی ظاہری صحت وتندرستی کا باعث ہوتا ہے اور ظاہری قویٰ کے ساتھ ساتھ تمام باطنی قویٰ بھی شامل عبادت ہوتے ہیں۔ اسی لیے عبودیت کے چاروں ارکان اسی عبادت نماز میں پائے جاتے ہیں۔ نماز کی ادائیگی کا منشا دل ودماغ اور جسم کی صفائی کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کا قرب بھی حاصل کرنا کا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثِ مبارک حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ "میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ بتاؤ اگر تم میں سے کسی کے دروازے پر ایک نہر ہو جس میں وہ پانچ مرتبہ روزانہ نہاتا ہو تو کیا ایسے شخص پر میل کچیل کا کوئی اثر باقی رہے گا؟ لوگوں نے کہا نہیں یارسول صلی اللہ علیہ وسلم ایسے شخص پر میل کچیل کا کوئی اثر باقی نہیں رہے گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہی مثال پانچوں نمازوں کی ہے۔ ان کے ذریعے سے بھی اللہ تعالیٰ بندے کے گناہوں کو دھوتا رہتا ہے۔" (متفق علیہ)

ایک اور حدیث مبارکہ یوں روایت ہوئی ہے۔

"حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی شخص سوجاتا ہے تو شیطان اس کے سر کے پچھلے حصے میں تین گرہیں لگا دیتا ہے اور ہر گرہ پر یہ پھونک مار دیتا ہے کہ ابھی بڑی رات پڑی ہے۔ سوتے رہو۔ پھر اگر وہ جاگ جاتا ہے اور اللہ کو یاد کرتا ہے تو ایک گرہ کھل جاتی ہے۔ اس کے بعد اگر وہ وضو کرلیتا ہے تو دوسری گرہ کھل جاتی ہے اور اگر وہ نماز پڑھ لیتا ہے تو ساری گرہیں کھل جاتی ہیں اور انسان بالکل ہشاش بشاش اور چاق وچوبند ہوجاتا ہے۔ اس کی پژمردگی اور سستی دور ہوجاتی ہے۔ (متفق علیہ)

نماز نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے شب معراج کا عظیم تحفہ ہے۔ قیامت کے روز سب سے پہلے نماز کا ہی حساب ہوگا۔ نماز نہ پڑھنا یا نماز کی طرف سے غفلت برتنا' جان بوجھ کر نماز ترک کرنا یہ سب کافرانہ روش اختیار کرنا ہے۔ نماز ہر بالغ مسلمان مرد عورت پر فرض ہے۔ خواہ جوان ہو کہ بوڑھا' امیر ہو کہ غریب' بیمار ہو کہ تندرست یہاں تک کہ حالتِ جنگ میں بھی نماز معاف نہیں' ہاں اگر ہوش وحواس ہی نہ رہے تو باز پرس نہ ہوگی۔ نماز کی ادائیگی سے انسان میں وقت کی پابندی آتی ہے۔ اس میں روح اور جسم کی پاکیزگی آتی ہے' تھکن دور ہوتی ہے' دورانِ خون درست رہتا ہے' چہرہ تروتازہ رہتا ہے' ایمان کی دولت حاصل ہوتی ہے' اللہ کی خوشنودی حاصل ہوتی ہے۔ بری باتوں اور برائیوں سے انسان بچتا ہے' اس کے دل میں اللہ کا

خوف پیدا ہوتا ہے۔ نظم وضبط پیدا ہوتا ہے۔ جماعت سے نماز ادا کرنے میں امام کے پیچھے رکوع وسجود کرنے سے اطاعت اور تنظیم مستحکم ہوتی ہے اس سے زندگی میں بہت سے فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ اگر ہم ایک نظر نماز کی ہیئت پر ڈالیں تو بہت سی باتیں آسانی سے ہماری سمجھ میں آجائیں گی۔ انسانی جسم میں تقریباً تین سو مختلف جوڑ اور ہڈیاں ہوتی ہیں۔ اس کے علاوہ انسانی کھال کے نیچے اور ہڈیوں کے اوپر انسانی جسم میں جو گوشت کی تہیں ہوتی ہیں وہ سب ملا کر چار سو اٹھانوے (۴۹۸) ہیں۔ حالتِ نماز میں جب انسان اپنے رب کے سامنے عبادت کی نیت کرکے کھڑا ہوتا ہے تو یہ تمام اعضاء بھی اس کے ساتھ مصروفِ عبادت ہوجاتے ہیں۔ نیت کے لیے دونوں ہاتھ اٹھا کر کانوں تک بلند کرتے' سینے پر باندھتے' قیام کرتے' رکوع وسجود کے بعد سلام پھیرنے تک اگر ہم غور کریں تو ایک ایک عضو ایک ایک جوڑ متحرک رہتا ہے اور ہماری عبادت کی نیت کو عملی شکل دینے میں ہمارا معاون ومددگار ہوتا ہے۔ ان اعضاء کا متحرک ہونا انسانی صحت وزندگی کے لیے کس قدر ضروری اور اہم ہے اس کی تفصیل میں جائے بغیر صرف اتنا سمجھ لینا کافی ہوگا کہ چاق وچوبند رہنے کے لیے حکماء اور ڈاکٹر ورزش کا مشورہ دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ جو اپنے بندوں کی بہتری اور فلاح کو خوب جانتا ہے۔ اس نے بطورِ خاص نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کے لیے نماز کا یہ تحفہ عطا فرمایا تاکہ نبی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت اپنے رب کی عبادت کے ساتھ ساتھ اپنی صحت وتوانائی بھی اس عبادتی ورزش سے بحال رکھے اور اپنے دنیا کے کام کاج کرنے کے لیے چاق وچوبند رہے۔ بے شک نماز اُمت مسلمہ کے لیے رب کائنات کا سب سے اہم اور بڑا تحفہ وعطیہ ہے۔ آج کے دور میں غیر مسلم یوگا اور کئی طرح کی ورزش کرتے ہیں اگر ہم ایک نظر ان پر ڈالیں اور اپنی حالت نماز کا ادراک کریں تو وہ تمام اہم آسن اور عمل ہماری نماز میں ازخود موجود ملیں گے۔

جب انسان نماز کے لیے کھڑا ہوتا ہے تو وہ عجز ونیاز مندی کی تصویر بن کر کھڑا ہوتا ہے۔ ہاتھ باندھے ہوئے' نگاہیں نیچی کیے ہوئے' گردن جھکائے ہوئے دونوں پاؤں برابر کیے ہوئے' ہر طرف سے بے تعلق ہوکر خاموش پوری طرح سنجیدہ ہوکر عبادت کے لیے کھڑا ہوتا ہے۔ کبھی عجز ونیاز مندی میں کمر کو جھکا کر آدھا جھک جاتا ہے۔ جو انسان کے عجز ونیاز کی علامت ہے اور کبھی اپنی پیشانی زمین پر رکھ دیتا ہے۔ ناک زمین سے لگا دیتا ہے۔ غرض عاجزی وتذلیل کی جتنی شکلیں ممکن ہوتی ہیں وہ انسان اختیار کرتا ہے اور تمام تر ادب ووقار کو ملحوظ رکھتا ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ جیسے کوئی ملزم کسی بڑی عدالت میں کھڑا حاضری دے رہا ہو۔ ویسے بھی نماز کے لیے یہ حکم ہے کہ "حالت نماز میں اس طرح کھڑے رہو جیسے تم رب کو دیکھ رہے ہو اگر تم اسے نہیں دیکھ رہے وہ تو یقیناً تمہیں دیکھ رہا ہے۔" نماز درحقیقت نماز پڑھنے والے کے باطن کا عکس ہوتی ہے۔ نماز میں انسان کی کمر ہی نہیں جھکتی بلکہ اس کا دل بھی جھکتا ہے۔ صرف انسان کی پیشانی اور ناک خاک آلود نہیں ہوتی بلکہ اس کی روح بھی سجدہ ریز ہوتی ہے۔ ایک حدیث شریف میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "تم میں سے کوئی انسان جب نماز کے لیے کھڑا ہوتا ہے تو گویا وہ اپنے معبود سے راز ونیاز کی باتیں کرتا ہے۔" (صحیح بخاری) اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ نماز اللہ اور اس کے بندے کے درمیان مکالمے کی حیثیت رکھتی ہے۔ انسان جس قدر اخلاص سے خشوع وخضوع سے نماز ادا کرے گا۔ اتنا ہی وہ اپنے مالک وآقا اپنے رب کے قریب ہوگا۔ اسلامی زندگی کا سب سے بڑا اور بنیادی مقصد بھی یہ ہے کہ انسان کا اپنے رب سے قرب ہوجائے۔ درحقیقت نماز عبدیت کا اعلیٰ ترین درجہ ہے۔ اس سے بندے کو اپنے مالک وآقا کے دربار میں حاضری کا شرف حاصل ہوتا ہے اور تمام کائنات میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ شرف انسان ہی کو عطا فرمایا اور انسانوں میں بھی نبی آخرالزماں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کو حاصل ہے یہ شرف بندۂ مومن دن میں کم ازکم پانچ بار ضرور حاصل کرلیتا ہے۔ نماز انسان کو معراجِ عبدیت پر پہنچا دیتی ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب "حجۃ البالغہ" میں نماز کے بارے میں یوں تحریر فرماتے ہیں۔ "نماز اپنی عظمت وشان اور عقل وفطرت کے تقاضے کے مطابق تمام دیگر عبادات میں ممتاز مقام رکھتی ہے اور اللہ کے بندوں میں تزکیہ نفس کی تربیت کے لیے سب سے زیادہ نفع مند ہے۔ اس لیے ہی شریعت میں اس کی بڑی فضیلت ہے۔ نماز دین کا عظیم ترین شعار اور امتیازی نشان ہے۔ نماز کے اصل عناصر تین

ہیں۔ ایک قلب کو پورے اخلاص اور توجہ سے اللہ تبارک وتعالیٰ کی عظمت وجلال کے ساتھ متوجہ رکھنا۔ دوسرے اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی اور اپنی عاجزی وانکساری اور اطاعت کا بہتر سے بہتر الفاظ میں زبان سے اقرار کرنا۔ تیسرے تمام ظاہری باطنی اعضاء کو اللہ تعالیٰ کی عظمت وجبروت اور اپنی عاجزی وبندگی کی شہادت کے لیے پوری توجہ واخلاص سے استعمال کرنا۔ نماز کی حقیقت بھی تین اجزاء سے مرکب ہے۔ ایک اللہ تعالیٰ کی عظمت وکبریائی کا پوری طرح ادراک۔ دوسرے چند ایسی دعائیں اور اذکار جن سے بندے کی بندگی اور اس کے اعمال کا خالص اللہ کے لیے ہونا اور یہ کہ بندہ اپنی پوری توجہ اخلاص اور یکسوئی سے اپنے رب اپنے مالک وآقا کی طرف کرچکا ہے اور اپنی تمام اور ہر قسم کی حاجات کے لیے صرف اللہ تعالیٰ سے ہی مدد چاہتا ہے۔ تیسرے نماز کے تعظیمی افعال یعنی رکوع، سجدہ، قیام وسلام۔ ان سب کی تکمیل توجہ اور پوری طرح صحیح صحیح ترتیب سے ادا کرے۔" حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ نماز اہل ایمان کی معراج ہے اور آخرت میں تجلیاتِ الٰہی کے جو نظارے اہلِ ایمان کو نصیب ہونے والے ہیں ان کی استعداد وصلاحیت پیدا کرنے کا خاص ذریعہ ہے اور اللہ کی محبت اور رحمت کے حصول کا وسیلہ ہے۔ نماز اہل ایمان کو برائیوں، برے کاموں، شیطان کے شر سے بچا کر اسے پاک صاف کردیتی ہے۔ کفر وشرک، فسق وفجور سے محفوظ رکھتی ہے اور مسلمان اور کافر کو واضح شناخت دیتی ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بندے کے اور کفر کے درمیان نماز چھوڑ دینے ہی کا فاصلہ ہے۔ (صحیح مسلم) اس کا مطلب یہ ہوا کہ نماز دینِ اسلام کا شعائر اور حقیقتِ ایمان سے اس کا ایسا گہرا تعلق ہے کہ مسلمان اگر اسے چھوڑ دے تو گویا کفر کی سرحد پر پہنچ جائے گا۔ ایک اور حدیث حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہمارے اور اسلام قبول کرنے والے عام لوگوں کے درمیان نماز کا عہد ومیثاق ہے۔ (یعنی ہر ایمان لانے والے سے ہم نماز کا عہد لیتے ہیں جو ایمان کی خاص نشانی ہے اور اسلام کا شعائر) پس جو کوئی نماز چھوڑ دے تو گویا اس نے اسلام کی راہ چھوڑ کے کافرانہ طریقہ کو اختیار کرلیا۔ نماز سے کردار میں پختگی اور دین میں استقامت حاصل ہوتی ہے۔ جیسا کہ سورۃ البقرہ آیت ۴۵ میں ربّ کائنات فرمارہا ہے۔

ترجمہ۔ اور صبر اور نماز کے ساتھ مدد طلب کرو۔ یہ چیز شاق ہے مگر ڈر رکھنے والوں پر۔ (سورۃ البقرہ۔ ۴۵)

تفسیر۔ صبر اور نماز ہر اللہ والے بندے کے لیے دو بڑے ہتھیار ہیں۔ اس بات کو یوں بھی سمجھ سکتے ہیں کہ اگر نیکی کے راستے پر چلنے میں دشواری محسوس ہوتی ہے تو اس دشواری کا علاج صبر اور نماز ہے۔ ان دو چیزوں سے بندے کو وہ طاقت ملتی ہے جس سے یہ راہ آسان ہوجاتی ہے۔

صبر کے لغوی معنی روکنے اور باندھنے کے ہیں۔ اس سے مراد ارادے کی وہ مضبوطی، عزم کی وہ پختگی اور خواہشاتِ نفس کا وہ انضباط ہے جس سے کوئی بھی محض نفسانی اور بیرونی مشکلات کے مقابلے میں اپنے ضمیر وقلب کے پسندیدہ راستے پر بڑھتا چلا جائے۔ اس لیے اس آیتِ مبارکہ میں انسان میں اخلاقی صفت اپنے اندر پرورش کرنے اور باہر سے طاقت پہنچانے کے لیے نماز کی پابندی کا حکم دیا جارہا ہے۔ کیونکہ نماز کے ذریعے ایک مومن کا رابطہ وتعلق اللہ تعالیٰ سے استوار ہوتا ہے جس سے اسے اللہ تعالیٰ کی تائید ونصرت حاصل ہوتی ہے اور صبر کے ذریعے اس کے کردار میں مضبوطی اور دین میں استقامت پیدا ہوتی ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب بھی کوئی اہم معاملہ درپیش ہوتا آپ فوراً نماز کا اہتمام فرماتے۔

(جاری ہے)

ہمارا آنچل

ملیحہ احمد

رباب کنول...... حیدر آباد

ڈیئر قارئین، اسلام علیکم آپ سب اور آنچل کے لیے ڈھیر ساری دعائیں لیے رباب کنول انصاری حاضر خدمت ہے، اس امید کے ساتھ کہ میرا یہ چھوٹا سا تعارف آپ کو پسند آئے گا، تو جی جناب ایک بڑی بہن (نسرین صدف) اور چار بھائیوں کے بعد ہمارا نمبر ہے۔ 14 اگست کو اس دنیا میں آئی۔ بچپن بھی بچوں کی طرح شرارتوں سے مزین تھا جواب تک اسی طرح موجود ہے۔ مجھ سے چھوٹی ایک بہن ماہم نور ہے، جو میری طرح یا یہ کہنا بے جانہ ہوگا کہ میں اس کی طرح آنچل کی دلدادہ ہوں۔ ماہم نور میری بہن پلس دوست ہے، ویسے دوستوں کی فہرست بہت طویل ہے، تاہم عروسہ اینڈ ماہ نور رسالوں کی وجہ سے ٹاپ پر ہیں، باقی اور فرینڈز کا ڈائجسٹ وغیرہ پڑھنے کا رجحان نہیں ہے، میری امی میری سب سے اچھی دوست اور وہ واحد دوست جن سے میں ہر بات شیئر کرتی ہوں، اب آتے ہیں خوبیوں اور خامیوں کی طرف تو میری سب سے اچھی خوبی جس کی دوسرے بھی تعریف کرتے ہیں وہ یہ کہ میں ہر ایک سے محبت اور عزت کے ساتھ پیش آتی ہوں، خامیاں بہت ساری ہیں لیکن جو مجھے خود ناپسند ہے وہ یہ کہ میں ایک غیر مستقل مزاج لڑکی ہوں۔ میرا شوق مطالعہ کرنا، ریڈیو سننا اور کرکٹ کھیلنا ہے۔ سیاست سے گہری دلچسپی ہے، وطن سے محبت میرا نصب العین ہے۔ محنتی، سچے اور بہترین نظریاتی لوگ پسند ہیں۔ بزرگوں اور بچوں سے خاص انسیت ہے، شعر وشاعری سے شغف ہے۔ کوکنگ کرنا پسند ہے۔ فیروزی رنگ، مٹی کی خوشبو، آئس کریم، بریانی، سیر وتفریح اور موسم بہار دل کو بھاتے ہیں۔ مصروفیت اچھی لگتی ہے، فرصت کے لمحات میں ماہم اور میں بچپن کو یاد کرتے اور ان باتوں، حماقتوں پر تادیر ہنستے ہیں، فیورٹ سنگرز عابدہ پروین صاحبہ اور سجاد علی ہیں، پسندیدہ لباس وہ جس سے آپ کی حیا اور پاکیزگی جھلکے آئیڈیل شخصیت صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت علی اور محمد علی جناحؒ ہیں۔ میری کامیابی میرے والدین کی خدمت میں پوشیدہ ہے، کیونکہ والدین کی خدمت آپ کو دنیا کی ہر ناکامی سے بچالیتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے والدین کا سایہ ہمارے سر پر سلامت رکھے آمین۔ آخر میں بس اتنا ہی، جن کی سانسوں میں دعائیں ہیں، ایسی ہستیاں صرف مائیں ہیں۔

ہر تمنا ہی میری لاحاصل
پھر کس دھن میں جیئے جارہا ہوں
اس محبت کو اپنے دل سے نکال کر
میں اپنے آپ سے آزاد ہوتا جارہا ہوں

شہناز فضل......

السلام علیکم! ڈیئر قارئین کو۔ کافی عرصے بلکہ یوں کہنا چاہیے بیالیس سال سے پڑھ رہی ہوں۔ جب حور، حنا پاکیزہ وغیرہ آتے تھے۔ میرے والد صاحب اڑسٹھ میں انتقال کرگئے تھے۔ میری امی جان بہت بیمار رہتی تھیں تو وہ مجھ سے کہانیاں سنتی تھیں۔ جب ہی سے شوق ہوا تھا۔ پھر آٹھ بہن بھائی ہیں مجھ سے بڑی دو بہنیں ہیں۔ پھر میں ہوں، پھر بہن اور پھر چار بھائی ہیں۔ میں مڈل پاس ہوں، لیکن معلومات بہت ہے کیونکہ 'اخبار جہاں' بھی بچپن سے پڑھتی ہوں۔ بچوں کی کہانیاں بھی پڑھتی ہوں۔ عمران سیریز بھی پڑھتی تھی۔ اور پیاری نازیہ کنول نیازی، بشریٰ رحمن بہت اچھا لکھتی ہیں، اور امر مریم، سمیرا شریف، فائزہ گل، نمرہ احمد، عمیرہ احمد پسندیدہ لکھاریوں میں شامل ہیں۔ اگر میں سب کے نام لکھوں تو یہ تو ایک افسانہ بن جائے۔ میری پسند گیلی مٹی ہے۔ وائٹ کلر پسند ہے، شلوار قمیض پسند ہے، موتیا کے پھول بہت پسند ہیں اور جو بھی کتاب ہاتھ لگ جائے ختم کیے بغیر سکون نہیں ملتا ہے۔ ہم شریر بھی بہت تھے۔ اب ایک عمر ہوگئی ہے میرے تین بیٹے ہیں۔ بڑے کی شادی ہوگئی ہے۔ ایک دبئی میں ہے اور چھوٹا پاکستان میں۔ شوہر جدہ میں ہوتے ہیں بلکہ سارے ہی سسرال والے جدہ میں ہوتے ہیں۔ میری آئیڈیل شخصیت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ میں ابھی عمرہ بھی کرکے آئی ہوں، میں آنچل، حجاب، پاکیزہ، کرن، شعاع، حنا، خواتین ڈائجسٹ سب ہی پڑھتی ہوں۔ کیونکہ بیٹی نہیں ہے، میرے بیٹے فیصل کی شادی ہوئی تو میں کوئی کام بھی نہیں کرتی ہوں۔ میرے گردے خراب ہیں، تو کھانے کا بھی شوق نہیں۔ ہاں پکانے کا بہت شوق تھا۔ اور ابھی بھی ہے۔ اب بات خوبیوں اور خامیوں پر تو مجھے غصہ بہت آتا ہے۔ جو برداشت میں ہوتا ہے۔ دل کی بہت اچھی ہوں، درگزر کرتی ہوں۔ دوستی کرنا اچھا لگتا ہے اور کوئی

دوستی کرنا چاہے تو موسٹ ویلکم شب ہجر کی پہلی بارش نازیہ کنول نازی کی یہ تحریر بہت ہی پسند ہے۔ ویسے سب ہی اچھا لکھتی ہیں۔ مجھے بارش بہت پسند ہے۔ ویسے مجھے اپنا اخلاق بھی بہت پسند ہے۔ میں پہلی بار لکھ رہی ہوں پتہ نہیں ٹھیک لکھا ہے یا نہیں اب اجازت چاہتی ہوں۔ ''اچھا سوچیے۔ اچھی باتیں کرنا یہ بھی صدقہ جاریہ ہوتا ہے۔''

ثنا نواز جھنگ

السلام علیکم! آنچل کے تمام قارئین کو میری طرف سے پیار بھرا اسلام، سنایئے کیسے ہیں آپ سب یقیناً ٹھیک ہوں گے۔ میں ہر بار کوشش کرتی ہوں، لیکن پتا نہیں کیوں لکھ نہیں پاتی لیکن آخر میں نے ہمت کر ہی لی۔

اور ایک راز کی بات بتاؤں، میں یہ لیٹر کلاس میں بیٹھ کر لکھ رہی ہوں۔ اسٹوڈنٹ پوچھ رہے ہیں ٹیچر جی آپ اپنا کام کر رہی ہیں اور ہم نے کہا یہی سمجھ لو، اچھا تو آپ نے میرا نام اوپر تو پڑھ ہی لیا ہوگا، لیکن پھر بھی بتاتی چلوں میرا نام ثناء نواز ہے، میں 1998ء کو اس دنیا میں حاضری لگانے آ گئی۔ میں بی اے پارٹ ون کی اسٹوڈنٹ ہوں اور ٹیچر بھی ہوں فیوچر میں، میں نے ڈیزائنر بننا ہے اور یہ میرا خواب ہی نہیں بلکہ میرا جنون ہے۔ میں جھنگ کے گاؤں منگالی شریف میں رہتی ہوں۔ اب بات ہوجائے فیملی کی تو ہم سات بہن بھائی ہیں، چار بہنیں اور تین بھائی ہیں اور میں سب سے چھوٹی ہوں، میرے علاوہ سب کی شادیاں ہوچکی ہیں اور سب اپنے بچوں کے ساتھ ہنسی خوشی زندگی جی رہے ہیں، بس ایک بھائی اور سسٹر کی اولاد نہیں، اللہ ان کو صاحب اولاد کرے۔ آمین۔

اب مزے کی بات بتاؤں جب میری بڑی آپی کی شادی ہوئی تھی تب میں دو سال کی تھی۔ مجھے اور میری بھابی جویریا میں تین چار سال کا فرق ہے۔ اس کی اور میری آپس میں بہت بنتی ہے، ہر بات ایک دوسرے سے شیئر کرتی ہیں۔ اس کی آنکھیں بہت پیاری ہیں، گہری جھیل جیسی، ان میں ڈوب جانے کو من کرتا ہے، کیونکہ وہ ہے ہی اتنی پیاری۔ ہائے کہیں دوسری آپی ناراض ہی نہ ہوجائے، ہاں بھئی ان کی بیٹیاں ثانیہ ثمر اور مناہل بھی بہت پیاری اور کیوٹ ہے اور میرے بھائیوں کی بیٹیاں بھی بہت پیاری ہیں، سعدیہ نادیہ خدیجہ کنزا اور میرے بھتیجے عدنان فیضان اور احمد فراز ہیں وہ بہت نائی بوائے ہیں اور بھانجے حسان اور شہزاد ہیں، سب ہی مجھے پیارے لگتے ہیں

کیونکہ میں ان کی چھوٹی پھوپو اور خالہ جو ہوں۔ اور میں اپنے امی اور ابو سے بہت پیار کرتی ہوں خدا میرے ماں باپ کو صحت والی عمر عطا فرمائے آمین۔ میری ماں دنیا کی سب سے اچھی ماں ہے اور میں اپنی امی کے لیے کچھ بھی کرسکتی ہوں، امی آئی لو یو، اللہ تعالیٰ کو ہمیشہ صحت مند رکھے اور عمرہ کی سعادت نصیب فرمائے آمین۔ مطالعہ کرنے کا بے حد شوق ہے، میں ڈائجسٹ بہت شوق سے پڑھتی ہوں، ہاں ایک بات بتاؤں کالج لائف میں نہیں پڑھ سکتی تھی کیونکہ امی کہتی تھیں کہ اس سے تمہاری پڑھائی پر اثر پڑے گا اور دوسرا میری سسٹر صائمہ کو رسالہ سے بڑی چڑ ہوتی تھی کہ تم ہر وقت رسالہ لے کر بیٹھی رہتی ہو، لیکن اب تو اس کی بھی شادی ہوگئی ہے۔ اللہ اس کو اپنے گھر میں آباد رکھے۔

اب بات ہوجائے خوبیوں اور خامیوں کی تو مجھ میں پہلی اور خاص خامی یہ ہے کہ مجھے غصہ بہت آتا ہے، خاص کر ان لوگوں پر جو جھوٹ بولتے ہیں، ایک کی بات سن کر دوسرے کو بتا دیتے ہیں، ان پر مجھے بہت غصہ آتا ہے۔ دل کرتا ہے ان کو شوٹ کردوں، لیکن ایسا میں کر نہیں سکتی، دل کی صاف ہوں اگر کوئی میرے ساتھ زیادتی کر بھی لے تو میں اس کو معاف کردیتی ہوں۔ میری اتنی زیادہ دوستیں نہیں۔ میری کالج لائف میں چار دوستیں تھیں، غزالہ صوفیہ، اقراء اور ارم اور میں ہمارا اپنا ہی ایک علیحدہ گروپ تھا۔ بہت مزا آتا تھا، اب کالج لائف کو بہت مس کرتی ہوں، غزالہ کی تو اب شادی ہوچکی ہے اور پتا نہیں وہ مجھے یاد بھی کرتی ہوگی کہ نہیں، وہ کرے نہ کرے لیکن میں اس کو ہر روز یاد کرتی ہوں۔

میرے فیورٹ کلرز گرین بلو اور سفید ہیں، میں کپڑوں میں ہمیشہ شلوار قمیص ہی پہنتی ہوں اور کھانے میں جو ملے کھا لیتی ہوں، موڈی نہیں ہوں لیکن میں مٹن بریانی بڑے شوق سے کھاتی ہوں۔ میری فیورٹ کتاب قرآن مجید ہے اور رائٹرز میں سمیرا شریف طور، نازیہ کنول نازی موسٹ فیورٹ رائٹر ہیں۔ مجھے سونگ سننے پسند ہیں، مجھے ٹی وی دیکھنے سے زیادہ اسٹوری پڑھنے میں مزا آتا ہے۔ مجھے ان اداکاراؤں پر بہت غصہ آتا ہے جو انڈیا میں فلمیں بنانے چلی جاتی ہیں، ان کو یہ سمجھ نہیں آتی کہ وہ ہمارا دشمن ملک ہے اس کے وہاں پہنچ جاتے ہیں، چلو لڑکوں کی بات اور ہے وہ جائیں، لیکن لڑکیوں کو نہیں جانا چاہیے، میری تو یہی رائے ہے، وہاں پر لڑکیوں کو بیہودہ لباس زیب تن کروایا جاتا ہے۔

حالانکہ یہ لباس ایک مسلم عورت کو زیب نہیں دیتا۔ ہاں مجھے ایک بات یاد آ گئی میرے خط نہ لکھنے کی وجہ میری لکھائی بھی تھی، میں سوچتی تھی کہ میری خراب لکھائی کا مذاق اڑائیں گے۔ میں جب آٹھویں جماعت میں تھی تو مس عفت نے مجھے کہا تھا کہ ثناء اب، ایگزیمنیشن میں ٹانگوں سے نہ لکھ دینا ہاہاہا۔ آپ لوگوں کو بھی ہنسی آ رہی ہوگی۔ میری فیورٹ ٹیچر خورشید موہل، مس راحیلہ صاحبہ، مس عذرا، مس عصمت اور مس سندس تھیں، وہ بہت اچھی ٹیچرز تھیں۔ اچھا اب آپ لوگ بھی بور ہوگئے ہوں گے، بس آخر میں ایک بات کہنا چاہتی ہوں کہ انسان جتنی بھی کوشش کرلے اور لاکھ ہاتھ پاؤں مارلے کہ میں نے زندگی میں ہر چیز حاصل کرنا ہے اور کچھ بن کر دکھانا ہے، لیکن ہوتا وہی ہے جو قسمت میں ہوتا ہے۔ اس لیے ہمیں کسی سے حسد نہیں کرنا چاہیے کہ اس کے پاس یہ ہے میرے پاس نہیں، کیونکہ حسد نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جس طرح آگ لکڑی کو جلا کر خاکستر کردیتی ہے، یعنی راکھ کردیتی ہے۔ ہاں میں نے ایک بات رسالے سے نوٹ کی تھی ایک لڑکی نے لکھا ہوا تھا کہ اپنی عزت کی حفاظت کرنا اور اپنے کردار کو بلند رکھنا، کیونکہ دنیا میں ہر چیز واپس مل سکتی ہے مگر عزت نہیں۔ تو اس نے بالکل اچھا لکھا تھا کہ لڑکیوں کو اپنے ماں باپ کی عزت کا خیال رکھنا چاہیے اور میں دعوے کے ساتھ کہہ سکتی ہوں کہ اگر پاکستان میں اس طرح کی لڑکیاں پیدا ہوجائیں تو ہمارا معاشرہ سنوار جائے اور شاید لڑکیوں کی سمجھ میں آجائے۔ ماں باپ کی عزت کتنی اہم ہوتی ہے، خاص کر ہماری اپنی عزت کیونکہ ان محبت نما ڈھکوں سے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ والسلام۔

مصباح بتول......

السلام علیکم آنچل اسٹاف، ریڈرز اینڈ رائٹرز اور تمام چاہنے والوں کو مابدولت کی طرف سے پیار بھرا سلام قبول ہو اور ڈھیروں دعائیں۔ مجھ ناچیز کو مصباح بتول کہتے ہیں، میں آنچل کی خاموش قاری ہوں، میرا آنچل سے تقریباً آٹھ نو سال کا پرانا اور گہرا تعلق ہے۔ تمام ڈائجسٹوں میں سے مجھے آنچل پسند ہے۔ آنچل سے مجھے بہت کچھ سیکھنے کو ملا، ہم پانچ بہن بھائی ہیں، چار بھائیوں کی اکلوتی بہن ہوں، والد محترم کا انتقال ہوگیا۔ میرے ابو جان مجھ سے بہت پیار کرتے تھے۔ دسمبر دو ہزار سولہ میں مجھ پر یہ پہاڑ ٹوٹا، میرے والد محترم چپکے سے ہمیں چھوڑ کر اس دنیا سے رخصت ہوگئے اللہ تعالیٰ ان کے درجات کو بلند فرمائے۔ اللہ تعالیٰ میرے والد محترم کو جنت الفردوس کی تمام نعمتوں سے مالا مال فرمائے۔ آمین۔ میری تعلیمی قابلیت میٹرک ہے۔ میری امی جان ذہنی مریضہ ہیں، امی جی کی بیماری کی وجہ سے مزید پڑھ نہ سکی۔ پڑھنے کا بہت شوق تھا لیکن اکلوتی بہن ہوں، والدہ کی بیماری اور گھر کی ذمہ داری کی وجہ سے مزید تعلیم نہ حاصل کرسکی، اللہ میری والدہ کو تندرستی عطا فرمائے۔ ہماری والدہ کا سایہ ہم پر سلامت رکھے۔ ہماری کاسٹ جٹ ہے۔ اب بات ہوجائے پسند و ناپسند کی، تو مجھے پھولوں میں سرخ گلاب پسند ہے، اور کھانے میں مجھے بریانی، سموسے بہت پسند ہیں اور آئس کریم بہت شوق سے کھاتی ہوں اور کھانے میں جو ملے کھا لیتی ہوں نخرہ نہیں کرتی۔ گھر والوں کو تنگ نہیں کیا کبھی اور نہ کبھی کسی چیز کے لیے ضد کی اور ڈریسز میں مجھے فراک بہت پسند ہے اور کلرز میں زنک اور پنک کلرز پسند ہیں۔ چودھویں کا چاند اچھا لگتا ہے۔ بارش بہت پسند ہے۔ جیولری میں لاکٹ، چوڑیاں، رنگ بہت پسند ہے۔ دوستی کے رشتے کو مانتی ہوں، اسکول لائف میں رضیہ، سعدیہ، ارم، امتیاز، شمائلہ، فضہ، سامیہ سے میری اچھی دوستی رہی، اب بھی ہے...... اب بھی وہ میری بیسٹ فرینڈ ہے اب آتے ہیں اچھائی اور برائی کی طرف۔ برائی یعنی خامی یہ ہے کہ غصہ بہت جلدی آتا ہے، کنٹرول نہیں ہوتا ویسے جلدی ختم ہوجاتا ہے، جب غصہ ٹھنڈا ہوتا ہے تو احساس ہوتا ہے کہ غصہ نہیں کرنا چاہیے، لیکن کیا کروں غصہ کا کوئی علاج بھی نہیں اور بھروسہ بہت جلد کرلی ہوں اور نقصان اٹھاتی ہوں۔ اچھائی یہ ہے کہ بقول صائمہ کے خوش اخلاق ہوں، اچھے اخلاق سے ہر کسی سے بات کرتی ہوں۔ اور میں کسی سے حسد نہیں کرتی، نہ کسی کا بھی برا سوچا ہے۔ انگیجڈ ہوں، بہت جلد شادی ہونے والی ہے بلکہ اب تو کچھ دن ہی رہ گئے ہیں شادی میں۔ میری فیورٹ جگہ خانہ کعبہ ہے، میری دعا ہے اللہ تعالیٰ مجھے اور میری امی جان کو اپنے پیارے گھر کی زیارت نصیب فرمائے آمین۔ اور میری فیورٹ ٹیچرز میں ٹیچر سمیرا اور صائمہ اور ٹیچر فرح ہیں۔ میری دعائیں ان کے ساتھ ہیں۔ مجھے پیارے نبی ﷺ سے بہت پیار ہے۔

سہانی رات کا سحر

ایم سلطانہ فخر

عشق میں دل کا تماشہ نہیں دیکھا جاتا
ہم سے ٹوٹا ہوا شیشہ نہیں دیکھا جاتا
اپنے حصے کی خوشی آ میں لٹا دوں تجھ پر
تیرا اترا ہوا چہرہ نہیں دیکھا جاتا

وہ سب اس طرح منہ لٹکائے بیٹھے تھے جیسے بھرے مجمع میں کوئی ان کی جیبیں صاف کر گیا ہو اور ان کی سمجھ میں نہ آ رہا ہو کس کو موردِ الزام ٹھہرائیں یا پھر اپنی جیبیں صاف ہونے پر غم کا اظہار کس طرح کریں کیونکہ ان سب کا غم مشترکہ تھا۔ یعنی ثمرین، احمرین اور مونا کا...... ندیم اور کاشف کو تو صرف وقتی طور پر شاک لگا تھا اور ظاہر ہے جب انسان کو کوئی زبردست شاک لگے تو اس کے حواس خمسہ مفلوج ہو کر رہ جاتے ہیں۔ اس لیے ندیم اور کاشف کو اپنی جیبیں تو کٹی ہوئی لگ رہی تھیں مگر چونکہ وہ بالکل خالی تھیں اس لیے وہ حواس مفلوج ہو جانے کی حد تک اس چونکا دینے والے واقعے سے متاثر نہیں ہوئے تھے اب تک کسی نے کسی سے ایک لفظ نہ کہا تھا مگر سب ہی کم و بیش ایک ہی سوچ میں گم تھے اس وجہ سے کمرے میں ایک ناگوار سکوت مسلط ہو گیا تھا۔ آخر ایک لمبی آہ بھرتے ہوئے ندیم نے کمرے میں پھیلے ناگوار سکوت کو توڑنے میں پہل کی۔

"ہم...... تو یہ تھا ڈراپ سین اس پیروڈی کا۔"

"پیروڈی؟" مونا تلملا کر چیخی۔

"ارے بھئی تو ٹریجڈی ہی سمجھ لو۔" کاشف نے انتہائی ملائم لہجے میں کہا۔

"مگر یہ ہوا کیسے۔ اف گوش کم از کم آئی کین نوٹ بلیو۔" ثمرین نے بھی لب کشائی کی۔

"تمہیں کیا جو بھی سنتا ہے اسے یقین ہی نہیں آتا۔" کاشف بولا۔

"ہاں واقعی بات ہی ایسی ہے۔" احمرین نے کاشف کی ہاں میں ہاں ملائی۔

"تمہارے لیے ہوگی ورنہ میں تو اسی روز سمجھ گئی تھی جس روز ان کی کار کا پنکچر ہوا تھا۔" مونا بڑے جلے کٹے انداز میں بولی۔

"ارے بھئی کار کا نہیں ٹائر کا پنکچر کہو۔" ندیم نے مسکینی سے اس کی اصلاح کی۔

"چلو ٹائر کا ہی سہی تمہیں تو ہمیشہ سے دوسروں کی زبان پکڑنے کی عادت ہے۔" مونا سخت چڑے ہوئے انداز میں بولی۔

"اجی توبہ کیجیے مجھے کیا آپ خواتین کی زبان پکڑ کر اپنی شامت بلانی ہے۔" ندیم کانوں کی لوئیں چھوتا ہوا بولا۔

"ہاں اور کیا آج تک کوئی بڑے سے بڑا سائنسدان تو کوئی ایسی مشین ایجاد نہ کر سکا جس سے عورت کی زبان کو تھوڑا بہت ہی کنٹرول کیا جا سکے تو پھر ہم کس گنتی اور شمار میں ہیں۔" کاشف نے مسمی سی شکل بنا کر ندیم کی ہاں میں ہاں ملائی تو احمرین کو بے ساختہ ہنسی آ گئی اور مونا کا پارہ کئی درجے فارن ہائیٹ چڑھ گیا۔

"اف...... یہ تم لڑکوں کی ساری کی ساری ہی قوم بڑی ناسمجھ ہے۔"

"ہاں ورنہ موقع تو تھا سوگ منانے کا۔" کاشف نے اس کی بات اچکی تو مونا خاموشی سے اٹھی اور غصے سے پیر پٹختی کمرے سے باہر نکل گئی۔

"چلو ایک کو تو آؤٹ کر دیا تم نے۔" ندیم ہنس کر بولا۔

"ہاں لیکن اب ہم دونوں کو بیک ٹو ڈی پویلین ہو جانا چاہیے۔"

"چلو اٹھو پونے تین ہو رہے ہیں صرف پندرہ منٹ رہ گئے سمجھ گئے ناں۔"

"پکچر جا رہے ہیں ناں۔" احمرین نے جتانے کے سے انداز میں کہا۔

"جی نہیں چڑیا گھر۔ دو پنجرے خالی ہوئے ہیں ابھی ابھی۔" ندیم نے اسے منہ چڑا کر کہا۔

"ہاں بس اسی کام کے رہ گئے ہیں آپ دونوں۔" ثمرین نے جل کر کہا۔

"ارے نہیں سخت غلط فہمی ہوئی آپ کو ہم تو آپ دونوں کی رہائش کا بندوبست کرنے جا رہے ہیں۔" کاشف نے دوبدو کہا اور ندیم کا ہاتھ پکڑ کر باہر نکل گیا۔

ان تینوں نے ڈرائنگ روم میں قدم رکھا تو وہ نعیم چچا اور ان کی آل اولاد کے درمیان گھرا بڑے گلیمر سے مسکراتا ہوا نظر آیا۔ نعیم چچا سب کچھ بھول کر ان تینوں کی طرف

متوجہ ہوئے۔

”آؤ آؤ بڑا انتظار کروایا۔“ انہوں نے گویا ان کا استقبال کرتے ہوئے کہا۔

”ذرا پہچانو تو اشعر بیٹے یہ تینوں کون ہیں؟“ تب اس نے یکے بعد دیگرے ان تینوں پر ایک نظر ڈالی اور تھوڑے سے توقف کے بعد بتانے لگا۔

”یہ حمید چچا کی صاحبزادی ہیں اور غالباً یہ بھی انہی کی۔“ اس کا باقی فقرہ قہقہوں میں ڈوب گیا مگر اس کا چہرہ بے تاثر ہی رہا۔

”اور یہ کون ہیں؟“ نعیم چچا کے بڑے لڑکے وسیم نے پوچھا۔

”یہ سعید چچا کی بیٹی ہیں۔“ اس نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

”نام بتایئے تو جانیں۔“ نعیم چچا کی بیٹی ریحانہ نے کہا۔

”اب نام وام تو یاد نہیں۔“ وہ اس طرح بولا جیسے اس تعارف سے مرعوب ہوگیا ہو۔

”خیر...... یہی کیا کم ہے کہ کسی کو بھولے نہیں۔“ نعیم چچا ہنس کر بولے۔

”بھولنے کا سوال ہی نہیں چچا جان‘ بھلا چار پانچ برس کے عرصے میں بھی کوئی اپنی خو بو کو بھولتا ہے۔“ اسے اکتاہٹ سے جواب دیتا دیکھ کر نعیم چچا نے موضوع بدلا۔

”بینا نہیں آئی۔“ انہوں نے سعید چچا کی لڑکی مونا سے پوچھا۔

”جی نہیں چچا جان۔“ مونا کے بجائے ثمرین نے جواب دیا۔ وہ وسیم سے باتیں کرنے لگا تو مونا‘ ثمرین اور احمرین بھی اس کے قریب ہی بیٹھ گئیں اور اس سے کینیڈا کے قیام کے بارے میں پوچھنے لگیں۔

اور وہ بڑے لیے دیئے انداز میں ان کو جواب دیتا رہا‘ پھر چائے وغیرہ پی کر وہ واپسی کے لیے اٹھیں تو چلتے چلتے پھر نعیم چچا کو بینا کا خیال آ گیا۔

”ارے ہاں سنو بچیو۔ ان کی آمد کے سلسلے میں پرسوں جو پارٹی ارینج کر رہے ہو اس میں بینا کو ضرور ساتھ لانا۔“ مونا کو یہ بات بڑی بری لگی بیزار سے لہجے میں بولی۔

”بینا ہمارے قصبے میں آنے والی نہیں چچا جان۔ اس وقت بھی کتنا کہا کہ ساتھ چلی چلو مگر وہ نہیں آئیں۔“

”اصل میں اس کے پریکٹیکلز شروع ہونے والے ہیں ناں پپا۔ اس لیے نہیں آئی ہوگی۔“ ریحانہ کو مونا کا شکایت کرنے کا انداز اچھا نہ لگا تو وہ جھٹ سے بولی۔

”ارے نہیں پریکٹیکلز کا تو صرف بہانہ ہے وہ تو ہمیشہ ہی نخروں میں تلتی ہیں۔“ ثمرین نے ناک چڑھا کر کہا۔

”بہرحال تھوڑی دیر کو ہی سہی‘ اس سے کہنا کہ شریک ضرور ہوجائے اسے بھی تھوڑا بہت سب میں مکس ہونا چاہیے۔“ نعیم چچا قصہ کوتاہ کرتے ہوئے بولے۔

”آپ بے فکر رہیے پپا میں خود اسے فون کرکے کہہ دوں گی۔“ ریحانہ بولی۔

بار بار بینا کے نام کی گردان اشعر کے سامنے ہو رہی تھی۔ پھر بھی اس نے بینا کے بارے میں کسی سے کچھ نہیں پوچھا۔ ان تینوں کے جانے کے بعد خود ہی نعیم چچا بتانے لگے۔

”بینا تو تمہیں شاید ہی یاد ہو وہ تمہارے دادا کی بھتیجی تھیں ناں...... راضیہ آپا انہیں کی بیٹی ہے۔“ بات کے اختتام پر انہوں نے ایک سرد سی آہ بھری۔

”بڑی خوبیوں کی مالک ہے مگر قسمت اس قدر کھوٹی...... ہاں قدرت سے بھلا کون لڑ سکتا ہے۔“ وہ تب بھی خاموش ہی رہا۔ ویسے دل میں اس نے یہی سمجھا کہ یقیناً وہ کوئی معذور لڑکی ہوگی تبھی تو نعیم چچا اس سے حد درجہ ہمدردی کا اظہار کر رہے ہیں اصل میں وہ بہت ریزروسا بندہ تھا۔ کم ہی کسی بات کے بارے میں اپنے تجسس کا اظہار کرتا اور یہ تو کوئی تجسس کی بات بھی نہ تھی۔ نعیم چچا اسی طرح بہت سے لوگوں سے اس کا غائبانہ تعارف کراتے رہے تھے۔ نعیم چچا نے اشعر کی آمد کی خوشی میں جو پارٹی دی تھی وہ کسی جشن کا سا سماں پیش کر رہی تھی۔ خاندان کی پردہ دار خواتین کے سوا انہوں نے تقریباً سارے ہی عزیز

[illegible] ہو گیا تھا۔ اس پر وسیم اور شمیم کے دوست [illegible] ریحانہ کی سہیلیاں اور خود اشعر کے چند دوست اور [illegible] ملی دوستیں سب ہی شامل تھے۔ نعیم چچا کی کوٹھی کے [illegible] ہال میں کافی رش ہوگیا تھا۔ لہراتے ہوئے رنگین و [illegible] آنچل اور بے آنچل کے لباس پر بل کھاتی ہوئی [illegible] ملبوس میک اپ سے لیس چہرے بالوں کے قسم قسم [illegible] اسٹائلز‘ چمچماتے ہوئے سیاہ اونچی ہیل کے مردانہ بوٹ لڑلڑاتے ہوئے کالرز اور کھڑی کھڑی کریزیں ایک دم [illegible] فیشن پریڈ کا سا سماں لگ رہا تھا۔ مشرق اور مغرب [illegible] کے بارے میں علم نظریہ یہی تھا کہ کبھی نہیں مل سکتے اس وقت بڑی گرم جوشی سے گلے ملتے دکھائی دے رہے تھے‘ اصل میں نعیم چچا نے جان کر اتنا زیادہ اہتمام کیا تھا کیونکہ وہ کب کا اپنا کیریئر بنا چکا تھا۔ اور اب اپنے وطن اسی مقصد سے آیا تھا کہ اپنے معیار کی کوئی لڑکی پسند کرکے اپنا گھر بسالے۔ اسے وہ دن اچھی طرح یاد تھے جب اسے لاوارث اور یتیم سمجھ کر اس کے سگے چچا حمید اور سعید نے گھر سے نکال دیا تھا‘ ان دنوں اس نے صرف میٹرک پاس کیا تھا اور آگے پڑھنے کے امکانات ہی نہ رہے تھے مگر چچاؤں نے اسے گھر سے نکالا تو اس نے بھی ان لوگوں کو کچھ بن کر دکھانے کا تہیہ کرلیا۔ ٹیوشن پڑھائیں حتیٰ کہ مزدوری تک کی کئی کئی وقت بھوکا رہا۔ شروع شروع میں ایک دکان دار کی منت سماجت کرکے دکان کے چبوترے پر بھی سویا مگر اپنی پڑھائی جاری رکھی۔ انٹر کرنے کے بعد آخر اسے ایک فرم میں ہیلپر کی ملازمت مل گئی اور اپنے ایک شاگرد کے یہاں رہنے کے لیے ٹھکانہ بھی مل گیا مگر اس نے تعلیم جاری رکھی۔ آدھا پیٹ کھاتا چند گھنٹے سوتا مگر پڑھتا رہتا۔ غرض یہ کہ تعلیمی مدارج مکمل کرنے کے وہ چھ سال کسی جہاد سے کم نہ تھے پھر اس نے جونہی انٹرنیشنل ریلیشنز میں ایم اے کیا فوراً ہی اسے ایک اچھی ملازمت مل گئی۔ دو برس اس ملازمت پر متمکن رہا پھر ایک دم ہی اسے پریس اتاچی بنا کر کینیڈا بھیج دیا گیا۔ جہاں سے اب وہ پورے چار سال بعد آیا تھا وہ بھی نعیم چچا کے پیہم اصرار پر کیونکہ اس نے کینیڈا میں مستقل سکونت اختیار کرلی تھی اور کچھ ہی عرصہ پہلے اپنی ملازمت چھوڑ کر ایک لمیٹڈ کمپنی کے شیئر خرید کر اپنا نجی کاروبار شروع کردیا تھا وطن میں اس کا تھا ہی کون یعنی جو تھے انہوں نے اس کے احساسات کو اس قدر مجروح کردیا تھا کہ وہ ان کی صورت تک دیکھنے کا روادار نہ تھا۔ وہ تو نعیم چچا جو اس کے والد کے سگے پھوپی زاد بھائی ہی نہیں بلکہ جگری دوست بھی تھے اور جنہوں نے بہت سے موقعوں پر اس کی مدد کی تھی۔ بس انہی سے اسے تھوڑا بہت لگاؤ تھا۔ انہوں نے محبت بھرے خطوط لکھے اور بڑے اصرار سے وطن بلایا تو کوئی ارادہ نہ ہوتے ہوئے بھی ایک دم ہی وطن آنے کا قصد کر بیٹھا مگر تھا بہت نکیلا۔ کسی پر بوجھ بن کر رہنا گوارا نہ کیا اور نعیم چچا کی مخالفت کے باوجود انٹر کون میں ایک کمرہ لے کر رہنے لگا۔

ادھر وہ چچا اور سارے رشتے دار جنہوں نے اسے انتہائی کسمپرسی کے عالم میں گھر سے نکالا تھا اب اسے سر آنکھوں پر بٹھانے کے لیے تیار تھے مگر وہ اپنے چچاؤں سے اب تک ملا ہی نہ تھا۔ نعیم چچا کے یہاں بھی اس روز دوسری بار آیا تھا۔ جس دن مونا وغیرہ بھاگی بھاگی اس سے ملنے پہنچی تھی ثمرین اور احمرین اس کے چھوٹے چچا حمید کی لڑکیاں تھیں اور یہ دونوں جوان تھیں۔ ان سے چھوٹا ایک بھائی بھی تھا اور مونا منجھلے چچا سعید کی بے حد لاڈلی اور اکلوتی بیٹی تھی۔ تین بھائیوں کی اکلوتی بہن کاشف اس کا بڑا بھائی تھا۔ جو اس سے صرف ایک سال بڑا تھا۔ باقی دو بھائی بہت چھوٹے تھے اور ندیم چھوٹی پھوپو کا اکلوتا بیٹا تھا۔ مونا کو اس بات پر بہت ناز تھا کہ وہ بچپن میں اشعر کے ساتھ رہی تھی اور یہ سمجھے بیٹھی تھی کہ اشعر زندگی کے رفیق کے طور پر اس کا انتخاب کرے گا۔

مونا ایم اے پریوس میں پڑھ رہی تھی اور ثمرین اور احمرین کا بی اے کا آخری سال تھا‘ ندیم حال ہی میں شعبہ اطلاعات میں ایک گزیٹڈ پوسٹ پر فائز ہوا تھا اور دونوں چچاؤں کو جو یہ دعویٰ تھا کہ ان کی نرینہ اولادیں بڑی ہوکر شاید عنان حکومت ہاتھ میں لے لیں گی وہ بس آنکھ کھلتے

ہی ٹوٹ جانے والے حسین خواب کی طرح رہا۔ کاشف نے عمرانیات میں ایم اے تو کرلیا تھا مگر اسے کوئی اعلیٰ وارفع منصب نہ مل سکا اور ان کے دونوں چھوٹے لڑکوں کو پڑھائی کا نہیں ہیرو بننے کا شوق تھا۔ ویسے دونوں چچا شروع ہی سے خاصے متمول اور باحیثیت رہے تھے۔ اصل میں اس کے مرحوم والد رشید جو سعید اور حمید کے بڑے بھائی تھے انہیں ان کے والد نے اپنی مرضی سے ایک غریب طبقے کی لڑکی سے شادی کرنے کے جرم میں عاق کردیا تھا پھر مرتے مرگئے بیٹے کی صورت نہیں دیکھی رشید کا بھی کچھ عرصے بعد ایک حادثے میں انتقال ہوگیا۔ ماں اور بیٹا بے سہارا اور بے یار و مددگار رہ گئے تو انہوں نے سعید اور حمید کے یہاں آ کر پناہ لی لیکن سسرال والوں نے ان پر عرصہ حیات تنگ کردیا ماں اور بیٹے سے نوکروں سے بھی بدتر سلوک روا رکھا گیا۔ اشعر کی ماں تو پہلے ہی دائم المریض تھی اپنے سسرال والوں کے ظلم برداشت نہ کرسکی اور جلدی اپنے مالک حقیقی سے جاملی اور دربدر کی ٹھوکریں کھانے کو اشعر ہی رہ گیا' مگر وہ ان لوگوں میں سے نہ تھا جو حالات کے رحم و کرم پر خود کو چھوڑ کر دوسروں کے محتاج ہوجاتے ہیں' ایک تو وہ بہت زیادہ حساس تھا اور اس پر غیور اور پرعزم بھی۔ اس نے اتنی کمسنی میں جب کہ وہ بمشکل اٹھارہ سال کا بھی نہ تھا اپنی عمر کے اس تعمیری دور کی خود اپنے ہاتھوں سے بنیادیں رکھی تھیں۔ خود ہی دیواریں کھڑی کی تھیں اور خود ہی چھت ڈالی تھی اسے خود پر جتنا بھی فخر ہوتا کم تھا۔ مگر فخر کا احساس اسے اپنے عزیزوں میں آ کر ہی ہوا تھا۔ وہ فطرتاً کم گو اور سنجیدہ مزاج تھا' ہوش سنبھالتے ہی اس نے اتنے دکھ جھیلے تھے کہ اپنی ذات کے سوا کسی پر اعتماد نہیں رہا تھا لیکن اس روز تو وہ بہت چاق و چوبند نظر آ رہا تھا یہ تقریب اسی کے اعزاز میں ہو رہی تھی اور وہ اپنے اور وسیم کے دوستوں اور ریحانہ کی سہیلیوں سے بڑی خندہ پیشانی سے پیش آ رہا تھا اور دل کھول کر قہقہے لگا رہا تھا۔ اس نے ڈارک بلیو تھری پیس ٹیس گارٹ کا بیش قیمت سوٹ زیب تن کر رکھا تھا۔ کوٹ کی آستینوں سے ہلکے نیلے رنگ کے ہیرے کے کف لنکو بڑے واضح طور پر جھانکتے نظر آ رہے تھے اور انگلیوں میں پھنسی قیمتی نگوں کی خوب صورت انگوٹھیاں اس کی شان و شوکت میں اضافہ کررہی تھیں۔ اس کے خوب صورت چہرے پر ایک فاتحانہ سی شگفتگی تھی اور ہونٹوں پر ایک لازوال سی فخریہ مسکراہٹ جس نے اس کی دلکشی میں چار چاند لگادیئے تھے۔ اس پر بھی بینا سوچ رہی تھی کہ وہ تو بالکل بھی ویسا ثابت نہیں ہوا جیسا کہ مونا اور ثمرین اسے ظاہر کررہی تھیں کہ بڑا ہی سوبر اور ریزرو ہے مگر وہ تو بے حد چلبلا' ہنس مکھ اور باتونی سا لگ رہا تھا البتہ تھا واقعی بہت خوب صورت اور جو لڑکیاں اس کے لیے مری جارہی تھیں اس وقت منہ لٹکائے کسی کونے میں بیٹھی تھیں کیونکہ اس نے انہیں ذرا بھی لفٹ نہیں دی تھی بلکہ ان کو دیکھ کر کنی کترا گیا تھا۔ اسی وجہ سے بینا نے بھی اس کا کوئی نوٹس نہیں لیا اور مہمانوں میں مکس ہونے کی کوشش کرنے لگی۔ اول تو وہ بڑی مشکل سے وقت نکال کر آئی تھی اس پر ریحانہ وسیم اور شمیم وغیرہ اپنے اپنے مہمانوں کی خاطر تواضع میں اس قدر مصروف تھیں کہ انہیں اس کی طرف دیکھنے تک کی مہلت نہیں ملی تھی۔ اس پر بینا ہمیشہ سے ہی شور شرابے اور ایسی ہنگامہ خیز محفلوں سے گھبراتی تھی جن میں ایک پر ایک فوقیت لے جانے کی کوشش میں فیشن کی علامت بن کر آتا تھا اور اپنی اپنی حیثیت اور امارت کی نمائش کرتا تھا' بھلا وہ اپنی جلے پوشی کا بھرم قائم رکھنے والی لڑکی ایسی محفلوں میں کہاں کھپ سکتی تھی۔ اس نے نیوی بلو کلر کی جارجٹ کی ساڑھی اور فل سلیوز بلاؤز کے ہمراہ گلے میں طلائی چین اور کانوں میں ننھے ننھے طلائی آویزے پہن رکھے تھے' سیاہ گھنیرے بالوں کی دراز چوٹی سینے پر ڈالے اور ہلکے شیڈ کی چمکیلی سی لپ اسٹک لگائے وہ خود کو سب سے کمتر سمجھ رہی تھی۔ حالانکہ بڑی خود اعتماد اور پختہ مزاج کی لڑکی تھی مگر اس وقت اس کا احساس کمتری میں مبتلا ہونا ایک فطری سی بات تھی کیونکہ وہ بھی ان ہی میں سے ایک تھی۔ جو بہت بڑھ چڑھ کر اپنی امارت کا مظاہرہ کررہے تھے۔ اس نے سوچا اچھا ہی ہوا جو میرا اشعر سے

قرآن پڑھنا آسان سمجھنا سب کے لیے آسان

معروف قلمکار مشتاق احمد قریشی کی عام فہم قرآنی تفسیر پر مبنی کتابیں

منگوانے کا پتہ
اسلامی کتب خانہ الحمد مارکیٹ غزنوی روڈ اردو بازار لاہور۔ 0423-7116257
نئے افق گروپ آف پبلی کیشنز' 7 فرید چیمبرز عبداللہ ہارون روڈ کراچی۔ 0213-5620771/2

تعارف نہیں کرایا گیا۔ آج کل تو رشتے ناطوں میں بھی حیثیت کو اولیت دی جاتی ہے۔ مجھے دیکھ کر وہ نہ جانے کیا امپریشن لیتا۔ ایک بات ضروری تھی کہ ہمیشہ کی طرح اب بھی اسے اپنی صورت کا کمپلکس نہیں ہو رہا تھا۔ صورت اچھی ہو یا بری اللہ کی بنائی ہوئی ہوتی ہے اگر بندے کو ذرا بھی اختیار ہوتا اپنی صورت کی تراش خراش میں کسی قسم کی ترمیم یا تبدیلی کرنے کا تو پھر انسان کا کسی کمپلکس میں گرفتار ہونا بھی مناسب لگتا۔ اس کا خیال تھا اور کچھ اس قدر پختہ کہ اس وقت بھی جب کہ اس تقریب میں ایک سے ایک بڑھ کر حسن محفل شریک تھی اسے ذرا سا بھی کوئی ایسا احساس چھو کر نہ گزرا تھا۔ وہ چند مہمان لڑکیوں کے ساتھ بیٹھی ان کی گفتگو سن رہی تھی کہ نعیم کی نظر اس پر پڑی اور قدم بڑھا کر اس کے قریب چلے آئے۔

"ارے...... تم کب آئیں بیٹا۔ یعنی کہ کمال ہے میں نے دیکھا ہی نہیں۔" اور اس نے انہیں آداب کر کے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔

"دیکھ لیجیے ماموں میاں آپ کی ناراضگی کے خیال سے آ ہی گئی مگر اب مجھے آئے تو کافی دیر ہوگئی لہٰذا میں اجازت چاہتی ہوں۔"

"ہائیں کیسی اجازت۔ ابھی تمہیں آئے دیر کتنی ہوئی ہے۔ آؤ میں اشعر سے تمہیں ملواؤں۔" نعیم چچا اس کی بات کاٹ کر بولے۔ اسے خود جا کر اشعر سے متعارف ہونا اچھا نہ لگا۔ اس نے جلدی سے بات پلٹی۔

"تعارف بھی ہو جائے گا ماموں میاں۔ میں ذرا ممانی جان کے پاس ہو آؤں۔ ان کی طبیعت کچھ بہتر ہوئی؟"

"ہاں پہلے سے تو کہیں بہتر ہے۔ وہ تمہیں پوچھ رہی تھیں۔ جاؤ ان سے مل آؤ۔" نعیم چچا نے اسے کتراتا دیکھ کر خود بھی اشعر سے اسے ملانے پر اصرار نہیں کیا اور وہ پھر جیسے ہی اندر کا رخ کرنے لگی اندر سے آتی ریحانہ سے ان کی مڈبھیڑ ہوگئی۔ ریحانہ نے چھوٹتے ہی کہا۔

"تم آئی ہو بینا۔ کمال ہے بھئی تم نے تو سمدھنوں کو بھی مات کر دیا۔"

"جی نہیں میں تو بڑی دیر سے آئی بیٹھی ہوں یہ کہیے کہ آپ کو کسی طرف دیکھنے کی فرصت ہی نہیں۔" بینا نے مسکرا کر کہا تو ریحانہ جھینپ کر بولی۔

"ہاں واقعی لیکن تم ہی دیکھو سارے کام میرے ہی سر تھوپ دیئے گئے ہیں۔ خیر تم اشعر بھائی سے ملیں۔"

"کیوں کیا ان سے ملے بغیر پارٹی میں شمولیت ممنوع ہے؟" بینا نے بدستور مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"ارے نہیں وہ تو پارٹی ہی اس لیے ہو رہی ہے کہ سب سے انہیں متعارف کرایا جائے۔ آؤ چلو میں تمہیں بھی ان سے ملوادوں۔" ریحانہ اپنی ہی دھن میں مگن تھی۔

"نہیں بھئی۔ اب ان سے ملنا اتنا ضروری نہیں ہے کہ خود چل کر اپنے آپ کو تعارف کے لیے پیش کیا جائے۔" بینا نے احتراز سا برتا تب ریحانہ نے وہیں کھڑے کھڑے اشعر کو آواز دی۔ بینا کی اس کی طرف پشت تھی۔ ریحانہ کے بلانے پر وہ اس کے پیچھے آ کر ٹھہر گیا۔

"ارے بھئی آ گئے تم آیئے یہاں ان کے سامنے اور میں آپ کو ایک بہت ہی پیاری سی ہستی سے ملواؤں۔"

"ضرور ضرور بشرطیکہ ان سے کوئی رشتہ نہ ہو۔" وہ بینا کے سامنے کھڑا ہوتا ہوا بولا اور ریحانہ نے اس کا فقرہ گول کرتے ہوئے جلدی سے تعارف کروایا۔

"انہیں بینا کہتے ہیں پھوپی بیگم کی صاحبزادی ایم ایس سی حال اور ایم بی ایس ان فیوچر ڈ۔"

"اور تم انہیں تو جانتی ہی ہو۔ ویسے مزید معلومات کے لیے عرض ہے کہ جناب اشعر رشید مارکیتی کے سینے سے اپنا گوہر مقصود حاصل کرنے آئے ہیں تاکہ صغیہ واحد کو جمع متکلم میں تبدیل کر کے واپس لوٹیں۔" ریحانہ نے اتنی شوخی اور برجستگی سے اس کا تعارف کرایا کہ وہ جھینپ سا گیا اس کی مسکراتی ہوئی نظریں بینا کی طرف اٹھ گئیں۔

"آپ سے مل کر خوشی ہوئی۔" اس نے ایک دلکش مسکراہٹ کے ساتھ بے حد رسمی سا فقرہ کہا اور ریحانہ سے مخاطب ہو کر بولا۔

"بھئی اب چائے تو پلائیں۔ ہماری مشینری بغیر تیل

اولادِ نرینہ، تھیلسیمیا، اٹھرا، کا کامیاب علاج

تندرست بیٹا "محمد ارتضیٰ"

شہادت نمبر 1 ہمارے ہاں اول بیٹا پیدا ہوا جسکے سر کے نیچے گردن پر اور ریڑھ کی ہڈی پر پھوڑے تھے جسکی وجہ سے بچہ فوت ہوگیا۔ ہم بہت پریشان تھے۔ میڈیا کے ذریعے معلوم ہونے پر حضرت مولانا محمد شفیع صاحب کی خدمت میں کوٹ ادو حاضر ہوئے دعا کرائی اور علاج حاصل کیا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے علاج کامیاب ہوا۔ اور مورخہ 8 جولائی 2017 کو تندرست بیٹا "محمد ارتضیٰ" پیدا ہوا۔ یہ علاج کامیاب اور اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے۔

فیضیاب احمد رضا ولد نواز احمد قوم راجپوت بلاک نمبر 7 مکان نمبر 10 چوک سنگلاں خانیوال سٹی
0304-0706406

شہادت نمبر 2 ہمارے ہاں تین بیٹیاں جو کہ میجر اپریشن سے پیدا ہوئیں اور ایک مرتبہ گردتھ خرابی سے حمل ضائع ہوا۔ تین میجر اپریشن ہونے کی وجہ ہم بہت پریشان تھے اور اولادِ نرینہ کی شدید خواہش تھی۔ حضرت مولانا محمد شفیع صاحب کی خدمت میں کوٹ ادو حاضر ہوئے دعا کرائی اور علاج حاصل کیا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے علاج کامیاب ہوا اور مورخہ 6 ستمبر 2017 کو تندرست بیٹا "میاں محمد" پیدا ہوا یہ علاج کامیاب اور اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے۔

فیضیاب مولانا قاری طارق محمود ولد اللہ بخش قوم ڈمر امدرسہ جامعہ حسینیہ گاؤں میر داد معافی ہڑپہ تحصیل وضلع ساہیوال
0343-6806728

یہ طریقہ علاج ان کیلئے ہے جن کے ہاں مسلسل بیٹیاں پیدا ہوں اور بیٹے نہ ہوں یا بچے زندہ نہ رہتے ہوں یا بچے گردتھ خرابی کی وجہ سے پیٹ میں خراب ہو جاتے ہوں یا تھیلسیمیا کا عارضہ لاحق ہو۔

نوٹ: اولادِ نرینہ کیلئے شدید خواہش مند حضرات جن کے بچے میجر اپریشن سے پیدا ہوتے ہوں اور چانسز کم باقی ہوں تو انہیں علاج درجہ اول حاصل کرنا ضروری ہے۔ اور جن کے بچے زندہ نہ رہتے ہوں یا گردتھ خرابی کا عارضہ لاحق ہو تو انہیں امید ہونے پر بروقت علاج حاصل کرنا ضروری ہے۔

حصولِ علاج کیلئے ایڈریس

نزد مرکزی جامع مسجد چوک کالی پل جی ٹی روڈ کوٹ ادو ضلع مظفر گڑھ رابطہ نمبر: 0331-6002834

ہمارا مقصد صرف قرآن وسنت کی روشنی میں کامیاب طریقہ علاج سے فیضیاب لوگوں کی شہادتوں وتاثرات سے اولادِ نرینہ کے خواہش مند حضرات کو آگاہ کرنا ہے تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگ اولادِ نرینہ جیسی نعمت سے مستفید ہوسکیں۔ ضرورت مند انٹرنیٹ پر دی گئی تفصیلات سے بھی استفادہ حاصل کر سکتے ہیں۔

جسکا ایڈریس یہ ہے: www.facebook.com/male progeny through the means of Quran and sunnah

تحریر: طارق اسماعیل بھٹہ پریس رپورٹر کوٹ ادو

کے ناکارہ ہو جاتی ہے۔" اور پھر وہ فوراً ہی اپنے دوستوں کی طرف بڑھ گیا۔ بینا کو ساتھ لے کر ریحانہ بھی اشعر کے پیچھے چل دی اور بینا کو اس کے خشک اور بیگانہ رویے سے نہ صرف ندامت ہوئی بلکہ دکھ بھی پہنچا۔ اندر ممانی جان کے پاس کچھ دیر بیٹھ کر وہ بالا ہی بالا گھر چلی گئی۔

پارٹی کے دوسرے دن جب وہ نعیم چچا کے یہاں آیا تو پارٹی میں شریک عزیزوں کے تاثرات اور رویے کا ذکر ہونے لگا۔ ریحانہ نے آہستہ سے اس سے پوچھا۔

"تو پھر کیا رزلٹ رہا کل کی گیدرنگ کا؟"

"اچھا تو کیا گیدرنگ کا رزلٹ بھی ہوا کرتا ہے۔" اس نے مسکرا کر الٹا ریحانہ سے سوال کیا۔ اصل میں کوئی ایک بھی لڑکی اس کے معیار پر پوری نہیں اتری تھی۔

"تم بینا سے بھی ملے؟" نعیم چچا کو نہ جانے ایک دم کیا خیال آیا جو انہوں نے پوچھا۔

"جی ہاں پپا میں نے ان دونوں کا تعارف کروا دیا تھا مگر اس وقت یہ بہت مصروف تھے۔" ریحانہ نے اسے جواب دینے کی زحمت سے بچا لیا۔ تب اسے خیال آیا کہ وہ معذور تو کہیں سے بھی نہیں لگ رہی تھی مگر کسے معلوم یہاں غور ہی کب کیا تھا۔ ہوسکتا ہے اس کے پیروں میں لنگ ہو یا پھر وہ بینائی سے محروم ہو مگر اندھی ہے تو پھر ڈاکٹری کس طرح پڑھ سکتی تھی۔ تو پھر کوئی اور بات ہوگی۔ اشعر کو اپنے بے تکے خیالات پر ہنسی آئی۔ "اس بچی کے ساتھ بھی بڑی ٹریجڈی ہوئی ہے۔ اول تو رضا علی پاکستان آ کر کبھی پنپ ہی نہ سکے تھے۔ اس پر ان کے انتقال کے بعد ان کے بھتیجے دونوں ماں بیٹوں کی جانوں کے درپے ہوگئے۔ تو رضیہ آپا بچی کو لے کر یہاں چلی آئیں مگر بدقسمتی نے یہاں بھی ان کا پیچھا نہ چھوڑا۔ کچھ ہی عرصے بعد بینا بیوہ ہوگئی۔ اب یہ لوگ اسے نحوست سمجھتے ہیں اور کوئی بھی ہاتھ دھرنے کو تیار نظر نہیں آتا صرف اس لیے کہ وہ غریب ہے۔ غریب والدین کی بیٹی ہے ورنہ اگر کوئی رئیس لڑکی ہوتی تو یہی لوگ اسے سر آنکھوں پر بٹھاتے۔" نعیم چچا بینا کی ہمدردی میں ڈوبے کہتے رہے اور وہ خاموشی سے بیٹھا بڑی بے دلی سے سنتا رہا کیونکہ اسے بینا یا بینا کے حالات سے ذرا بھی دلچسپی نہیں تھی۔

اصل میں اس نے بڑی محنت اور جتن سے اپنا کیریئر بنایا تھا۔ اسٹیٹس قائم کیا تھا وہ لاکھوں کے بینک بیلنس کا مالک تھا اور اسی مناسبت سے چاہتا تھا کہ کسی بڑی جگہ ہاتھ مارے تاکہ شادی کے معاملے میں بھی اپنے عزیزوں کو جنہوں نے اسے حقیر جان کر گھر سے نکال دیا تھا یہ دکھا دے کہ وہ ان سے ہر لحاظ سے برتر ہے اور یہی سب دکھانے اور ثابت کرنے کے لیے تو وہ ہزاروں روپے خرچ کرکے اتنی دور دراز کا سفر طے کرکے اپنے وطن آیا تھا اور ادھر اپنے باپ کا المیہ بھی اس کے سامنے تھا۔ ورنہ اس کے لیے وہاں لڑکیوں کی کیا کمی تھی۔ جہاں چپے چپے میں حسن بکھرا نظر آتا تھا اور نسوانیت بڑی ارزاں اور عام تھی۔ بلامبالغہ سینکڑوں لڑکیاں دوستی کا شرف حاصل کرچکی تھیں۔ پھر بھی وہ بھٹکا نہیں تھا۔ کیونکہ اول تو اس پر اپنا کیریئر بنانے کا بھوت سوار رہتا تھا دوسرا یہ کہ وہاں کے آزادانہ اور آلودہ ماحول سے اس کی طبیعت میل نہ کھاتی تھی۔ اس کے خیال میں نسوانیت کا اصل جوہر حیا پاکیزگی اور پارسائی تھی جو اس بگڑے ہوئے معاشرے میں ناپید تھی اور جسے اپنے وطن میں ہی ڈھونڈا جاسکتا تھا۔ لیکن وطن آ کر اس مختصر سے عرصے میں اسے متعدد لڑکیوں سے ملنے کا اتفاق ہوا تھا۔ مگر کوئی ایک لڑکی بھی اس کے معیار پر پوری اترتی نظر نہیں آئی تھی ہر لڑکی پر مغربی رنگ غالب تھا۔ اونچے اعلیٰ اور ارفع طبقے میں جہاں وہ شادی کرنا چاہتا تھا وہاں مغربی تہذیب نے مضبوطی سے پنجے گاڑے ہوئے تھے۔ نعیم چچا اس کے سگے چچاؤں سے کہیں بہتر پوزیشن میں تھے۔ ان کا بڑا بیٹا وسیم بھی بڑی اونچی پوسٹ پر تھا اور شادی شدہ تھا۔ ریحانہ بھی نعیم چچا کے ایک دوست کے لڑکے سے منسوب تھی۔ شمیم ابھی زیر تعلیم تھا اور فرزانہ بہت چھوٹی تھی۔ شاید تیرہ یا چودہ سال کی نویں جماعت میں پڑھ رہی تھی۔ ان سب نے بمع چچی کے اسے حد سے زیادہ خلوص دیا تھا۔ نعیم چچا کو دنیا کی ہر نعمت اور ہر آسائش

میسر تھی اور انہوں نے اشعر کو ہوٹل کی رہائش چھوڑ کر اپنے یہاں بلانے کی ہر ممکن کوشش کر کے دیکھ لی تھی مگر وہ کسی طرح راضی نہ ہوا تھا۔ اس پر بھی اس کے سگے چچا اور چچا زاد نعیم چچا سے اس کے میل جول پر سخت شاکی تھے۔ اصل میں نعیم چچا کی محبت بے لوث تھی۔ وہ بے حد خلیق، خیر خواہ اور مخلص قسم کے انسان ثابت ہوئے تھے۔ وہ ہر دوسرے تیسرے دن ان کے یہاں آتا اور سارا سارا دن وہیں گزارتا۔ وہ اپنے چچاؤں سے ملنے نہیں گیا تو وہ دونوں اس سے ملنے ہوٹل پہنچے اور اسے اپنے ساتھ لے جانے کی پوری کوشش کر ڈالی مگر اس کا دل ان لوگوں سے صاف نہ تھا اور دل میں کدورت رکھ کر وہ کسی سے بھی ملنے کا عادی نہ تھا۔ اس لیے اس نے بھی صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے کہہ دیا۔

"جس گھر سے مجھے ذلیل وخوار کر کے نکالا گیا تھا میں وہاں ہرگز نہیں جاؤں گا۔" اس پر اس کے چچا سعید نے الٹا اس پر چھرا رکھتے ہوئے کہا۔

"ہم نے تو تمہارے بھلے کے لیے ایسا کیا تھا۔ اب دیکھ لو نہ ہم تمہیں گھر سے نکالتے اور نہ آج تم اسے مقام پر پہنچتے۔" اسے اپنے چچا کے جواب پر غصہ تو بہت آیا مگر ضبط کر گیا۔ ویسے بھی اس کے یہ سگے رشتے محض ڈھکوسلا ہی لگتے۔ بلکہ وہ کسی بھی رشتے کا قائل نہ تھا۔ نعیم چچا سے بھی وہ محض ان کے خلوص کی وجہ سے ملتا تھا۔ اسے تو اگر یہ معلوم ہوجاتا کہ کسی سے اس کا دور کا بھی تھوڑا بہت رشتہ ہے تو وہ اس سے دور ہی بھاگتا تھا۔

اس دن جب وہ نعیم چچا کی کار سے جو انہوں نے اس کے تصرف میں دے رکھی تھی باہر اترا۔ تو سامنے پورٹیکو کی سیڑھیوں سے اترتی بینا سے اتفاقی طور پر اس کی مڈبھیڑ ہوگئی۔ وہ ریحانہ سے باتیں کرتی ہوئی باہر آرہی تھی۔ اشعر کو دیکھ کر ریحانہ کے ساتھ وہ بھی وہیں ٹھٹک گئی۔ ریحانہ اس سے چار دن تک غائب رہنے کا شکوہ کرتی رہی اور بینا انہیں باتوں میں مشغول دیکھ کر آگے بڑھنے لگی تو یکایک وہ اس کی طرف مڑ کر بولا۔

"اس روز سچویشن کے لحاظ سے بہت سرسری طور پر آپ سے تعارف ہوا تھا۔ اس کے بعد آپ نظر ہی نہ آئیں۔" نہ جانے کس دل سے اس نے یہ بات کہی تھی ورنہ وہ تو اس کی موجودگی کو نظر انداز کر دینا چاہ رہا تھا۔ بینا اپنے ساتھ اس کے بے اعتنائی برتنے کو بھولی نہ تھی پھر بھی اخلاق سے اسے جواب دینا ہی پڑا۔

"جی ہاں! میں بہت کم گھر سے نکلتی ہوں۔" جواب حد درجہ روکھا پھیکا تھا۔ جسے محسوس کر کے ریحانہ بولی۔

"خیر یہ تو نہ کہو بینا...... گھر سے تو تم روز ہی نکلتی ہو یہ کہو کہ یہاں کم ہی آتی ہو۔" بینا نے صرف مسکرانے پر اکتفا کیا اور عجلت کا اظہار کرتی ہوئی اللہ حافظ کہہ کر چلی گئی اور ریحانہ اشعر کے ساتھ اندر کا رخ کرتی ہوئی بولی۔

"بڑی غیور لڑکی ہے یہ...... کسی پر بوجھ بن کر رہنا پسند نہیں۔ اس لیے خالی وقت میں ٹیوشن دیتی ہے ورنہ ہمارے عزیزوں کی ذہنیتوں سے آپ واقف ہی ہیں۔ اب یہ طارق وسیم کے بیٹے کو بھی ٹیوشن پڑھانے آیا کریں گی۔"

"ہوں۔" اس نے آہستہ سے کہا۔ یوں جیسے کہیں اور پہنچا ہوا ہو اور اسے اس قدر بے واسطہ دیکھ کر ریحانہ نے بات پلٹی۔

"اچھا یہ تو بتائیے اب تک کوئی آپ کے معیار پر بھی اترا۔"

"کیا اس سوال کا تعلق بینا سے ہے؟" آخر اشعر نے پوچھ ہی لیا۔ اس کا لہجہ قدرے کھردرا سا تھا کیونکہ نعیم چچا بھی کچھ ایسے ہی موقعوں پر گھما پھرا کر بینا کا ذکر لے بیٹھتے تھے۔

"ارے نہیں ایسا تو دور تک کوئی خیال نہیں۔ میں نے تو یونہی پوچھ لیا تھا۔" ریحانہ اس کے سوال کرنے کے انداز سے گڑبڑا سی گئی۔

"میرے معیار کی لڑکی تو شاید کسی طرف بھی نہ مل سکے گی اور تم یہ بخوبی جانتی ہو۔"

"پھر تو اس کا واحد حل یہی ہے کہ آپ اپنے خیالات

میں تھوڑی سی ترمیم کرلیں۔ ظاہر ہے ساری خوبیاں تو ایک مخصوص ہستی میں موجود نہیں ہوسکتیں۔" ریحانہ نے مدقق سے انداز میں کہا۔

"کیوں کیا تم اقبال "منگیتر" سے اس قدر تنگ آ گئی ہو۔" اشعر نے شوخ سے انداز میں پوچھا اور اس کی بات کو سمجھ کر ریحانہ نے آہستہ سے اس کی پیٹھ پر ایک دھپ لگائی۔

"ہائے بڑے شریر ہیں آپ۔" اور اشعر اس کے شرما جانے پر قہقہہ لگا کر ہنسنے لگا۔ پھر ایک دم ہی سنجیدہ ہوکر بولا۔

"میری پیاری سی دوست۔" وہ کسی سے بھی رشتہ بنانا پسند نہ کرتا تھا۔ اس لیے بہن کے بجائے ریحانہ کو دوست کہتا تھا۔

"یہاں میں اس جوہر کی تلاش میں آیا تھا۔ جو نسوانیت کا نہ صرف ایک جزو لازم ہوتا ہے بلکہ نسوانیت کی معراج ہوتا ہے مگر افسوس یہاں بھی شرم و حیا مفقود ہے۔ مغربی تہذیب نے یہاں بہت مضبوط پنجے گاڑ رکھے ہیں۔ میرے خیالات جان کر شاید تم مجھے بیک ورڈ سمجھو مگر کم از کم اپنی زندگی کی رفیق کو میں ایسا ہی دیکھنا پسند کروں گا۔ باحیا' پاک باز اور باصلاحیت۔" ریحانہ اس کے خیالات سن کر متعجب ہوئے بغیر نہ رہی۔ وہ جس کی نشست و برخاست گفت و شنید رکھ رکھاؤ حتیٰ کہ بود و باش تک مغربی تھی وہ اپنی شریک حیات میں مشرق کے مٹے ہوئے نشانات دیکھنا چاہتا تھا ان سے اس کے اندر چھپے مشرقی مرد کی ذہنیت کا پتا چلتا تھا۔

"میں نے کہا ناں تب تو آپ کو اپنے خیالات میں تھوڑی سی رد و بدل کرنی پڑے گی۔" ریحانہ نے رائے دینے کے سے انداز میں کہا۔

"کیسی رد و بدل؟" اس نے سادگی سے پوچھا۔ قدرے توقف کے بعد ریحانہ نے کہا۔

"یہی کہ بہت اعلیٰ اور اونچے خاندان کی لڑکی کی خواہش ترک کردیں کیونکہ بہت اعلیٰ قسم کے گنتی کے ہی چند خاندان ہیں جو پرانی روایات پر قائم ہیں مگر وہ خاندان سے باہر اپنی بیٹیاں نہیں دیتے۔ باقی اور جتنے بھی اونچے طبقے کے خاندان ہیں وہ سب نہایت فارورڈ و پالشڈ ہیں۔"

"ہاں لیکن میں پھر بھی مایوس نہیں ہوا ہوں۔ کیونکہ ڈھونڈھنے سے تو خدا بھی مل جاتا ہے۔" اس نے مسکرا کر کہا تو ریحانہ اپنے اس قدر سنجیدہ ہوجانے پر زور سے ہنسنے لگی۔

پھر یوں ہوا کہ نہ جانے کس طرح اور کیونکر حمید چچا کی بیٹی مونا حیرت انگیز طور پر اس کے نزدیک آ گئی۔ ہوا یوں کہ ایک روز نعیم چچا کے یہاں آیا تو مونا کو ایک پریشانی کے عالم میں بنگلے کے بیرونی حصے میں کھڑا دیکھ کر اس نے ازراہ اخلاق مونا سے پوچھا وہ کیوں باہر کھڑی ہے تو مونا نے بتایا۔

"اندر سے تو سارا گھر لاکڈ ہے اور میں نے آتے ہی کار بھی واپس بھیج دی۔ اب سمجھ میں نہیں آ رہا کہ کس طرح اکیلی واپس جاؤں۔"

"تو فون کیوں نہیں کردیتیں۔" اس نے یونہی مونا کی بات سن کر کہہ دیا۔

"فون بھی تو اندر بند پڑا ہے ورنہ تو بہت ہی سہل ترکیب ہوتی۔" مونا نے کہا تو وہ سوچ میں پڑ گیا پھر کچھ توقف کے بعد بولا۔

"اچھا تو آیئے میں آپ کو ڈراپ کردوں۔" اور مونا کی تو جیسے دلی مراد بر آئی مگر اس نے اپنی دلی کیفیت کو اس پر ظاہر ہونے نہیں دیا بلکہ ہچکچاہٹ کا اظہار کرتے ہوئے اس کی طرف دیکھا۔

"آپ...... آپ ڈراپ کریں گے۔" اور اس طرح وہ حسب عادت مونا کی طرف توجہ نہیں دے رہا تھا بے حد غیر اختیاری طور پر اس کی نگاہیں مونا کی نگاہوں سے ٹکرائیں اور مونا نے شرمانے کی ایکٹنگ کرتے ہوئے جلدی سے اپنی نگاہیں جھکالیں۔ ورنہ کہاں مونا جیسی ایڈوانس لڑکی اور کہاں شرم...... اصل میں ریحان کی زبانی مونا کو اشعر کے خیالات کا علم ہوگیا تھا ادھر والدین کے خیالات سے بھی واقف تھی اور ادھر خود بھی اس پر مرتی

جا رہی تھی اس لیے تو اس نے نعیم چچا کے یہاں اپنی آمد و رفت بڑھا دی تھی۔ ویسے حقیقت یہ تھی کہ مونا کو اپنے سارے چچازادوں میں ایک انفرادیت حاصل تھی اور وہ تھی بھی بڑی ذہین' اسٹائلش اور خوب صورت' اشعر نے مونا کو انہیں کترا کر شرماتے ہوئے انداز میں بات کرتے ہوئے دیکھا تو تھوڑی دیر کو اس کی نظریں مونا پر جم گئیں اور اس نے بڑی گہرے سے انداز میں پوچھا۔

"کیوں کیا آپ کو کوئی اعتراض ہے؟"

"ارے نہیں نہیں مگر دیکھیے ناں آپ کو خوامخواہ زحمت ہوگی۔" مونا نے جلدی سے بات بنائی اور اس سے پہلے کہ وہ کوئی جواب دیتا جلدی سے اگلی سیٹ کا دروازہ کھول کر اس کے نزدیک بیٹھ گئی مگر گھر کا رخ کرتے ہوئے وہ خاموش ہی رہا اصل میں وہ اسے لفٹ کی پیش کش کرکے پچھتا رہا تھا کیونکہ جس گھر میں اس نے کبھی نہ جانے کی قسم کھائی تھی مونا اسی گھر کی باسی تھی' اسی گھر کے مکینوں کا خون جسے اب وبال جان سمجھتے ہوئے وہ اسی گھر کا رخ کررہا تھا آخر اس نے سوچا کہ وہ گھر سے کچھ فاصلے پر مونا کو اتار کر چلا جائے گا۔ ادھر مونا دل ہی دل میں یہ سوچ کر خوش ہورہی تھی کہ اس بہانے وہ اس کے گھر تو چلا آیا یا بمعنیٰ دیگر اپنی قسم توڑ دے مگر وہ پھر بھی پوری طرح مطمئن نہ تھی۔ اس بارے میں اس سے کچھ پوچھنے کی ہمت بھی نہیں پڑ رہی تھی۔ اس نے ایک دو باتیں اپنے اور اس کے بچپن کی اسے یاد دلائیں پھر اسے قدر خاموش اور بیگانہ سا دیکھ کر خاموش ہوکر بیٹھ گئی اور جب اس نے گھر سے کچھ فاصلے پر کار روکی تو مونا جھٹ سے بولی۔

"آپ نے یہ اچھا ہی کیا میں خود بھی نہیں چاہ رہی تھی کہ آپ وہاں جائیں۔ اچھا اس نوازش کا بے حد شکریہ۔" جواب میں وہ خاموش رہا۔ مونا دروازہ کھول کر اتری تو کھڑکی پر جھک کر بولی۔

"اگر کہیں تو لکھ کر بھی بھیج دوں۔"

"کیا؟" اس نے اپنے کسی خیال سے چونک کر پوچھا۔

آپ دنیا کے کسی بھی خطے میں مقیم ہوں
ماہنامہ آنچل کراچی
ماہنامہ حجاب کراچی
ہم بروقت ہر ماہ آپ کی دہلیز پر فراہم کرینگے
ایک رسالے کے لیے 12 ماہ کا زرسالانہ
(بشمول رجسٹرڈ ڈاک خرچ)
پاکستان کے ہر کونے میں 850 روپے
امریکا' کینیڈا' آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ کے لیے
8000 روپے
میڈل ایسٹ' ایشیائی' افریقہ' یورپ کے لیے
7000 روپے
رقم ڈیمانڈ ڈرافٹ' منی آرڈر' منی گرام' ویسٹرن یونین کے ذریعے بھیجی جاسکتی ہیں۔
مقامی افراد
ایزی پیسہ اکاؤنٹ نمبر
0316-0128216
موبی کیش اکاؤنٹ نمبر
0300-8264242
رابطہ: طاہر احمد قریشی......0300-8264242
نئے اُفق گروپ آف پبلی کیشنز
کمرہ نمبر 7' فریدیہ چیمبرز عبداللہ ہارون روڈ کراچی۔
فون نمبر: 2/35620771-922+
aanchalpk.com
aanchalnovel.com
Info@aanchal@com.pk

”اظہار تشکر۔“ مونا نے شوخی سے کہا اور اس نے مسکرا کر کار آگے بڑھادی۔

اگلی ملاقات بھی مونا سے کچھ ایسی ہی اتفاقیہ ہوئی تھی۔ وہ نعیم چچا کے چھوٹے بیٹے شمیم کے ساتھ ٹینس کھیل رہا تھا کہ مونا آ گئی۔ جسے دیکھتے ہی شمیم نے ریحانہ کو آواز دی۔

”اب آپ آجائیے باجی یہ مونا آپا آ گئی ہیں۔ باقاعدہ پائنٹ ٹو پائنٹ کھیل ہوگا۔“ پھر وہ اشعر کو بتانے لگا کہ مونا بہترین ٹینس کھیلتی ہے۔ ریحانہ کورٹ کے قریب ہی کھڑی تھی۔ اس نے مونا کو کھیلنے کی پیش کش کی تو مونا نے ایک نظر اشعر پر ڈال کر آہستہ سے ریحانہ سے کہا۔

”بھئی میں ان کے سامنے کیسے ٹک سکوں گی مجھے شرم آتی ہے۔“ اور ریحانہ ہنستے ہوئے باآواز بلند بولی۔

”لو بھئی اور سنو شمیم مونا کو بھی اب شرم آنے لگی ہے کہہ رہی ہیں اشعر بھائی کے ساتھ کھیلا ہی نہ جائے گا۔ ایمان سے حد ہوگئی قنوطیت کی۔“ ریحانہ نے جان کر یہ فقرے کسے تھے کیونکہ وہ مونا کے رگ وریشے سے بخوبی واقف تھی اور سمجھ رہی تھی کہ مونا جان کر نخرہ کررہی ہے۔ اشعر نے ایک نظر مونا پر ڈالی تو اس نے شرما کر چہرہ جھکالیا۔ اشعر کو اس کے شرمانے کی یہ ادا بڑی بھائی ہنس کر کہا۔

”اچھا بھئی ہم آپ کی طرف نہیں دیکھیں گے آپ آیئے تو سہی۔“ اشعر کے کہتے ہی مونا ریکٹ سنبھال کر کورٹ میں جا پہنچی۔ اس روز کھیل کے بعد سب لان میں بیٹھے دیر تک باتیں کرتے رہے۔ اشعر کی نظر جب بھی مونا پر پڑتی وہ شرما کر چہرہ جھکالیتی۔ پھر یوں ہوا کہ مونا تعلقات بڑھانے کو ایک دن اس کی ہوٹل جا پہنچی۔ وہ اس سے اس لیے پتاک سے ملا کہ مونا نے اب تک بھی بھول کر کسی پرانی بات کا ذکر نہیں کیا تھا۔ کبھی یہ بھی نہیں کہا تھا کہ آپ ہمارے گھر کیوں نہیں آتے یا ہمارے گھر چلیے۔

شمیم تھوڑا بے وقوف تھا اور مونا نے اشعر کو اپنے دام الفت میں گرفتار کرنے کے لیے ہتھیار بنا رہا تھا۔ پہلے اسے خوب اکساتی اور جب وہ اشعر کو جانے کے لیے مادہ کرلیتا تو خود بھی ساتھ ہو جاتی۔ ظاہر ہے اشعر کو خود بخود مونا سے دلچسپی ہوگئی تھی اور وہ پہلے کی طرح مونا سے کتراتا نہیں تھا بلکہ اس سے دل کھول کر باتیں کرتا۔ ہنستا مسکراتا اور ادھر ایک ایک بات کی خبر مونا کے گھر والوں کو ہو جاتی جو کسی مزے سے کم نہ ہوتی تھی۔

اتفاق سے انہی دنوں نعیم چچا کے بڑے بیٹے وسیم نے بینا کو اپنے بیٹے طارق کو ٹیوشن پڑھانے پر مقرر کرلیا۔ بینا کے پاس حالانکہ ذرا سا بھی وقت نہیں تھا صبح اٹھ کر کیمپس جانا اور پھر وہاں سے واپسی پر دو دو ٹیوشنز پڑھانا پھر مغرب ہوتے گھر جانے کی مہلت ملتی تھی۔ لیکن چونکہ عزیزداری کا معاملہ تھا اور سب سے بڑھ کر نعیم چچا اور ان کے کنبے کا بے پایاں خلوص بینا کو طارق کے لیے وقت نکالنا پڑا وہ کیمپس سے سیدھی طارق کو پڑھانے آتی پھر دونوں بڑی ٹیوشنز پڑھا کر کہیں مغرب کے بعد گھر لوٹتی۔ بینا کو دوپہر میں آنے سے تکلیف تو ہوتی تھی مگر اس نے جان کر دوپہر کا وقت رکھا تھا تاکہ بات بات پر طعنہ دینے والے ان عزیزوں کی نظروں سے بچی رہے اور اشعر کے بھی علم میں نہ آسکے مگر اس روز جب یہ ساری پارٹی کہیں باہر جانے کے ارادے سے پورٹیکو میں کار کے نزدیک کھڑی تھی کہ بینا آ گئی اور بہت سرسری طریقے سے علیک سلیک کرکے اندر چلی گئی مونا اور ثمرین کے تو گھر میں ہی رہتی تھی۔ اس لیے اس نے ریحانہ کو وش کیا تھا۔ یہ بات اشعر کو بڑی ناگوار گزری۔ اس کے اندر جاتے ہی بولا۔

”آخر یہ کس بات پر اتنا اکڑتی ہیں۔“

”اپنی صورت پر ہی ناز ہوگا ورنہ اور سب طرف سے بالکل ہی نل ہیں بیچاری۔“ مونا پٹ سے بولی۔

”ارے چھوڑیے مونا باجی ایسی کون سی پری تمثال ہیں جو صورت پر ناز کریں گی۔ اصل میں وہ ہم سے جلتی ہیں اس لیے یوں الگ الگ رہتی ہیں۔“

”ارے نہیں بھئی یہ تو سراسر زیادتی ہے آپ لوگوں کی کم از کم انہیں صورت پر ناز کرنے کا تو موقع دیجیے۔ ورنہ بقول مونا اور سب طرف سے تو نل ہیں بیچاری۔“ اشعر نے استہزائیہ انداز میں کہا تو سوائے ریحانہ کے سب ہنسنے

لگے۔

”نہیں اشعر بھائی یہ محض آپ کا خیال ہے وہ بیچاری بھلا کس بات پر ناز کرے گی۔ اس پر تو اپنا کیریئر بنانے کی دھن سوار ہے کسی پر بار بن کر رہنا نہیں چاہتی اس لیے اتنی مشقت بھگت رہی ہے۔“ ریحانہ نے سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے کہا۔

”بھئی یہ تم اتنی دریادلی سے اس کی حمایت کیوں کرتی ہو۔ کیریئر بنانے کا مطلب یہ تو نہیں کہ انسان کسی سے سیدھے منہ بات نہ کرے۔“ مونا چڑ کر بولی۔

”جی ہاں ہمارے ساتھ رہتی ہیں بلکہ ہمارا ہی کھاتی اور پہنتی ہے اور نخرے اس قدر جیسے ہم پر احسان کررہی ہوں۔“ احمرین بولی۔

”ارے چھوڑو خواہ مخواہ ایک چیپ سی لڑکی کا ذکر کرنے بیٹھ گئیں۔ اصل میں وہ ہمارے اسٹینڈرڈ کی نہیں ہیں اشعر بھائی۔ بے چاری نے سدا مفلسی میں عمر گزاری ہے وہ ایٹی کیٹس وغیرہ کیا جانیں۔“ ثمرین منہ بنا کر بولی۔

”اف توبہ تم لوگ بھی کس قدر گھٹیا باتیں کرتے ہو۔ وہ بیچاری ایسا کیا کھالیتی ہوگی۔ ٹیوشن پڑھا کے تو اپنا اور پھوپی بیگم کا پیٹ پال رہی ہے۔“ ریحانہ نے اشعر کے سامنے بینا کی سبکی محسوس کرتے ہوئے کہا۔

”جی ہاں ضرور جو کھلاتا ہے وہی جانتا ہے۔ چند ہزار تو ملتے ہیں ان کو اور آج کل چند ہزار میں دو انسانوں کو مرغن کھانے تو میسر آہی جاتے ہیں ناں۔“ مونا نے طنز بھرے لہجے میں کہا۔

”اوہ...... اسٹوپ دس بور ٹوپک‘ چلو جلدی سے کار میں بیٹھو پکچر کا وقت نکلا جارہا ہے۔“ اشعر نے بیزار سے انداز میں کہا۔ وہ ان دنوں اپنی فطرت سے کس قدر مختلف نظر آرہا تھا کیا صرف مونا کی وجہ سے؟ یا تو وہ کسی کو لفٹ ہی نہ دیتا تھا۔ بات بھی اس قدر مختصر اور نپی تلی کرتا جیسے باتوں کا ذخیرہ ضائع ہو جانے کا خطرہ لاحق ہو۔ اتنا سنجیدہ اور صبر کہ دوسرا بات کرتے ہوئے بھی ڈرے۔ یا یہ عالم کہ بات بات میں ہنسی مذاق ہر بات میں پیش پیش۔

ریحانہ حیران سی سوچتی رہی گئی پہلا دن تھا اس لیے بہت زیادہ رش ہونے کی وجہ سے پکچر کے ٹکٹ ہی نہ مل سکے۔ تو اشعر سب کو لے کر ایک اسنیکس بار میں پہنچا اور واپسی میں مونا اور ثمرین کو ان کے گھر اتار کر وہ شمیم اور ریحانہ جلد ہی گھر واپس آ گئے۔ وہ طارق کے لیے چاکلیٹس لایا تھا کار کی چابی جیب میں رکھ کر سیدھا اس کے کمرے کا رخ کیا اور تیزی سے اندر داخل ہوا تھا کہ بینا سے ٹکراتے ٹکراتے بچا اور وہیں ٹھٹک گیا۔ اس وقت سہ پہر ہو رہی تھی۔ طارق کے کمرے کی کھڑکیوں پر پڑے پردے سمٹے ہوئے تھے اور شفاف شیشوں سے سنہری دھوپ سیدھی بینا پر پڑ رہی تھی۔ گلابی شلوار سوٹ میں اس کا کھلتا ہوا گندمی رنگ کندن کی طرح چمک رہا تھا اور وہ اسے دیکھے جارہا تھا۔ اس بینا کو جس کا کچھ دیر پہلے مذاق اڑا رہا تھا۔ بینا کے حسین تر چہرے پر گلابی سا رنگ بکھر گیا تھا۔ اس کے گلابی جوڑے کا سارا رنگ اس کے چہرے پر جمع ہوگیا۔ اس تاثر کو توڑنے کے لیے وہ کچھ کہنا چاہ رہی تھی مگر خوب صورت تراشیدہ ہونٹ بس کپکپا کر ہی رہ گئے۔ متجسس حیا آلودسی نگاہیں جن میں ہلکی ہلکی ناگواری بھی شامل تھی اٹھتی اور جھکتی رہیں تب بڑی دیر بعد وہ خود ہی بولا۔

”طارق کہاں ہے میں اس کے لیے چاکلیٹ لایا تھا۔“ اصل میں وہ پوچھنا یہ چاہ رہا تھا ”کہ تم کس بات پر اتنا اکڑتی ہو؟“

”طارق تو آج دوپہر سے اپنے ماموں کے یہاں گئے ہوئے ہیں۔“ بینا کو بھی اس کی بات کا جواب دینا پڑا۔

”اچھا تو آپ کس کو پڑھانے آئی تھیں کیا در و دیوار کو؟“ اس نے عجیب سے لہجے میں پوچھا کیونکہ وہ اسے جتا دینا چاہتا تھا کہ وہ بھی اس کی یہاں آنے کی نوعیت سے واقف ہے مگر جواب بھی اسے ترکی بہ ترکی ملا۔

”جی ہاں اب کیا کیا جائے آج کل انسان تو پڑھ لکھ کر ڈبو رہے ہیں۔ لہٰذا در و دیوار کو ہی پڑھانا پڑ رہا ہے۔“ بینا نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔ کمرے میں پلٹی اور اپنا پرس اٹھا کر اس کے قریب سے نکل کر باہر چلی گئی اور وہ وہیں

طارق کے کمرے کے دروازے پر ہی کھڑا اس کے لہجے کی کھٹک سیدھی اپنے دل میں محسوس کرتا سوچ رہا تھا وہ دوسروں کے ٹکڑوں پر پلنے والی لاوارث اور نادار لڑکی کس قدر منہ زور ہے۔ رضیہ پھوپی سے ان لوگوں کا قریبی رشتہ ضرور ہے مگر ایسی بے حمیتی کس کام کی کہ انسان دوسروں کے سر ہو کر بیٹھ جائے اور ریحانہ تو واپسی میں بتا رہی تھی کہ رضیہ پھوپی اپنا زیور بیچ بیچ کر اپنا خرچ اٹھا رہی ہیں۔ پتہ نہیں کیا غلط ہے اور کیا صحیح خیر مجھے کیا میرے لیے یہ سب ہی برابر ہیں یہ رشتہ دار قسم کے سخت خطرناک لوگ اور مونا چاہتی ہے کہ میں اس سے فری ہو جاؤ اس کی محبت کا دم بھرنے لگوں۔ نادان لڑکی جیسے میں تو کچھ سمجھتا ہی نہیں۔ میں نے تو اتنی کم عمر میں اتنے زیادہ تجربے حاصل کیے ہیں کہ کیا کسی عمر رسیدہ انسان نے کیے ہوں گے۔ ویسے مونا بری تو نہیں ہے البتہ تھوڑی مغرب زدہ ضرور ہے اور اس کے ساتھ ہی اس کی نگاہوں میں بینا کی گلابی شلوار سوٹ میں ملبوس اس کی تصویر گھوم گئی۔ گو اسے خود معلوم نہیں تھا کہ وہ کس محسوس کی جانے والی بات پر غور کر رہا ہے۔ بینا واقعی خوب صورت ہے مگر اس کی ناداری نے اس کے اتنے بڑے وصف کو بھی بے وقعت کر کے رکھ دیا تھا۔

طارق کے کمرے کے دروازے سے ہٹ کر ڈرائنگ روم میں آنے کے بعد وہ دیر تک کچھ ایسے ہی الٹے سیدھے خیالوں میں الجھا رہا۔

"ارے کہاں پہنچے ہوئے ہیں آپ؟ آیئے میں آپ کو چند بڑی ہستیوں سے ملواؤں۔" ریحانہ کی آواز نے اچانک اس کی محویت کو توڑا۔

"نہیں بھئی میرا کسی سے ملنے کا موڈ نہیں۔ بس تم تو مجھے ایک کپ گرم گرم چائے پلوا دو پھر میں چلوں گا۔" وہ بڑی اکتاہٹ کا اظہار کرتا ہوا بولا۔

"ہائے کیوں اشعر بھائی؟ کیا ناراض ہو گئے جو جا رہے ہیں۔" ریحانہ نے گھبرا کر پوچھا۔

"ارے نہیں پگلی تمہارے خیال میں کیا ناراض ہو کر ہی جایا جاتا ہے دوپہر سے آیا ہوا ہوں تھوڑا ریسٹ کر لوں پھر رات ڈنر پر بھی جانا ہے۔" وہ تھکن کا اظہار کرتے ہوئے جماہی لے کر بولا۔

"اچھا تو میں ابھی آپ کو چائے بجھواتی ہوں لیکن وہ دراصل یہی ازاے بگ شاٹ جن کی یہ دونوں لڑکیاں بڑی کیوٹ سی ہیں آپ کھڑے کھڑے ہی مل لیتے۔" ریحانہ نے جھجکتے ہوئے کہا۔

"نہیں بھئی سوری۔ اب مجھے کسی کی بھی بیٹی سے ملنے کی تمنا نہیں رہی۔" وہ بیزار سا ہو کر بولا۔

"کیوں خیریت کیا تلاش مکمل ہو گئی۔" ریحانہ نے شوخ سی مسکراہٹ کے ساتھ پوچھا۔

"ہاں یہی سمجھ لو۔" وہ ٹالنے کے سے انداز میں بولا۔

"اچھا اچھا وہ کہیں مونا تو نہیں۔" ریحانہ نے ہنستے ہوئے کہا۔

"لاحول ولا...... اتنی ہوپ لیس چوائس نہیں اور ادھر کا تم بھول کر بھی نہ سوچنا۔" شکن آلود پیشانی کے ساتھ اس نے تڑخے ہوئے لہجے میں کہا۔

"تو پھر کوئی اور؟" اپنے شوق میں ریحانہ اس کی برہمی نظر انداز کر گئی۔

"اب تم چائے بھی پلاؤ گی یا نہیں۔" وہ فرمائشی لہجے میں بولا۔

"ضرور پلاؤں گی مگر اتا پتا معلوم کرنے کے بعد۔" ریحانہ حد درجہ شوخ ہو گئی تھی۔

"افوہ...... بڑی شریر ہو تم اب کوئی ہو تو بتاؤں مجھے تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جس طرح آیا تھا اسی طرح خالی ہاتھ لوٹ جاؤں گا۔" وہ سنجیدہ سا ہو کر بولا۔

"ارے نہیں اچھے بچے یوں منہ بسورا نہیں کرتے۔" ریحانہ کی شوخی عروج پر تھی۔ اس نے گھور کر اسے دیکھا اور پھر زور سے ہنس پڑا۔

❁......❁......❁

اس روز عام تعطیل کے سبب سب نعیم چچا کے یہاں اکٹھے نظر آ رہے تھے خوب گپ شپ ہو رہی تھی۔ چھٹی ہونے کے باوجود بینا طارق کو پڑھانے آئی تو ریحانہ اس کا

ہاتھ پکڑ کر اسے بھی ڈرائنگ روم میں کھینچ لائی کہ بھئی تم کیوں برادری سے خارج رہتی ہو۔ آج تو چھٹی ہے تم بھی موج کرو اور نا نا کہنے کے باوجود بینا کو اس کے ساتھ آنا پڑا تھا۔ ڈرائنگ روم میں اس وقت بڑی رونق ہو رہی تھی۔ ہنسی مذاق اور گپ شپ کے ساتھ ساتھ ہلکا میوزک بھی بج رہا تھا۔ بینا آئی تو کسی نے اس پر توجہ نہ دی۔ یہی دیکھ کر ریحانہ نے بینا کو کچھ زیادہ اہمیت دی۔ اصل میں ان لڑکیوں میں بھی آپس میں جوڑ توڑ چلتے تھے۔ ریحانہ کی تربیت نعیم چچا نے بہت عمدہ طریقے سے کی تھی۔ اس کے مزاج میں بردباری تھی اور ادھر یہ مونا وغیرہ ہمیشہ اپنی گھٹیا ذہنیتوں کا مظاہرہ کرتی نظر آتی تھیں۔ اس پر اشعر کی نعیم چچا کے یہاں آمدورفت اور میل جول سے یہ لوگ بالکل خوش نہ تھے۔ اس لیے بھی تھوڑے کبیدہ ہو گئے تھے۔ ریحانہ نے دولت وامارت سے مرغوب ہونا سیکھا ہی نہ تھا۔ وہ اپنے سب عزیزوں سے خلوص سے ملتی تھی اور یہی بات مونا وغیرہ کو بہت کھٹکتی تھی۔ ان لوگوں نے توجہ نہیں دی تھی بلکہ اسے دیکھ کر آپس میں معنی خیز مسکراہٹوں کا تبادلہ ضرور کیا تھا۔ اس لیے بینا نے بھی ان لوگوں کی موجودگی کا کوئی نوٹس نہیں لیا اور ریحانہ سے مسکرا کر باتیں کرتی رہی۔

اشعر کو بھی اس نے ذرا سی بھی اہمیت نہیں دی تھی۔ نہ جانے بیٹھے بٹھائے پہلی بار اشعر کے دل میں کیا سمائی کہ اس نے مونا کے کان میں جھجک کر کچھ کہا اور تھوڑے سے تامل کے بعد دلفریب مسکراہٹ کے ساتھ اس کی بات کا جواب دیا پھر کچھ ہی دیر بعد دونوں موسیقی کے ساتھ ڈرائنگ روم کے بیچوں بیچ ڈانس کرنے لگے اور انہیں یوں ناچتا دیکھ کر سب سے پہلے بینا نے تالیاں بجائیں تو ثمرین اور احمرین نے بھی اس کی تقلید کی۔ مونا اور اشعر آہستہ آہستہ باتیں کرتے رہے مگر بینا نے پھر نگاہ اٹھا کر ان کی طرف دیکھا ہی نہیں بلکہ ان کی موجودگی کو فراموش کر کے ریحانہ سے باتیں کرتی رہی۔

"یہ سب تمہیں دکھانے کے لیے شو آف کیا جا رہا ہے۔" ریحانہ اس سے آہستہ سے کہا۔

"مجھے دکھانے کے لیے لیکن مجھ سے کسی کا کیا واسطہ۔"

"یقین جانو یہ ساری کارروائی تمہیں امپریس کرنے کے لیے ہو رہی ہے۔" اور بینا کو ریحانہ کے بے تکے خیال پر ہنسی آ گئی۔

"ہنسنے کی بات نہیں بینا۔ آخر یہ مونا وغیرہ تم سے اس قدر کیوں جلتی ہیں؟" ریحانہ نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"اللہ کو معلوم ہوگا' میں تو گھر پر بھی ان سے کوئی واسطہ نہیں رکھتی۔ شاید انہیں میرا اور امی کا اپنے یہاں رہنا بہت کھلتا ہے مگر خیر کچھ دن کی بات ہے میں یہ سال پورا کرلوں پھر ملازمت کرلوں گی۔" بینا نے افسردگی سے کہا۔

"لیکن تم ڈاکٹری کرنا چاہ رہی تھی۔ کیا ایم ایس سی کے بعد پڑھنا چھوڑ دو گی۔" ریحانہ نے تردد سے پوچھا۔

"ظاہر ہے ایک وقت میں دو دو کام تو نہیں ہو سکتے اور ایم بی بی ایس کا کورس تو بہت مشکل ہوتا ہے۔" بینا بجھے ہوئے لہجے میں بولی۔ وہ دونوں ابھی تک ڈانس میں مصروف تھے۔ بینا نے اٹھ کر جانا چاہا تو ریحانہ نے اس کا ہاتھ پکڑ کر پھر سے بٹھا لیا۔

"ارے چلیں کہاں تھوڑا سا تماشا تو اور دیکھ لو۔" یہ فقرہ ریحانہ نے آہستہ آواز میں کہا تھا جس کا جواب بینا نے قدرے اونچی آواز میں دیا۔

"یہ تو کوئی ایسا تماشا نہیں جسے دلچسپی سے دیکھا جائے تم نے ناحق طارق کی پڑھائی کا حرج کرایا۔" اتنا کہہ کر بینا تیزی سے باہر نکل گئی۔ اصل میں اسے اشعر کا یہ مظاہرہ ذرا نہ بھایا تھا۔ یا تو کہتا ہے کہ اپنے چچاؤں کی صورت تک دیکھنے کا روادار نہیں یا انہیں کی بیٹیوں کے ساتھ چھچھورے اڑا رہا ہے۔ ہے ایک روایتی نامرد جس کی کمزوری عورت ہوتی ہے۔ وہ بھی اسے آج کل کے چھچھورے اور دل پھینک نوجوانوں میں شمار کر بیٹھی تھی۔

مونا نے اس کے جاتے ہی اشارے سے ثمرین سے پوچھا کہ وہ کیا کہہ کر گئی ہے تو ثمرین نے اس کا ریمارک دہرایا اور اشعر کو یوں لگا جیسے اس نے براہ راست اس پر گہری

محبت کے مختلف رنگوں سے مزین دوستی، وفاداری اور بے وفائی کا حسین امتزاج
خاندانی عظمت ووقار کی آڑ میں جذبات کو مجروح کرتی داستان
کھو دینے کے غم اور پالینے کی خوشی سے آراستہ ایک ناقابل فراموش کہانی
خاص موضوع' اور خاص وقت میں جنم لینے والی ناقابل فراموش داستان
عشق دی ماہی میجھلی
صائمہ قریشی قلم سے لکھی دلکش و دل موہ لینے والی تحریر
آنچل کا ایک انوکھا ناول لمحہ بہ لمحہ چونکہ دینے والی کہانی
بہت جلد آنچل کے صفحات پر جلوہ افروز ہونے والا ناول
مزید معلومات کیلئے 0300-8264242

چوٹ کی ہو۔ وہ تھوڑی دیر بعد ڈانس ختم کرکے اپنی جگہ پر آبیٹھا۔ اس وقت اس پر سخت جھنجھلاہٹ طاری تھی اور وہ پشیمانی سے سوچ رہا تھا کہ اس بے تکے مظاہرے کی کیا ضرورت تھی۔

"اشعر آخر یہ تم کو ہو کیا گیا ہے۔ تم تو کبھی بھی ایسے نہ تھے۔ تم نے اپنا وقار کیوں گرایا۔" اس لمحے اس کا دل چاہا کہ ریحانہ سمیت سب کو ڈرائنگ روم سے دھکا دے کر یا پھر سب پر لعنت بھیج کر چلا جائے مگر ان دونوں خواہشوں کے بجائے وہ خود اٹھ کھڑا ہوا اور تیزی سے طارق کے کمرے میں پہنچا۔ جہاں بینا طارق کے انتظار میں بیٹھی تھی۔ وہ تیزی سے چلتا ہوا عین اس کے سامنے جا کر رکا۔

"آپ کل سے یہاں نہیں آئیں گی۔ یہ میرا حکم ہے سمجھ گئیں۔" اس نے بڑے سخت لہجے میں کہا۔

اس کی بات سن کر چند لمحوں کو تو بینا ساکت رہ گئی پھر اپنا ہونٹ کاٹ کر اس کی طرف بڑی سلگتی ہوئی نظروں سے دیکھا اور بڑے ٹھنڈے مگر تلخ لہجے میں بولی۔

"میں آپ کے حکم کی تعمیل ضرور کرتی اگر یہ گھر آپ کا ہوتا مگر اس صورت میں بھی آپ کو اس قدر غیر اخلاقی طریقے سے بات کرنے کا حق نہیں تھا۔" بینا کو بھی اس کی بدتمیزی پر غصہ آگیا تھا مگر اس نے حد درجہ ضبط سے کام لیا۔ پھر بینا اسی وقت اٹھ کھڑی ہوئی اپنی چیزیں سمیٹیں اور باہر نکل گئی اور اس سے بینا کی بات کا کوئی جواب ہی نہ بن سکا۔ اس سے منہ کی کھانے کے بعد موڈ بہت زیادہ خراب ہوگیا تھا اس لیے وہ چپ چاپ اپنی رہائش گاہ پر چلا آیا۔ اس نے تہیہ کرلیا تھا کہ اب نعیم چچا کے یہاں کبھی نہیں جائے گا۔ ادھر اسے وطن آئے پورے پانچ ماہ ہوچکے تھے اور نوکری چھوڑ کر جو کاروبار شروع کیا تھا وطن آنے کی وجہ سے وہ بھی ٹھپ ہورہا تھا اور یہاں جس مقصد سے آیا تھا وہ بھی پورا ہوتا دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ اس لیے اس نے فوری طور پر واپسی کی ٹھانی' اسے نعیم چچا کے یہاں گئے پورے چار دن ہوگئے تھے۔ ریحانہ کو اس کی ناراضگی کا سبب معلوم تھا۔ یہ لوگ اسے منانے کئی مرتبہ ہوٹل آئے مگر وہ نہ ملا۔ صبح سے نکلتا تو رات کو ہی لوٹ کر آتا اور آتے ہی ریسپشن پر تاکید کردیتا کہ وہ کسی بھی وزیٹر کو آنے نہ دے مگر نعیم چچا کو چین ہی نہیں پڑ رہا تھا۔ ایک دن وہ صبح اس کے پاس پہنچ گئے اور اسے منا کر اپنے ساتھ لے آئے۔ پھر وہی اجتماع ہونے لگے مگر وہ اپنی پرانی جون میں آگیا تھا۔ اس قدر خاموش اور سنجیدہ رہتا کہ بات کرنے کی ہمت نہ پڑتی۔ اسے معلوم نہیں تھا کہ بینا طارق کو پڑھانے آتی بھی ہے یا نہیں ایک دن باتوں ہی باتوں میں شمیم نے اسے بتایا کہ بینا نے طارق کو پڑھانا چھوڑ دیا ہے اور اس کی وجہ چونکہ اسے بخوبی معلوم تھی اس لیے یہ سن کر اسے بڑا دکھ ہوا۔ آخر میں نے کیوں اس غریب لڑکی کی روزی چھڑوادی۔ اس نے ایسا میرا کیا بگاڑا تھا۔ ہوسکتا ہے اس نے مونا پر وہ ریمارک پاس کیا ہو مگر وہ ریمارک ہی کب تھا۔ اپنے دل کی بات کہنے کی تو ہر ایک کو آزادی حاصل ہے۔ مونا وغیرہ نے خوامخواہ بات کا بتنگڑ بنادیا اور میں نے بیکار ہی اس کی روزی کو چھین لیا۔ اشعر متاسف ہوکر یہی سوچتا رہا۔ دنیا اس کی مٹھی میں آگئی تھی اس لیے وہ یہ بھول گیا تھا کہ اس پر بھی کبھی بینا سے بھی زیادہ برا وقت آیا تھا۔ بینا کو چاہنے اور جان چھڑکنے والی ماں تو میسر تھی مگر اسے تو کچھ بھی میسر نہ تھا اصل میں وہ ان لوگوں میں سے تھا جو اچھا وقت آنے پر پرانی اور ایذا پہنچانے والی باتوں کو اس لیے بھلا دیتے ہیں کہ محرومی اور کمتری کا احساس ان کے نزدیک نہ آئے اور یہی لوگ اپنے مصیبت اور آرام کے دنوں کو فراموش کر بیٹھتے ہیں۔ یہی وجہ تھی کہ اشعر کے دل میں بینا کے لیے ہمدردی کا جذبہ کبھی نہیں جاگا۔ وہ تو یہ سمجھتا تھا کہ یہ دنیا اور اس کی آسائشیں جستجو جدوجہد اور انسان کے اپنے حوصلے سے حاصل کی جاسکتی ہیں جس کے ہاتھ میں پیسہ اور زور ہے وہ پوری دنیا کو خرید سکتا ہے اور جو نادار اور حالات کا شکار ہوتے ہیں ان کا اپنا کوئی وجود ہی نہیں ہوتا۔ ان کا ہر وصف بے معنی اور بے سود ہوتا ہے پھر بھلا اس کی نظروں میں بینا کی کیا قدر و منزلت ہوتی مگر یہ تو اس کی روزی کا سوال تھا اور چونکہ وہ اس کی روزی چھڑوانے کا

سبب بنا تھا اس لیے اس کا ازالہ اس نے اسی صورت میں سمجھا کہ بینا کو اپنی طرف سے کچھ مالی امداد بہم پہنچادے لیکن اپنے اس ارادے کو وہ شہرت دینا نہیں چاہتا تھا۔ اس لیے اس نے نعیم چچا اور ان کی فیملی والوں سے بھی اس بات کو پوشیدہ رکھا اور خود ہی بینا سے ملنے کی ٹھان لی مگر بینا سے ملنا بھی تو جوئے شیر لانے سے کم نہ تھا کیونکہ نہ وہ اس کے یہاں جاسکتا تھا اور نہ وہ نعیم چچا کے یہاں آتی تھی۔ وہ تو قدرت نے چند روز بعد ہی بینا سے ملاقات کا موقع فراہم کردیا۔ طارق کی سالگرہ تھی جس میں زیادہ تر بچوں کو ہی مدعو کیا گیا تھا مگر ریحانہ نے وقت تھوڑا اچھا گزرنے کے خیال سے اپنی سہیلیوں اور مونا کو بھی مدعو کرلیا تھا۔ بینا کو طارق کی استانی ہونے کی وجہ سے خصوصی طور پر بلایا گیا اور اتنے زیادہ اصرار سے بلایا گیا تھا کہ نہ چاہتے ہوئے بھی اسے شریک ہونا پڑا۔ آنے کو تو وہ آگئی تھی مگر مہمانوں کے ساتھ بیٹھنے کے بجائے اندر چچی جان کے پاس بیٹھی رہی تھی۔ چچی جان کو کئی برس سے ہائی بلڈ پریشر کی شکایت تھی اور پچھلے چند ماہ سے وہ کافی علیل تھیں مگر اب ان کی حالت پہلے سے بہت بہتر تھی کاشف اور ندیم چچی جان کو دیکھنے آئے تو بینا کو وہاں بیٹھا دیکھ کر دونوں زبردستی اپنے ساتھ ہال میں لے آئے۔ دونوں ہی بھائیوں کا رویہ بینا کے ساتھ ہمیشہ سے اچھا تھا۔ وہ اس کا خیال بھی رکھتے تھے اور اسی بات پر یہ بہنیں انہیں چھیڑتی بھی تھیں۔ بینا کاشف اور ندیم کے ساتھ کاشف کے کسی مذاق پر مسکراتی ہوئی ہال میں داخل ہوئی تو سب ہی کی توجہ اس کی طرف مبذول ہوگئی۔ اس نے اورنج کلر کی شلوار کے ساتھ ہم رنگ کرتا اور دوپٹہ پہن رکھا تھا۔ وہی آویزے جو وہ ہر موقع پر پہنتی تھی آج بھی پہن رکھے تھے اور اسی سادہ سے انداز میں گھنے بالوں کی دراز چوٹی آگے ڈال رکھی تھی۔ وہی سادگی جو اس کا طرۂ امتیاز بن کر رہ گئی تھی اس نے آج بھی اختیار کر رکھی تھی۔

"اچھا تو یہ اس انتظار میں چچی جان کے پاس بیٹھی تھیں کہ کوئی جا کر انہیں وہاں سے لائے۔" ثمرین منہ بنا کر بولی اسے کاشف اور ندیم کے ساتھ اس کا آنا بہت ناگوار گزر رہا تھا۔

"اور ذرا لباس تو دیکھو اتنی بھی تمیز نہیں کہ کس موقع پر کیا پہنتے ہیں۔" احمرین نے رائے زنی کی۔

"یہی تو ایک جوڑا ہے بیچاری کے پاس تو پھر وہ کیا کرے۔" مونا نے اس کی غریبی کو جتایا۔ اشعر ان تینوں کے قریب ہی بیٹھا سب سن رہا تھا مگر اس نے کچھ کہا نہیں بلکہ بینا کے لیے دل میں ایک ہمدردی سی محسوس کرنے لگا۔ کاشف اور ندیم اس سے کچھ فاصلے پر آکر بیٹھ گئے تھے۔

کیونکہ ان کے خیال میں اشعر سخت مغرور تھا لیکن مونا انہیں یہ باور کرانے کی کوشش میں لگی رہتی تھی کہ اشعر ہرگز مغرور نہیں کسی سے نہ سہی مگر اس سے بہت اپنائیت اور خلوص سے پیش آتا ہے ادھر گھر والوں کی بھی یہی کوشش تھی کہ کسی طرح وہ مونا کے قبضے میں آجائے۔ کاشف اور ندیم کو بھی ان خیالات کا علم تھا مگر وہ ذرا بھی گھر والوں کے اس خیال سے متفق نہ تھے۔ بس مونا اور شمیم کے اصرار پر مارے باندھے چلے آئے تھے اور ادھر وہ تھا جو بظاہر وسیم کے دوستوں اور ریحانہ کی سہیلیوں سے باتوں میں مصروف تھا مگر بینا کے آجانے سے اندر ہی اندر تھوڑا سا ڈسٹرب ہوکر رہ گیا تھا کیونکہ اس کے دل میں اب بینا کے لیے ہمدردی کی لہریں اٹھ رہی تھیں۔ وہ نہ صرف اس کی مالی امداد کرنا چاہتا تھا بلکہ اپنے رویے پر تاسف کا اظہار بھی ضروری سمجھتا تھا مگر وہ اس سلسلے میں بینا سے کیسے رابطہ قائم کرے اور کس طریقے سے اسے چیک پیش کرنے کے ساتھ ساتھ تاسف کا اظہار کرے یہ مسئلہ اس کے لیے تردد کا سبب بنا ہوا تھا کیونکہ سب کے سامنے وہ کچھ کر ہی نہ سکتا تھا۔ ادھر بینا کی طرف سے بھی مطمئن نہ تھا وہ خواہ کتنی بھی بے وقعت تھی مگر تھی بہت زیادہ غیور اور خوددار۔ بچوں کی پارٹی تھی اور بچے تو کھا پی کر چلے گئے تھے بڑے ہی موج اڑا رہے تھے۔ ریحانہ اپنی ایک سہیلی سے فرمائش کرکے گانے سنوا رہی تھی اور بینا خاموش تماشائی بنی ایک طرف بیٹھی تھی۔ کاشف اور ندیم موڈ میں آگئے اور گانوں میں سب سے

زیادہ دلچسپی لے رہے تھے۔ ان دونوں میں بچپن سے بڑی گاڑھی چھنتی تھی۔ وقت اور موسم کی مناسبت سے اشعر نے غضب کی ڈریسنگ کی ہوئی تھی جو اس کی کھلتی ہوئی رنگت میں غضب کا نکھار پیدا کررہی تھی۔ وہ اس وقت بہت چہک رہا تھا مگر اس کی باتوں میں اس کا وہی فطری رکھ رکھاؤ تھا اور اپنے مخصوص لیے دیئے انداز میں بات کررہا تھا۔ بینا نے اس روز پہلی بار اسے غور سے دیکھا تھا اور اس کے اس روز کے رویے کی روشنی میں وہ سوچ رہی تھی کاش وہ اس قدر دل پھینک شو آف اور مغرور نہ ہوتا تو کتنا اچھا ہوتا۔ کاشف اور ندیم اسے کم ظرف کہتے ہیں تو کچھ غلط تو نہیں کہتے' کسے نہیں معلوم کہ اس نے اپنا بچپن اور لڑکپن کس کسمپرسی کے عالم میں گزارا ہے۔ اب اللہ نے پیسے ہاتھ میں دے دیئے تو وہ اپنی ہستی کو ہی بھلا بیٹھا۔ یہ نعیم ماموں نہ جانے کیوں اس کے اتنے چونچلے کرتے ہیں جو شخص اپنے سگوں کا نہیں وہ بھلا ان کا کیا ہوگا۔ بینا سوچتی رہی اور نہ جانے سوچ کے کس لمحے اس کی طرف اٹھتی گرتی نگاہیں یک بارگی اس کی نگاہوں سے ٹکرا گئیں۔ اس قدر محسوس کیئے جانے والے انداز میں کہ اسے مسکراتا ہوا دیکھ کر بینا نے گھبرا کر نگاہیں جھکالیں۔ اور اپنی اس نامعقول سی حرکت پر دل ہی دل میں خود کو برا بھلا کہنے لگی کیونکہ جہاں تک اس نے محسوس کیا تھا اشعر کی مسکراہٹ میں ایک طنز شامل تھا۔ بینا سے وہاں بیٹھنا بھی دوبھر ہوگیا مگر مروت میں دل پر جبر کیئے بیٹھی رہی۔

پارٹی کے اختتام پر جب سب مہمان اپنے اپنے گھروں کو جانے لگے تو چچا کی چھوٹی سی گاڑی میں کاشف ندیم مونا ثمرین اور احمرین کو بیٹھا دیکھ کر ریحانہ نے کہا۔

"بھئی بینا کو بھی اسی میں ایڈجسٹ کرو پہلے سے معلوم ہوتا تو میں انہیں بھائی جان کے ساتھ بھیج دیتی اب یہ تنہا کیسے جائے گی۔" تب اشعر آگے بڑھ کر بولا۔

"ان کی فکر نہ کرو انہیں میں ڈراپ کردوں گا کیوں بینا آپ چلیں گی ناں میرے ساتھ؟" اس نے براہ راست بینا سے سوال کیا تو ہراساں سی ہوکر بینا نے سب پر باری باری ایک نظر ڈالی۔

"ہاں ہاں کیوں نہیں۔ انہیں بھلا کیا اعتراض ہوگا۔" بینا کی سراسیمگی کا اندازہ کرکے ریحانہ جلدی سے بولی۔

"لو بھئی ہوگیا بیڑا پار۔" کاشف نے کار اسٹارٹ کرتے ہوئے آہستہ سے کہا۔ مونا کہتی رہ گئی کہ بینا کو ساتھ بیٹھا لو مگر کاشف نے سنا ہی نہیں اور کار لے کر چل پڑا۔ ان لوگوں کے جانے کے بعد اشعر نے مزید کچھ کہے بغیر بڑھ کر اپنی کار کا دروازہ اس کے لیے کھولا مگر بینا اپنی جگہ خاموش کھڑی کچھ سوچتی رہی وہ اس کی لفٹ کی پیشکش پر ذرا بھی خوش نہیں تھی بلکہ اپنی کمتری اور کم مائیگی کا احساس اسے تڑپائے دے رہا تھا۔ اگر برے حالات کا شکار نہ ہوتی تو کیا میرے ساتھ یہ سب ہوتا جو عرصے سے ہوتا آرہا ہے۔

"بھئی یہ ایسی کوئی تردد کی بات نہیں بشرطیکہ تم اسے اہم بنانے کی کوشش نہ کرو۔" بینا کو متامل دیکھ کر ریحانہ نے شوخ سے انداز میں آہستہ سے کہا اور بینا اس خیال سے جل کر رہ گئی کہ تقریباً سب کی ذہنیت ایک سی ہے۔ اسے تو خود اشعر کے ساتھ جانا عجیب سا لگ رہا تھا مگر قہر درویش برجان درویش کے مصداق اسے اشعر کے ساتھ اگلی سیٹ پر بیٹھنا ہی پڑا کیونکہ وہ اس کے انتظار میں کھڑا تھا اور جب وہ بیٹھ گئی تو شمیم نے شریر سے انداز میں اس کے کان کے قریب جھک کر سرگوشی کی۔

"ایمان سے اس سیٹ پر تو آپ کے سوا کوئی جچ ہی نہیں سکتا۔" بینا اسے گھور کر رہ گئی۔ بھلا یہ بھی کوئی دنیا سے انوکھی بات ہے۔ اشعر نے کئی مرتبہ ریحانہ کی سہیلیوں اور مونا کو لفٹ دی تھی اگر مجھے لفٹ کی پیشکش کردی تو کون سا ستم ہوگیا۔ مگر اشعر نے یہ پیشکش کیوں کی ہے۔ وہ تو میرے سائے سے بھی دور بھاگتے ہیں۔ مجھے بے حد حقیر اور بے وقعت سمجھتے ہیں اور انہیں تو اپنی حیثیت پر بڑا گھمنڈ ہے۔ اپنی ہستی پر بڑا ناز ہے اسی کا تو اس روز مظاہرہ بھی کرچکے ہیں۔ پھر آج یہ عنایت کیوں۔ کار چل پڑی اور بینا خیالات کے تانوں بانوں میں الجھی ہوئی تھی۔ اس

لیے اشعر اپنے دل کی بات زبان پر لانے کی ہمت نہ کرسکا۔ کہیں وہ اس کی پیشکش کو ٹھکرا نہ دے یا کسی غلط خیال کو دل میں جگہ نہ دے دے۔ مگر جب اسے بالکل ہی گم صم دیکھا تو خود ہی بولا۔

"کیا آپ نے واقعی طارق کو پڑھانا چھوڑ دیا؟"

"جی ہاں۔" بینا نے اپنی محویت سے چونک کر کہا۔

"مجھے اپنی اس زیادتی پر بہت افسوس ہے۔ اصل میں مجھے بہت غلط......"

"لیکن میں نے آپ کی وجہ سے تو یہ ٹیوشن نہیں چھوڑی۔ میرے امتحانات نزدیک آگئے ہیں اس لیے میں وقت نہیں بچاسکتی۔" بینا نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا۔ اسے اس بات پر سخت اچنبھا ہورہا تھا کہ اشعر آج بڑی ملائمیت سے بات کررہا تھا۔

"تو کیا آپ نے اپنی دوسری ٹیوشنز بھی چھوڑ دیں۔" اشعر نے بدستور سامنے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں تو وہ بھلا کیسے چھوڑ سکتی ہوں انہی پر تو تمام دارو مدار ہے۔ یہ تو اپنے گھر کی بات تھی وسیم بھائی کی خواہش تھی کہ میں طارق کو پڑھا دیا کروں اس لیے میں پڑھاتی رہی۔" بینا نے انتہائی سادگی سے کہا۔

"تو کیا آپ اس کا معاوضہ نہیں لیتی تھیں۔" اس نے کسی خیال کے تحت پوچھا۔

"نہیں تو...... بھلا اپنوں سے بھی کہیں معاوضہ لیا جاتا ہے۔" بینا نے اس کی طرف دیکھ کر کہا مگر اس کا ذہن تو اس گتھی کو سلجھانے میں لگا ہوا تھا کہ کس طرح اور کیونکر وہ چیک بینا کو دے جو کئی روز سے اس کی جیب میں پڑا تھا۔ اس نے اپنی اس الجھن میں بینا کی بات کا کوئی جواب بھی نہیں دیا۔

"اوہ ہاں سچ تو ہے۔ خیر پھوپی بیگم کیا کہیں آتی جاتی نہیں۔" اس نے کچھ سوچ کر بات گھمائی۔

"جاتی کیوں نہیں مگر بہت کم گھر سے نکلتی ہیں' کیوں؟" اس کی باتیں بینا کی حیرت میں اضافہ کررہی تھیں۔

"وہ دراصل میں نے انہیں کبھی چچا جان کے یہاں آتے نہیں دیکھا۔ ویسے مجھے آپ کے حالات سے بھی دلی ہمدردی ہے کیا آپ کے شوہر کچھ بیمار تھے؟" اس نے ایک بالکل ہی غیر متوقع سوال کرکے بینا کو چکرا دیا تو ساری اطلاعات ان کو بھی بہم پہنچائی گئی ہیں۔ یقیناً مونا وغیرہ نے ہی انہیں بتایا ہوگا۔ بینا نے آزردگی سے سوچا اور کچھ توقف کے بعد بولی۔

"وہ دراصل ایسٹ پاکستان کے ہنگاموں کی نذر ہوگئے تھے۔"

"اوہ اچھا تو کیا آپ بھی سقوط کے وقت ان کے پاس تھیں۔" اشعر نے ایک اور پیچیدہ سا سوال کردیا۔ جب کہ وہ اس ذکر سے بچنا چاہ رہی تھی۔

"جی نہیں میں نے تو کبھی ان کو دیکھا ہی نہیں۔ وہ دراصل جب میں گیارہ سال کی تھی تو میرے والد نے ان سے میرا نکاح کردیا تھا۔ ان دنوں وہ مڈل ایسٹ میں تھے۔" بینا کو دل پر جبر کرکے جواب دینا ہی پڑا۔ اشعر نے کار چلاتے گردن گھما کر اس کی طرف دیکھا۔

"گیارہ سال کی عمر میں نکاح۔ گویا رخصتی ابھی تک نہیں ہوئی تھی کمال ہے بھئی۔ یہ اپنا ملک تو اب بھی صدیوں پیچھے لگتا ہے۔" اشعر نے سر جھٹک کر عجب سے انداز میں کہا۔ وہ خاموش ہی رہی بے چاری لڑکی کہتی بھی کیا۔

"یہ تو ظلم ہوا سراسر اور میرے خیال میں تو یہ اچھا ہی ہوا کہ آپ وقت سے پہلے ہی بیوہ ہوگئیں لیکن برا نہ مانیے گا کیا آپ کو بھی اس شخص سے کوئی لگاؤ تھا۔" اشعر کا لہجہ ہمدردی سے بوجھل تھا۔

"بس اس حد تک کہ مجھے کسی سے منسوب کردیا گیا ہے۔ شہر کے ہنگاموں میں ان کا انتقال ہوا تھا اور اس وقت میں ذہنی اعتبار سے بہت کچی تھی مگر اب یہ سب ایک مذاق ہی معلوم ہوتا ہے۔" بینا بھول ہی گئی کہ وہ کس سے بات کررہی ہے۔

"ظاہر ہے ہونا بھی چاہیے میرے خیال میں تو آپ

بہت ہمت والی ہیں اور ہر انسان کو ہمت سے کام لینا چاہیے۔ ویسے آپ پھوپی بیگم تک میری ایک امانت پہنچا دیں گی۔“ آخر وہ اصل موضوع پرآ ہی گیا۔

”کیسی امانت؟“ بینا اپنے استعجاب کواس سے پوشیدہ نہ رکھ سکی۔ تب جواب دینے کے بجائے اشعر نے جیب میں ہاتھ ڈال کر وہ چیک نکالا اوراس کی طرف بڑھادیا۔

”یہ...... یہ کیا ہے؟“ بینا نے پوچھا۔

”یہ میری طرف سے ایک نذرانہ ہے بینا پھوپی بیگم کے لیے۔“ اشعر نے کہا اور بینا کو یوں لگا جیسے اس نے کوئی بہت ہی نامناسب بات کہہ دی ہو۔ وہ نہ جانے کس طرح خود پر قابو پا کر بولی۔

”تو کیا آپ نے اس مقصد سے مجھے لفٹ کی پیشکش کی تھی لیکن آپ نے آخر میری کس بات سے یہ اندازہ لگایا کہ میں آپ کی اس بھیک کے بغیر زندہ نہ رہ سکوں گی۔ شاید آپ اپنی دولت کے نشے میں بھول گئے ہیں کہ ایک غریب کی عزت اور غیرت ہی اس کا سرمایہ ہوتی ہے اور ہم دونوں ماں بیٹیوں کے پاس اس کے علاوہ خاندانی وقار بھی ہے۔“

”بات کو غلط رنگ دینے کی کوشش نہ کیجیے بینا بیگم میں بھی غلط بات کہنے کا عادی نہیں ہوں۔ میں نے واقعی اسی مقصد سے آپ کو لفٹ کی پیشکش کی تھی مگر آپ کو غریب اور نادار جان کر ہرگز نہیں بلکہ محض اس خیال سے کہ پھوپی بیگم کو تھوڑی بہت مدد مل جائے گی۔“ بینا کو اس قدر برہم سا دیکھ کر اشعر نے اپنی بات نہایت اطمینان سے سمجھائی۔

”پھر تو ایک ہی بات ہوئی ناں...... شاید آپ کو معلوم نہیں ہم سعید ماموں کے یہاں رہتے ضرور ہیں مگر ان پر بار بن کر نہیں۔ امی کے پاس جو کچھ بھی ہے وہ پیٹ بھرنے کے کام آتا ہے اور میں اپنی تعلیم کے لیے ٹیوشنز کرتی ہوں۔ لہٰذا آپ اپنا یہ چیک کسی دوسرے نیک کام کے لیے اپنے ہی پاس رکھیے۔“ بینا نے سخت ناگواری کا اظہار کرتے ہوئے وہ چیک اسے واپس دے دیا۔ پھر اپنی رسٹ واچ کو دیکھنے کی کوشش میں بولی۔

”امی تو پریشان ہورہی ہوں گی کہ میں کہاں رہ گئی؟“

”ہاں میں نے ذرا لمبا راستہ اختیار کرلیا تھا۔“ اشعر کسی خیال میں کھویا کھویا سا بولا۔

”آپ کو معلوم ہے کہ میں کس مقصد سے وطن آیا تھا؟“ اس نے اچانک گردن بینا کی طرف گھما کر اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔ عجیب بے اختیارانہ سا انداز تھا پوچھنے کا۔ چند لمحے بینا کو اپنے دل کی دھڑکنیں زلزلوں کی زد میں محسوس ہوئیں وہ کچھ بھی نہ کہہ سکی اس خیال سے کہ نہ جانے آگے وہ کیا کہے۔

”بہر حال میں جس مقصد سے بھی آیا تھا اسے حاصل کرنے میں کامیاب نہیں ہوسکا۔ اس لیے بے مراد ہی واپس جارہا ہوں۔“ اس نے نگاہیں کترا کر قدرے توقف کے بعد خود ہی کہا اور بینا جلدی سے اپنی دھڑکنوں پر قابو پا کر بولی۔

”لیکن مونا تو ہر لحاظ سے سوٹ ایبل ہے۔“

”مونا......“ وہ زور سے ہنسا۔

”شاید آپ کے خیال سے۔“ اس نے استہزائیہ سے انداز میں کہا اور ایک دو موڑ دے کر کار کو بینا کی رہائش گاہ سے کچھ فاصلے پر روک دیا۔ سامنے ہی گیٹ پر لیمپ پوسٹ کے قریب مونا وغیرہ کھڑی نظر آئیں۔ بینا نے کچھ گھبرا کر اس کا شکریہ ادا کیا اور دروازہ کھول کر جلدی سے اتر گئی۔

”سنیے۔“ اشعر اپنی سیٹ سے جھک کر بولا اور بینا نے کھڑکی پر ہاتھ رکھ کر اندر جھانک کر اس کی طرف دیکھا۔

”پھوپی کو میرا سلام کہہ دیجیے گا۔“ اشعر نے مسکراتے ہوئے کہا اور پھر آہستہ سے اس کا ہاتھ دبا دیا۔ اس اثناء میں تینوں ان کے قریب آچکی تھیں۔ انہیں دیکھ کر اشعر بھی کار سے اتر آیا۔

”بھئی کہاں رہ گئی تھیں تم؟“ تینوں نے تقریباً ایک ہی ساتھ کچھ مشکوک سے انداز میں پوچھا۔

”ٹائر پنکچر ہوگیا تھا اس لیے ہمیں دیر ہوگئی۔“ بینا کے بجائے اشعر نے ان کے سوال کا جواب دیا اور بینا نے

ہوا سا اس ہی کیفیت میں اس کی طرف دیکھا۔ ایک بار پھر وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ کر بڑی دلآویزی سے مسکرایا جیسے کہہ رہا ہو دیکھو میں نے کتنی خوب صورتی سے بات بنا دی۔ پھر وہ سب کو اللہ حافظ کہہ کر چلا گیا اور بینا اسی کے تصور میں ڈوبی سوچتی رہ گئی کہ وہ اتنا برا نہیں جتنا کہ اسے ظاہر کیا جاتا ہے یا وہ خود کو ظاہر کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس نے تو کوئی ایک بات بھی ایسی نہیں کی جو مجھے نازیبا لگی ہو وہ چیک بھی اس نے محض ہمدردی کے جذبے کے تحت دیا تھا۔ وہ کس قدر سادگی اور سچائی سے اپنی بات کہنے کا عادی تھا۔ اسی لیے تو غصے کے باوجود مجھے اس سے رواداری برتنی پڑی۔ بینا نے صرف اسی حد تک اس کے بارے میں نہیں سوچا بلکہ اس کے نوخیز سے دل میں بھی آرزوؤں اور امنگوں کی ایک وسیع دنیا آباد تھی اور اسی رنگین دنیا میں وہ بڑی آہستگی اور خاموشی سے اتر آیا تھا اور یہ کوئی ایسی تعجب خیز یا مضحکہ خیز بات بھی نہ تھی زندگی کے اس جولانی دور میں ہر لڑکی سنہرے دیس کے شہزادوں کے خواب دیکھتی ہے خواہ وہ امیر ہو یا غریب، نیچ ہو یا شریف، ہر لڑکی کا مطمع نظر تقریباً ایک سا ہی ہوتا ہے یا دوسرے معنوں میں ملتا جلتا ہی ہوتا ہے۔ لہٰذا بینا کو اگر وہ پسند آ گیا تھا تو اس میں اس کا کوئی قصور نہ تھا۔ حالانکہ اسے اچھی طرح علم تھا کہ اس کی یہ پسندیدگی کسی کام کی بھی نہیں جب کہ وہ مونا جیسی باحیثیت، ہم پلہ اور طرح دار لڑکی کو خاطر میں نہیں لاتا ابھی کچھ دیر پہلے خود اپنے منہ سے کہہ چکا تھا کہ اسے یہاں کی کوئی ایک لڑکی بھی پسند نہیں آئی۔ اس لیے وہ ناکام واپس جارہا ہے تو پھر بینا خود کو کس گنتی اور شمار میں سمجھتی لیکن وہ پہلا مرد تھا جو اس کے دل کو بھایا تھا اور وہ بڑی حیرت سے سوچ رہی تھی کاش اس کے خیالات اتنے اونچے نہ ہوتے یا کم از کم وہ اپنا وقت ہی یاد رکھتا اور اب تو وہ چار روز بعد جا بھی رہا ہے نہ جانے پھر لوٹ کر آئے بھی یا نہیں۔ اس کے جانے کے خیال نے بینا کی افسردگی میں اضافہ کردیا تھا۔

نعیم چچا اور ان کے بچوں کی ہدایت تھی کہ وہ یہ آخری چار دن ان کے ساتھ رہ کر گزارے۔ رات کو چلتے ہوئے انہوں نے تاکید بھی کردی تھی مگر دوسرے دن وہ نہ جانے کہاں غائب رہا۔ یہ لوگ اسے ہوٹل فون کرکر کے تھک گئے ہر بار یہی جواب ملا کہ وہ باہر گیا ہوا ہے۔ آخر شام کو کہیں جا کر اس کی صورت نظر آئی۔ وہ بے حد مسرور تھا۔ نعیم چچا کو لے کر لابی میں چلا گیا اور وہاں سے نعیم چچا کے ساتھ اس نے باہر کا رخ کیا۔ دونوں کو کہیں جاتا دیکھ کر ریحانہ پوچھتی رہ گئی کہ کہاں جارہے ہیں مگر دونوں میں سے کسی نے بتایا ہی نہیں۔ سب کو ہی سخت تجسس تھا مگر خاص طور پر ریحانہ بڑی بے چین تھی۔ ان دونوں کا واپسی کا انتظار کرتی رہی اور جب آدھے گھنٹے بعد وہ دونوں آئے تو ان کے ساتھ رضیہ بیگم اور بینا کو دیکھ کر سب ہی حیرت زدہ رہ گئے۔ نعیم چچا تو رضیہ بیگم کو لے کر اندر چلے گئے اور وہ بینا کے ساتھ کار میں بیٹھا رہا۔ ریحانہ بھاگ کر اس کے پاس پہنچی اور بولی۔

”آج کیا کار ہی میں بیٹھے رہنے کا ارادہ ہے آؤ بینا تم تو چلو میرے ساتھ۔“

”نہیں ان کا ارادہ ابھی یہیں بیٹھنے کا ہے اور ہم ذرا تخلیہ چاہتے ہیں لہٰذا آپ یہاں سے فوراً نو دو گیارہ ہوجائیے۔“ وہ بڑے اچھے موڈ میں تھا۔ ریحانہ نے شرارت سے آنکھیں مٹکائیں اور بولی۔

”تو یہ ایک رات کا سحر ہے بھئی تم بڑی ساحرہ نکلیں بینا۔ اوکے آل دی بیسٹ۔ میں جارہی ہوں۔“ اور بینا نے جو پہلے ہی اترنے کے لیے تیار بیٹھی تھی جلدی سے دروازہ کھول کر باہر اترنا چاہا۔ تو اشعر نے گھوم کر پچھلی سیٹ کا دروازہ پکڑ لیا۔

”آپ اطمینان سے یہیں بیٹھی رہیے۔ مجھے آپ سے چند باتیں کرنی ہیں۔“ اس کا لہجہ تیکھا تھا۔ بینا نے گھبرا کر دروازہ چھوڑا اور پیچھے سرک کر بیٹھ گئی۔ نعیم چچا تو دونوں ماں بیٹیوں کو یہ کہہ کر لائے تھے کہ ان کی اہلیہ کی طبیعت اچانک خراب ہوگئی ہے اور انہوں نے ان دونوں کو بلایا ہے مگر یہاں آتے ہی نعیم چچا نے رضیہ بیگم کو اتروا کر بینا سے کہا کہ تم تھوڑی دیر یہیں ٹھہرو میں ریحانہ کو تمہارے پاس

بھیج رہا ہوں اور اب ریحانہ آئی تو اشعر نے کچھ اور ہی بات کہی آخر وہ کہنا کیا چاہتا ہے۔ یقیناً اسی چیک کا معاملہ ہوگا۔ اف کہیں امی اپنی سادگی میں اسے قبول نہ کرلیں بینا نے بے چینی سے پہلو بدلا۔

"کیا آپ یہیں بیٹھ کر بات کرنا پسند کریں گی یا پھر کہیں اور چلیں اگر چلنے کا ارادہ ہو تو یہاں اگلی سیٹ پر بیٹھ جائیں۔" اشعر کی آواز نے اس کی سوچ کو منتشر کردیا لیکن اس نے جواب دینا اپنی جگہ سے ہلی بھی نہیں۔

"اچھا تو آپ یہیں بیٹھ کر بات کرنا چاہتی ہیں۔" تھوڑے سے انتظار کے بعد وہ خود ہی بولا۔ وہ بڑا خوب صورت لباس زیب تن کیے ہوئے تھا۔ اس کی صحت شباب پر تھی اور اس پر اس کی مردانہ وجاہت بینا کی نگاہیں نہ جانے کتنی بار اس پر پڑ چکی تھیں۔

"آپ کہنا کیا چاہتے ہیں؟" زچ ہونے کے سے انداز میں بینا نے پوچھا۔

"یہی کہ میں یہاں سے خالی جانا نہیں چاہتا۔ میں جس مقصد سے وقت اور پیسے کا ضیاع کرکے یہاں آیا تھا اسے حاصل کیے بغیر جانا کسی حماقت سے کم نہیں۔" اس نے بلاتوقف اصل بات کہی۔

"تو پھر میں کیا کرسکتی ہوں اس سلسلے میں اور بھلا میرا اس بات سے کیا تعلق جو آپ مجھ سے یہ سب کہہ رہے ہیں؟" بینا دل ہی دل میں اس سے مخاطب ہوکر بولی مگر زبان سے صرف اتنا ہی کہا۔

"جی ہاں آپ ٹھیک ہی کہہ رہے ہیں۔"

"کیا ٹھیک کہتے ہیں تلاش تو ابھی مکمل نہیں ہوئی۔ اور صرف تین روز رہ گئے ہیں میری روانگی میں۔" وہ یوں بولا جیسا اس کی بات کو بے تاثر کردینا چاہتا ہو۔

"تو پھر میں کیا کرسکتی ہوں اس سلسلے میں۔" وہ بیزار سی ہوکر بولی۔

"بہت کچھ۔"

"م...... میں سمجھی نہیں۔"

"یہی تو میرا پرابلم ہے...... آپ کو سمجھ لینا چاہیے تھا۔"

"جی......!"

"میرا زندگی میں ہزاروں لڑکیوں سے واسطہ پڑا ہے مگر میں نے آج تک کسی ایک کو بھی اتنی اہمیت نہیں دی کہ اسے گھیر گھار کر باتیں سننے پر مجبور کروں۔"

"آپ کے خیالات بہت اونچے ہیں ورنہ آپ کی آئیڈیل لڑکی کی یہاں کوئی کمی نہیں۔"

"میں نے وہ سارے آئیڈیل توڑ دیئے ہیں اس لیے میرے تخیل کی پرواز نیچی ہوگئی ہے۔"

"پھر تو کوئی مشکل باقی نہیں رہ جاتی۔"

"ہاں لیکن ایک مشکل باقی رہ گئی ہے۔"

"اچھا وہ کیا؟"

"اور اس طویل رفاقت کے لیے آپ کو راضی کرنا ہے۔ میرے خیال میں اب ساری بات آپ کی سمجھ میں آ گئی ہوگی۔" وہ جو اتنی دیر سے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا بغیر اس کی طرف دیکھے بات کررہا تھا یکایک اس کی طرف گھوما اور بڑی گہری نظروں سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"کیا مجھے......؟" استعجاب کی چٹانیں اس کے ہوش وخرد پر ٹوٹ کر گرنے لگیں۔

"جی ہاں آپ کو۔ میں انتہائی سادگی سے اعتراف کرتا ہوں کہ مجھے آپ پہلے ہی روز پسند آ گئی تھیں لیکن میرے ظرف میں تھوڑی سی لچک باقی تھی اس لیے میں نے اپنے معیار کے پیمانوں پر ہمیشہ زر و جواہر ہی تولے شاید آپ نے بھی اس بات کو محسوس کیا ہو کہ میں اپنے برے دنوں کو بھی بھول گیا تھا اور مجھے اپنے ان اونچے خیالات پر سخت ندامت ہے۔" اس نے اپنی فطری صاف گوئی سے کام لے کر خود اپنی کم ظرفی کا پردہ چاک کیا اور بینا بے یقینی کے زلزلوں میں جھٹکے کھاتی اس کی صورت دیکھتی رہ گئی۔ کیا کوئی انہونی خواہش اس قدر جلد بھی پوری ہوسکتی ہے۔ بینا کو کسی طرح یقین ہی نہیں آرہا تھا۔ اس پر اس کی پُرامید اور وارفتہ سی نظریں اس کے حسین تر چہرے کا طواف کررہی تھیں۔ اس لیے شرم اس کی گری ہوئی پلکوں پر اتر رہی تھی اور اس کی وضاحت نے دل سے ایک بوجھ سا اتار دیا تھا۔

"میں نے غلط تو نہیں کہا...... کیا یہ ایک مشکل بات نہیں آپ کو رضامند کرنا۔" وہ اس کی خاموشی سے اکتا کر بولا۔

"نہیں اتنا مشکل تو نہیں مگر...... مگر۔"

"مجھے بس ایک ہی جواب چاہیے...... ہاں یا نا۔"

"لیکن دیکھیے...... میں تو کسی لائق بھی نہیں ہوں اور پھر بالکل ادھوری سی شخصیت ہے میری اور کہاں آپ......"

"اف...... ہاں یا نا بس ایک جواب مانگتا ہوں۔" وہ اس کی ہر کیفیت کو نظر انداز کرکے قدرے رعونت سے بولا۔

"مگر وہ امی...... اف آپ نے مجھے کس مشکل میں ڈال دیا ہے۔ اب میں کیا کہوں۔" وہ بڑی دیر تک آپ ہی آپ لجاتی رہنے کے بعد پست لہجے میں بولی۔

"صرف ہاں۔" وہ ابھی تک اسے دیکھ رہا تھا۔

"اچھا۔" باقی بات اس نے اثبات میں سر ہلا کر کہی اور پھر دونوں ہاتھوں سے منہ ڈھانپ لیا۔

"اونہوں...... ابھی اس مظاہرے کا وقت نہیں آیا۔ یہ تو شادی کی رات پر ہی موقوف رکھیے۔ آج تو ہمیں جی بھر کے اپنا دیدار کرلینے دیجیے۔" اس کے چہرے پر سے ہاتھ ہٹا کر اشعر نے کہا بھی تو کیا۔ وہ تھوڑی دیر چہرہ جھکائے بیٹھی رہی۔ مگر اس کی پُرتپش نظروں کی زیادہ دیر تاب نہ لاسکی اور ہاتھ چھڑا کر جلدی سے باہر آئی اور بھاگنے کے سے انداز میں اندر کا رخ کیا۔ وہ بھی مسکراتا ہوا اس کے پیچھے پیچھے آیا مگر اتنی دیر میں وہ چچی جان کے پاس جاچکی تھی۔ انہونی خوشیوں نے اس کے حسین چہرے پر قوس قزح کے رنگ بکھیر دیئے تھے۔ رضیہ بیگم جو نعیم چچا اور چچی کے ہزار سمجھانے کے باوجود اشعر کو اپنی فرزندی میں لینے سے ابھی تک ہچکچا رہی تھیں بیٹی کے چہرے پر نظر پڑتے ہی انہوں نے آمادگی کا اظہار کردیا اور یوں جس دن اس کی روانگی تھی اس دن ان دونوں کا نکاح ہوگیا مگر بڑی رازداری کے ساتھ کیونکہ وہ بینا کو اپنے ساتھ لے جانا چاہتا تھا اور رفت کے وقت یہ انکشاف کرکے سب کو چونکا چاہتا تھا۔

اس لیے اس نے اپنی روانگی بھی ملتوی کردی اور اپنے اثر رسوخ سے کام لے کر وہ ہفتے عشرے میں روانہ ہونا چاہتا تھا۔ بینا نکاح کے بعد ابھی تک اپنی رہائش گاہ پر ہی تھی۔ اس کی والدہ چپکے چپکے اپنی بساط کے مطابق اس کا جہیز جمع کررہی تھیں اس کی روانگی بھی بڑے ڈرامائی انداز میں ہوئی۔ وہ اس طرح کہ وہ نعیم، شمیم، ریحانہ، فرزانہ اور اپنے دو چار دوستوں کے ہمراہ اچانک سعید چچا کے یہاں پہنچا۔ تو مونا ہی نہیں بلکہ سعید اور حمید چچا بلکہ اور سب پر ہی شادی مرگ کا سا گمان ہوا۔ سب یہی سمجھے کہ مونا کا ہاتھ مانگنے آئے ہیں مگر جب تھوڑی دیر بعد ریحانہ اور فرزانہ، رضیہ بیگم کی ہمراہی میں بینا کو دلہن کے روپ میں لیے ڈرائنگ روم میں داخل ہوئیں تو سب کو جیسے سانپ سونگھ گیا اور لطف یہ کہ پھر وہ ذرا سی دیر کو نہیں رکا۔ فوراً اٹھ کر بینا کے شانے پر ہاتھ رکھا اور رضیہ بیگم نے جھٹ پھٹ سلامی کی رسم ادا کی اور پھر وہاں سے براہ راست اس نے ایئرپورٹ کا رخ کیا اور اس کے ساتھ آنے والے باراتی مع رضیہ بیگم کے بینا کا سامان لے کر اس کے پیچھے پیچھے ایئرپورٹ جا پہنچے اور وہ سب جنہیں سکتہ سا ہوگیا تھا بڑی دیر بعد زندگی کی حرارت نے ان میں جنبش پیدا کی۔ بزرگ تو اٹھ کر چلے گئے لیکن وہ تینوں لڑکیاں بمع کاشف اور ندیم یوں ہی بیٹھے رہ گئے جیسے وہ ان کا سب کچھ لوٹ کر لے گیا ہو۔

روشن صبح

رفاقت جاوید

پرکھنا مت، پرکھنے سے کوئی اپنا نہیں رہتا
کسی بھی آئینے میں دیر تک چہرہ نہیں رہتا
بڑے لوگوں سے ملنے میں ہمیشہ فاصلہ رکھنا
جہاں دریا سمندر سے ملا، دریا نہیں رہتا

"ابو مجھے لگتا ہے کہ میں آپ کا یہ خواب پورا نہیں کرسکوں گا۔" عاقب نے نظریں جھکائے ملتجانہ نظروں سے ماں کی طرف دیکھ کر کہا۔

"عاقب یوں روز روز کے بہانوں سے باز آجاؤ۔ مسئلہ حل ہوجائے گا۔ میں جب بھی ایڈمیشن کی بات کرتا ہوں، تم ایسی ہی ناامیدی کا اظہار کرتے ہو، مجھے وجہ تو بتاؤ یار کہ تم یونیورسٹی جوائن کرتے ہوئے کیوں گھبرا رہے ہو؟" الیاس نے حیرت و تاسف سے پوچھا۔

"یونی نہ ہوئی کوئی آسیب ہوگیا' جو تمہارے پسینے چھوٹ جاتے ہیں اس کا نام سنتے ہی۔"

"ابو آپ خفا تو نہیں ہوں گے، اگر اصل وجہ بتادوں۔" اس نے پانی سے اپنا حلق تر کیا اور...... اضطراری کیفیت میں اپنے دونوں ہاتھ ایک دوسرے سے رگڑنے لگا۔

"بھئی خفا کیونکر ہوں گا' اپنا مدعا بیان کرو' زندگی میں شارٹ کٹ پر بھروسہ رکھنے والے لوگ ہمیشہ ناکام رہتے ہیں...... یہ بات ذہن نشین کرلو ہمیشہ فائدے میں رہو گے۔" باپ نے نرمی سے سمجھانے کی کوشش کی۔

"ابو یونیورسٹی کی تعلیم بہت مشکل ہے' میرے بس کا روگ نہیں امی آپ ہی ابو کو سمجھائیں۔" یہ سن کر باپ کو یکبارگی حیرت ہوئی۔

"کیوں عاقب ایسی کیا مشکل ہوگئی ہے کہ تم اپنے باپ کا وہ خواب جو میں اپنے لیے دیکھا کرتا تھا اس سے دستبردار ہو رہے ہو، تمہیں تو اسے ہر حال میں پورا کرنا چاہیے اس کی خوش آئند تعبیر میں تم میں دیکھ رہا ہوں۔"

"الیاس، بیٹے کی بات سن لو' اسے دباؤ میں مت رکھو ورنہ کسی کام کا نہیں رہے گا میرا بچہ...... ویسے بھی اس کی صحت اس تعلیم کی اجازت نہیں دیتی۔" ماں نے سمجھانے کی کوشش کی۔

"اس کی صحت کو کیا ہوا ہے، ہٹا کٹا تو ہے' ویسے بھی یہ تو ہو ہی نہیں سکتا، دو سال اس نے ٹیوشن پڑھی ہے۔ نمبر بھی اچھے لیے ہیں۔ مجھے امید ہے کہ اسے میرٹ پر داخلہ مل سکتا ہے۔ نہ بھی ملا تو میں خود یونیورسٹی میں جاب کر رہا ہوں، وائس چانسلر سے ریکویسٹ کرکے اسے سیٹل کرالوں گا۔ تم اس کی فکر مت کرو بیٹا۔ ٹیسٹ کی تیاری کرو۔ اللہ خیر کرے گا۔" الیاس کے لہجے میں پُر امیدی تھی۔

"ابو آپ میرے لیے کچھ نہیں کرسکیں گے کیونکہ آپ نہ تو لیکچرر ہیں نہ ہی پروفیسر۔ مت بھولیں کہ آپ کلرک اور پی اے بھی نہیں ہیں۔ آپ کا کام ہے ایک آفس سے دوسرے آفس تک فائلیں پہنچانا۔ آپ کی کون سنے گا؟" بیٹے نے ذرا سا جھجک کر کہا۔

"کچھ نہ کچھ ہو ہی جائے گا۔ یہ بات ذہن نشین کرلو کہ تم نے ہر قیمت پر انجینئر ہی بننا ہے۔ مجھ سے نصیحت پکڑو کہ اگر بی اے اعلیٰ تعلیم سمجھی جاتی تو میں یوں دفتروں میں ہر ایک کی خوشامد نہ کر رہا ہوتا۔ پھر اپنی کزن یسریٰ کی طرف دیکھو میڈیکل کالج میں اس کا داخلہ میرٹ پر ہوگیا ہے۔ اگر تم اس کے مقابلے پر نہ رہے تو سمجھو کہ وہ رشتہ بھی ہاتھ سے گیا۔ ایسی سمجھدار بچی ہمیں ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملے گی اور پھر وہ تمہاری بچپن کی منگیتر بھی ہے۔" یہ دلیل ایسی کارگر ثابت ہوئی کہ عاقب کی قیل و قال یکلخت رک گئی اور اس نے باپ کے سامنے اثبات میں گردن کو ہلکی سی جنبش دی۔ الیاس نے آگے بڑھ کر اسے سینے سے لگالیا۔ "بیٹا انجینئر اور بہو ڈاکٹر...... واہ میرے رب۔ ایسا ہی حسین سپنا تو میں نے دیکھا تھا۔"

"ابو ویسے میں اردو میں ماسٹرز کرکے پی ایچ ڈی بھی تو کرسکتا ہوں۔ ڈاکٹر ہی کہلاؤں گا۔ کیا یہ بہتر نہیں؟ کیونکہ میری انگلش بہت ہی کمزور ہے۔ ہمیشہ تینتیس نمبر سے پاس ہوتا آیا ہوں۔ اس کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟" وہ متذبذب لہجے میں بولا۔

"بالکل فضول اور گھٹیا سوچ ہے تمہاری...... میں نے آج تک اردو پر عبور رکھنے والوں کو کسی اچھے اور اونچے عہدے پر نہیں دیکھا۔ مجھے ہی دیکھ لو۔ اردو میں کہانیاں لکھوالو، شاعری کرالو لیکن کس کام کی کہ باعزت نوکری

بھی نہ مل سکی۔ اگر زندگی میں کچھ بننا چاہتے ہو تو انگلش کو اوڑھنا بچھونا، کھانا پینا سمجھ کر استعمال کرو۔" وہ نخوت سے بولے۔

"ابو اگر اسلامیات میں ڈگریاں حاصل کرلوں تو پھر......" وہ دھیمے لہجے میں بولا۔

"عربی میں رٹا کہاں تک لگاؤ گے؟ قرآن کا تلفظ تو درست کرنہ سکے، چلے ہیں جناب ماسٹرز اور پی ایچ ڈی کرنے۔ میں نے فیصلہ خوب سوچ بچار کے بعد کیا ہے۔ اس لیے ناتجربہ کار ہونے کی وجہ سے تمہیں انکار کی گنجائش نہیں دے سکتا۔" وہ قدرے خفگی سے بولے۔

"ایک ہی تو میری اولاد ہو تم...... میری تمام دیرینہ امیدیں تم سے ہی وابستہ ہیں۔"

"ٹھیک ہے ابو میں پوری کوشش کروں گا۔ مجھے ڈر ہے کہ کہیں آپ کا پیسہ ہی ضائع نہ ہوجائے کیونکہ میں اپنی لیاقت اور ذہانت سے بخوبی واقف ہوں۔ میں خوش فہمی میں رہ کر آپ کو جھوٹی تسلی وتشفی دینا نہیں چاہتا۔" وہ حقیقت پسندانہ انداز میں بولا۔

"بیٹا ہم پیچھے سے کون ہیں، جانتے ہوناں ہم پشت در پشت چند ایکٹر کے چھوٹے زمیندار ہی رہے۔ ہمت کرکے میری جنریشن کے چند لڑکوں نے بی اے کیا اور شہروں کی جانب نکل آئے۔ اب تمہاری جنریشن کے بچوں نے ہمیں دس قدم آگے بڑھ کر دکھانا ہے۔ اسے مقصد حیات بنالو۔ اتنا سا میرا موقف ہے۔ سمجھ گئے تو تم رہے کامیاب، نہ سمجھے تو واپس گاؤں ہی سدھار جاؤ گے اور زمیندار کے منشی بننے کے علاوہ اور کیا بن سکتے ہو؟ ٹریکٹر ڈرائیور، ٹیوب ویل کے انجن فیٹر، یا مضارع...... سال بھر کی گندم کے عوض۔" وہ سنجیدگی سے بولے۔

"عاقب تمہارے ابو ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ اب تم ہی عقل سے فیصلہ کرو کہ کیا بننا چاہتے ہو؟" اماں نے اس کی پشت پر ہاتھ پھیرتے ہوئے نرمی سے کہا۔ جبکہ اس کے اندر کی کشیدگی میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔

"ٹھیک ہے امی میں وہی بنوں گا جیسا ابو چاہیں گے۔ پڑھ لکھ کر گاؤں ہی واپس جانا ہوتا تو ابو شہر میں ہرگز آنے کا تصور بھی نہ کرپاتے۔ اب گاؤں ہمارے لیے پردیس ہوگیا ہے اور وہاں کی زندگی بھی بہت مختلف سی لگتی ہے۔"

"ہاں پتر ہم واپس جانے کے لیے شہر نہیں آئے تھے۔ تم ہی اپنے خاندان کے لیے بہترین مثال قائم کرسکتے ہو اور اپنی آپا کی قربانی کی کچھ تو لاج رکھ لو بیٹا۔" لہجہ صلح جو ہوا تھا۔

بالخصوص عاقب تو کوئی جواب نہ دے سکا اور ماں تو ہر معاملے میں اپنے شوہر کی مشترکہ زندگی کی باوفا ساتھی تھی۔ ہمیشہ ردعمل میں دھیمی ہی رہا کرتی تھی۔

"پتر جونہی تمہارا داخلہ یونیورسٹی میں ہوگیا۔ یسریٰ سے تمہارا نکاح کردوں گی، میرا بھائی کبھی انکار نہیں کرے گا۔ اس کا مجھے پورا یقین ہے۔" ماں خوشگوار لہجے میں بولی۔ یہ سنتے ہی عاقب کا دل بلیوں اچھلا۔ وہ شرماتا ہوا وہاں سے اٹھ کر باہر نکل گیا۔

"اسے نکاح کا چکمہ مت دو صغرا۔ بچوں کے خیالات بٹ جاتے ہیں۔ ابھی تو دونوں زیر تعلیم ہیں۔" الیاس نے سرگوشی کے انداز میں کہا۔

"الیاس اس کی ضد کو تمہارے علاوہ اور کوئی توڑ نہیں سکتا۔ اسے سبز باغ کی سیر نہ کرائی تو یہ ہرگز آپ کا خواب پورا نہیں کرپائے گا۔ تم ایک بار پھر خوب سوچ وبچار کرو۔ ایسا نہ ہو کہ پیسہ ہی ضائع کربیٹھیں۔ ہمارے ایسے وسائل کہاں؟ ورنہ ثروت کو الیکٹریکل انجینئر بنا کر سکھ کا سانس لیتی۔"

"تم فکر مت کرو۔ جونہی زمین کا ٹھیکہ آیا...... اسے یونیورسٹی بھیج دوں گا۔ صغرا یونیورسٹی کی تعلیم بہت مہنگی ہوگئی ہے۔ میرے جیسا باپ تو اس کا تصور بھی نہیں کرسکتا۔ کس مشکل سے عاقب کی داخلہ فیس جمع کی ہے۔ گھریلو اخراجات تو کسی انتباہ کے بغیر ہی بڑھ جاتے ہیں۔ اس کا سدباب نہ ہوسکا۔" وہ آزردگی سے بولے تو صغرا نے ان کا ہاتھ پکڑ کر تسلی دی۔

بہار کا موسم عروج پر تھا۔ یونیورسٹی کی لش گرین لائنز اور موسمی پھولوں سے مزین کیاریاں عجیب سماں پیش کررہی تھیں۔ آنکھ مچولی کھیلتی ہوئی تتلیاں اور بھنورے اپنی ہی مستیوں اور رعنائیوں میں محو گردش تھے۔ عاقب اپنے کلاس فیلوز کے ساتھ گھاس پر آلتی پالتی مارے ان کی شرارتیں، لطیفے اور اسکینڈلز سے لبریز باتیں سن رہا تھا۔ اپنے اسکول اور کالج سے بالکل مختلف، ماحول میں وہ ایڈجسٹ ہونے کی ہر ممکن کوشش کرتا لیکن ابھی تک خاطر خواہ نتیجہ نہ نکلا تھا۔ بڑے لوگوں کی بڑی باتیں کہہ کر وہ غصہ سے کھولنے لگتا تھا کہ انہیں سرخاب کا پر لگا ہے یا یہ کسی رئیس کی اولاد ہیں یا ان کی لاٹری نکل آئی ہے کہ بدتمیز، بے لحاظ، منہ پھٹ اور بے باک ہونے کے باوجود باعزت گردانے جاتے ہیں۔ اسی گومگو کی کیفیت میں پہلا سمیسٹر روتے پیٹتے اور چیٹنگ کرتے گزر گیا۔ دوسرے سمیسٹر میں فیل ہوتے ہوتے بچا اور آخر تیسرے سمیسٹر میں یونیورسٹی سے فارغ کردیا گیا اور جو خواب والد نے دیکھے تھے ان پر اوس پڑ گئی۔ عاقب کا حوصلہ اور ہمت ایسی آشفتہ ہوئی کہ وہ پہلے تو ایک ہی کمرے میں خود ساختہ قیدی بن کر دن کاٹنے لگا۔ جب ذرا سی ہمت کو یکجا کرنے میں کامیاب ہوا تو ماموں کے گھر چل دیا۔ جہاں اس کے سپنوں کی شہزادی یسریٰ رہتی تھی۔ جس سے سامنا کرنا اپنے لیے شرمندگی ہی لگ رہا تھا۔ لیکن اس دلِ نادان کو کیا سمجھاتا۔ وہ پریشان حال دیر تک سر جھکائے بیٹھا رہا۔ آج مامی نے نہ تو چائے کا پوچھا نہ ہی یسریٰ کو آواز دی بلکہ انہوں نے نصیحتوں اور فضیحتوں کے گوشوارے ہی کھول دیئے اور اس کی ماں کی ماضی میں سرزد ہونے والی غلطیوں کو بھی شکایتوں اور گلے شکوے کی صورت میں اس کے سامنے ادھیڑ کر رکھ دیا تھا اور پھر ماحول میں ایک جامد خاموشی چھا گئی۔ موت جیسی پراسراریت اور بے بسی ولاچارگی کی اس فضا میں وہ گھٹن محسوس کرنے لگا تھا۔ اس کم عمری میں ایسا تجربہ جو اسے ایک اہم درس سکھا گیا۔ آہوں کو اپنے اندر دباتے ہوئے وہ وہاں سے خاموشی سادھے اٹھا اور ڈیوڑھی میں نکل آیا۔ لیکن اس کے باوجود اسے پُرامید نگاہوں سے مڑ کر دیکھا کہ شاید یسریٰ اس کے پیچھے چلی آئے یا مامی ہی آگے بڑھ کر اس کا رستہ روک لیں۔" لیکن یہ تو اس کی خوش فہمی نکلی۔

رستے بھر اپنے آنسوؤں پر ضبط کرتے ہوئے وہ آنے والے وقت کے صحیح استعمال کے پروگرام بناتا ہوا گھر پہنچا تو والدین اور بہن نے بھی اس کی طرف دیکھنا گوارہ نہ کیا۔ جو بہن اس کے سامنے ٹرے میں کھانا سجا کر پیش کرتی تھی۔ اسے اس نے بیزاری سے گھورا اور زہر آلود لہجے میں بولی۔

"نکمے اور نکھٹو بھیا اٹھو اور کھانا کھالو۔ باپ کی محنت و مشقت کی کمائی خوب دھول اڑاؤ۔" اس کی تنبیہ میں سچائی تھی کہ مسئلہ ماؤنٹ ایورسٹ کی طرح ناقابل تسخیر صورت اختیار کرچکا تھا۔

"میں تمہارا منہ توڑ دوں گا، زبان گدی سے کھینچ لوں گا۔" اور وہ ایک دم سے اشتعال انگیزی میں اسے تھپڑ لگانے کے لئے کھڑا ہوا ہی تھا کہ ماں دونوں کے درمیان آگئی۔

"کم بخت کچھ عقل کر بھائی چھوٹا بھی مدبر اور معتبر ہوتا ہے خبردار جو تم نے اس سے منہ ماری کی۔" ثروت کو یک دم ایسے محسوس ہوا جیسے اس کے بدن پر ماں بیٹا تازیانے برسا کر اسے ہلاک کرنے لگے ہیں۔

"امی کیا یہ بے انصافی نہیں کہ میں نے ہمیشہ ہر کلاس میں ٹاپ کیا' ایف ایس سی کا رزلٹ آپ کے سامنے ہے لیکن مجھے آگے پڑھنے سے صرف اس لیے روک دیا گیا کیونکہ میں لڑکی ذات ہوں۔ کسی دوسرے کے گھر کی مشعل بن جاؤں گی اور بیٹا جو آپ کی نسل کو آگے بڑھانے کا سبب بنے گا، چاہے وہ نالائق اور گستاخ ہی کیوں نہ ہو؟ آپ نے اسے فوقیت دی۔" وہ ناگواری سے بولی۔ "مجھے ایک بار یونیورسٹی جانے تو دیا ہوتا۔ ایک سمیسٹر کے بعد اسکالر شپ سے ہی تعلیم مکمل کرلیتی۔"

"خاموش، خبردار، جواب تم نے ایک لفظ بھی کہا۔ ہم بہتر سمجھتے ہیں کہ ہمیں کیا کرنا چاہیے؟ اب کل کے بچے ہمیں سبق پڑھائیں گے۔" ماں نے آنکھیں نکالتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے امی! بے انصافی اور زیادتی کا رزلٹ آپ کے سامنے تو آ ہی چکا ہے ناں اگر اب بھی آپ نے کچھ نہ سیکھا تو میرے بھیا کی زندگی اور مستقبل تباہ کرنے میں آپ کا ہی ہاتھ ہوگا۔" لہجہ رنجور تھا۔

یک دم کمرے میں خاموشی چھا گئی۔ ثروت کے تعلقات پچھلے دو سال سے والدین کے ساتھ ناخوشگوار ہی چلے آرہے تھے۔ لیکن اس نے اپنے چھوٹے بھائی کو کبھی موردِ الزام بھی نہ ٹھہرایا تھا۔ وہ اپنی طرف سے اس کی شخصیت کو انتہائی حد تک سنوارنے کا پورا پورا موقع دینا چاہتی تھی لیکن اس کی ناکامی نے تو اس کے حوصلوں کو پست کردیا تھا۔ اپنا ایثار اور وفا، بھائی سے والہانہ محبت رائیگاں ہوتی ہوئی محسوس ہوئی تھی۔ جو وہ استحقاق سے بول رہی تھی۔ توقف کے بعد عاقب نے بہن کی طرف ہمدردانہ نظروں سے دیکھا اور اس کے سامنے ہاتھ جوڑ کر کھڑا ہوگیا۔

"آپا میں پرائیویٹ امتحان دے سکتا ہوں کیونکہ تم میں انجینئر بننے کی قابلیت موجود ہے جو مجھ میں نہیں۔ مجھے اپنی کمزوری کا ادراک ہے اسی لیے بار بار انکار کرتا رہا لیکن نہ ابو مانے نہ امی، میرا قصور بتاؤ آپا۔" یہ بات سن کر ماں کے دماغ میں ہلچل مچی۔

"ایسے مت سوچو تم اپنی آپا سے دس گنا زیادہ ذہین ہو مگر محنتی نہیں ہو۔ ثروت تو کتابی کیڑا ہے اس کے علاوہ اور کچھ نہیں، ثروت میں غلط نہیں کہہ رہی، حقیقت میں ایسا ہی ہے کہ میرا بیٹا تو باکمال بھی ہے اور بے مثال بھی۔" یہ بات سنتے ہی ثروت کے ذہن میں جھماکا سا ہوا اور ایک نئی سوچ ذہن میں کوندی۔

"امی بالکل ایسا ہی ہے۔ میں بھی مانتی ہوں لیکن ایک بات ہے سوچنے اور سمجھنے کی ہے، آپ ذرا ہمہ تن گوش ہوجائیے اور عاقب تم یہاں سے دس منٹ کے لیے غائب ہوجاؤ۔ آج ایسا فیصلہ ہوگا جو چیلنج نہیں ہوگا۔ نہ ہی کوئی جان لیوا دھمکی ہوگی۔" وہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولی تو وہ خالی الذہنی کیفیت میں وہاں سے باہر نکل گیا۔

"امی...... میری بات پر غور وخوض کرنے سے پہلے آپ ایک لفظ نہیں بولیں گی، اگر یہ شرط منظور ہے تو پھر اپنی بات شروع کروں۔" وہ نرمی سے ماں کا ہاتھ پکڑ کر بولی۔ "ورنہ مسئلہ جوں کا توں قائم و دائم رہے گا اور دو زندگیاں تباہ و برباد ہوجائیں گی۔"

"ہاں بولو! ایک تو اولاد ذرا سا سر نکالتی ہے تو والدین کو بے وقوف اور خود کو عقلِ کل سمجھنے لگتی ہے۔" وہ کٹیلے لہجے میں بولی۔

"امی پلیز...... چھوڑیں ایسی باتوں کو کام کی بات کرتے ہیں، جس سے مسئلہ حل ہوسکے۔ طعنوں وتشنوں کا وقت گزر گیا ہے ابو کی قلیل تنخواہ میں بہت کچھ ہوسکتا ہے۔"

"اماں جی فرمائیں۔" ماں کے لہجے میں بلا کا طنز تھا، ثروت ہنسنے لگی۔

"امی آپ عاقب کو اردو سے دور رکھ کر بہت گھاٹے میں رہیں گی اردو اس کا بے حد اسٹرانگ مضمون ہے۔ جیسے میرا انگریزی، اب آپ مجھے کہتی ہیں کہ اردو میں تعلیم جاری رکھو۔ وہ تو ناممکن ہے۔ جیسے انگریزی میں تعلیم جاری رکھنا عاقب کے لیے ناممکن، وہ ہمیشہ سے ہی کہتا رہا ہے کہ میں ایم ایس کے بعد پی ایچ ڈی بھی اردو میں ہی کروں گا اگر یسریٰ ڈاکٹر کہلائے گی تو میں بھی اس کے برابر ہی ہوں گا۔ انجینئرنگ میرے بس کا روگ نہیں کیونکہ اس کا حساب بھی کمزور اور انگریزی بھی بے حد گئی گزری ہے۔ آپ سے گزارش ہے کہ اس کے سچ بولنے کی تعریف کریں اور اسے اس کے حال پر چھوڑ کر دیکھیں۔ شرط یہ ہے کہ وہ زندگی میں ایک کامیاب انسان ثابت ہوگا۔ مجھے اس پر بھرپور اعتماد ہے امی! میرا مشورہ مان لینا چاہیے۔"

"بیٹا میں تو مان جاؤں لیکن تمہارے ابو کو سمجھانا ہرگز آسان کام نہیں، جاؤ ان سے مغز ماری کر دیکھو مجھے تو اپنے بچے کی خوشی کے ساتھ اس کا شاندار مستقبل بھی چاہیے تمہارا مشورہ میرے دل کو ٹھک گیا ہے۔ وہ بیچارا تو الیاس کے ہاتھوں کھلونا بن گیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ بیچارا میرا بچہ تین مہینوں میں اکھڑا سا گیا ہے۔ میرے بھائی نے بھی چپ سادھ رکھی ہے۔ میں سب جانتی ہوں کہ اب عاقب اسے اپنی بیٹی کے لائق نہیں لگ رہا۔ منگنی چاہے اپنوں میں ہو یا غیروں میں اس کا ٹوٹنا کون سا مشکل ہے۔ کانچ کی طرح ہلکے سے جھٹکے سے کرچی کرچی ہوجائے۔ اس کچے رشتے کی نہ وقعت ہے نہ کوئی اہمیت۔ میں بھائی کو رام نہیں کرسکوں گی۔" وہ سرد آہ بھر کر بولی۔ "تیرے ابو کی ضد اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے آج عاقب کو ناکامی کا سامنا کرنا پڑا اور پہلی ناکامی نجانے کتنی ہی ناکامیوں کو جنم دے ڈالے۔ اللہ نہ کرے کہ ایسا ہو۔ عجیب الجھنوں میں پھنس گئی ہوں۔ تم ہی مجھے اس عذاب سے نکال سکتی ہو۔"

"ابو کو میں منالوں گی۔ امی مجھے یونیورسٹی بھیج دیں۔ میں اس وقت تک شادی نہیں کروں گی، جب تک ایک ایک پائی آپ کو واپس نہیں لوٹاؤں گی۔ میرا آپ سے وعدہ ہے۔ میں جانتی ہوں کہ ابو بمشکل ایک بچے کو ہی اچھی تعلیم دلوا سکتے ہیں لیکن اس میں تفریق نہیں ہونی چاہیے۔ بیٹی ہو یا بیٹا دونوں آپ کی اولاد ہیں اور اگر ایک کے ساتھ انصاف نہ ہو تو ظلم و زیادتی کا ذہن مفلوج ہوجاتا ہے۔"

"اب چھوڑ بھی دو ان باتوں کو عاقب لڑکا ہے گھر اس سے چلے گا۔ نسل کی پرداخت اس سے ہوگی، لڑکی نالائق نکل آئے تو اتنا فرق نہیں پڑتا۔ آخر کار اس نے چولھا چوکی ہی سنبھالنی ہے۔ بچے پروان چڑھانے ہیں اور نہ ہی اس پر گھر کے خرچ کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ اس لیے تو ہمارے جیسے مڈل کلاس والدین اپنی تمام تر پونجی بیٹے پر خرچ کرنے کے لیے تیار ہوجاتے ہیں۔ چاہے وہ ڈوب ہی کیوں نہ جائے؟ تجربہ کرنے سے باز نہیں آتے۔ تم یہ مت سمجھو کہ ہمیں تمہاری تعلیم بے کار معلوم ہوتی ہے، مجبوری کو سمجھو۔" وہ نادم اور اضطراری کیفیت میں بولیں۔

"امی آپ کو دکھی کرنا میرا مقصد نہیں ہے۔ ہمیں مسئلہ حل کرنا ہے۔ امی آپ عاقب کا معاملہ مجھ پر چھوڑ دیں۔" وہ تسلی و تشفی دیتے ہوئے بولی۔ "آپ دیکھیے گا، آپ کا بھائی جن قدموں سے واپس پلٹا ہے، انہی قدموں سے چل کر آپ کے پاس آئے گا۔"

"بیٹا دنیا کے تو نجانے کتنے ہی رنگ ہیں، ہر موڑ پر ایک نیا رنگ دیکھنے کو ملتا ہے، کاش ایسا معجزہ ہوجائے ورنہ جینا مرنا ختم ہوجائے گا اگر یہ رشتہ ٹوٹ گیا اور جگ ہنسائی الگ ہمیں جینے نہیں دے گی، ذرا سوچو کہ اپنے ماں جائے کے بغیر بھی کوئی زندگی ہے۔" وہ کہتے ہوئے لرزنے لگیں اور دہشت زدہ سی ہو کر اس کی طرف دیکھا۔ "کچھ سوچو اور تم ہی بھائی کو سمجھاؤ۔ اسی میں ہماری عافیت ہے۔" ثروت نے ماں کو اپنے دونوں بازوؤں کے حصار میں جکڑ لیا۔

"فی الحال ابو کو کچھ بھی بتانے کی ضرورت نہیں۔ وہ رنگ میں بھنگ ڈالنے سے باز نہیں آئیں گے۔"

☆......☆......☆

وقت اپنی رفتار سے گزرنے لگا۔ ثروت دو سمیسٹر کے بعد اسکالرشپ حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئی اور عاقب کاکول آرمی ٹریننگ کے آخری مراحل طے کرنے کی تگ و دو میں خوب ہشاش بشاش اور خوش وخرم تھا۔ جونہی وہ کیپٹن کے عہدے پر فائز ہوا اور اس کی پوسٹنگ سیالکوٹ ہوگئی تو ماموں کا ماتھا ٹھنکا اور مامی نے جھٹ سے یسریٰ کو مبارک باد کا فون کرنے کا حکم صادر کردیا۔ عاقب اس تبدیلی پر سیخ پا ہوا تو ماں نے نہایت مدبرانہ انداز میں بیٹے کو سمجھایا۔

"میرے بچے خوشیوں کے ڈھول بجاؤ کہ آج سورج کے سامنے ستاروں کی کوئی اہمیت نہیں رہی، دار مفارقت دینے والے زندہ ہوگئے۔ میں مانتی ہوں کہ انہوں نے

خودغرضی اور مفاد پرستی میں ہمارے دلوں کو گھائل کیا لیکن اب وہی اس پر مرہم رکھنا چاہتے ہیں۔ تو ہمیں اپنا دل فراخ رکھنا چاہیے۔ انہوں نے ہمارا دل دکھایا ہے لیکن ہم بدلہ کیونکر لیں، غصہ اور انتقام تو آگ ہے، جس میں رشتے جل کر راکھ ہوجاتے ہیں۔ میں نے بھائی کو آج رات کے کھانے پر مدعو کیا ہے۔ اسی پارینہ طریقے سے ان کی خاطر و مدارت اور عزت افزائی ہوگی۔ خبردار جو کسی نے انہیں شرمندہ کرنے کی کوشش کی۔ صبح کا بھولا شام کو گھر لوٹ آئے تو اسے بھولا نہیں کہتے۔'' بہن بھائی نے ایک دوسرے کو آنکھ ماری۔ مصلحتاً خاموش ہی رہے۔ کھانے کے دوران عاقب، ماموں کو ایسی نگاہوں سے گھور رہا تھا، جیسے وہ اسے تو کچا چبا جائے گا اور ماموں کی طرف پیٹھ کیے بیٹھا خفگی کی مہر پیشانی پر چسپاں کیے یسریٰ کی طرف سے بھی بے نیاز تھا۔ اس کے باوجود محفل سرگرم رہی۔ ان کے رخصت ہونے کے بعد عاقب نے ہذیانی انداز میں کہا۔

''امی آپ جانتی ہیں کہ مجھے یسریٰ ہمیشہ سے ہی پسند تھی لیکن اس کی خودغرضانہ سوچ نے مجھے اتنے سال بہت مضطرب رکھا۔ میں جب بھی اس سے بات کرنے کی کوشش کرتا تھا تو وہ ایک ہی بات کرکے فون بند کردیا کرتی تھی۔ عاقب پہلے کچھ بن کر دکھاؤ۔ پھر بات کروں گی۔ اس کے بعد میں نے اس سے رابطہ توڑ دیا۔ اپنے دل کے نہاں خانوں سے اسے بے دردی سے نکال دیا اور کیا مجال کہ اس نے مجھے منانے کی ذرا سی کوشش بھی کی ہو۔ امی لوگوں کے بے شمار چہروں کو میں نہیں سمجھ پایا۔''

''بیٹا...... یہ تو سوچو کہ وہ بیٹی والے ہیں۔ بے شک ہمارے اپنے ہیں لیکن تم انہیں بیٹی سے بڑھ کر عزیز نہیں ہوسکتے۔ والدین اپنی اولاد کی بہتری سوچتے ہیں اور اچھا فیصلہ کرنے کے سزاوار ہوتے ہیں۔ اس میں برا منانے کی قطعاً ضرورت نہیں۔ ذرا غور کرو کہ ہم ان کے پاس چل کر نہیں گئے۔ وہ خود چل کر آئے ہیں تو ہمیں بھی انہیں معاف کردینا چاہیے۔'' وہ بیٹے کو بوسہ دے کر بولیں۔

''امی اگر میں آپ سے یہ کہوں کہ مجھے یسریٰ سے زیادہ حسین و جمیل اور امیر کبیر خاندان کی اکلوتی لڑکی سے پیار ہوگیا ہے اور ہم نے ایک دوسرے کو جیون بھر کے لیے منتخب کرلیا ہے۔ تو آپ کیا فرمائیں گی؟'' وہ خود اعتمادی سے بولا۔

''ایسا ظلم مت کرنا بیٹا' تمہاری ماں کا میکہ اور سارا خاندان چھوٹ جائے گا۔'' وہ کانپتے لہجے میں اپنے خدشات بیان کرگئیں۔

''امی جب انہوں نے ایک طویل خاموشی اختیار کیے رکھی تو اس وقت آپ کا میکہ خاندان کہاں تھا؟ تماش بین کا کردار ادا کر رہا تھا ناں، کسی نے انہیں سمجھانے اور جوڑنے کی کوشش کیوں نہیں کی؟ امی آپ ان سب کی ذہنیت اور اصلیت جاننے کے باوجود انہیں پارسا سمجھ رہی ہیں۔'' وہ تنک کر بولا۔

''ان کی بیٹی آدھی تو ڈاکٹر بن ہی گئی ہے۔ اسے کوئی ڈاکٹر مل ہی جائے گا۔ اس کی فکر مت کریں۔''

''اف تم دونوں کو شیطان نے چھولیا ہے۔ ثروت بھی ہتھے سے اکھڑ چکی ہے۔ ایسا دماغ خراب ہوا ہے کہ نواب زادی اپنوں میں شادی کرنا ہی نہیں چاہتی۔ تمہاری خالہ کی جوتیاں گھس گئیں لیکن محترمہ نے حامی نہ بھری۔ اب تم اپنی ضد پر ڈٹ گئے ہو۔'' وہ روہانسی ہوئی۔ ''اف کس آزمائش میں پھنس گئی ہوں۔''

''امی آپا کو بھی اپنی زندگی اور پسندیدگی پر پورا اختیار ہے۔ آپ انہیں الٹی سیدھی باتیں کہنا اور لعن طعن کرنا چھوڑ دیں۔ وہ ایک ذہین و فطین لڑکی ہے۔ اپنے لیے جو بھی فیصلہ کرے گی بہترین ثابت ہوگا۔'' وہ سنجیدگی سے بولا تو ماں پھر سے اچھلی۔

''اچھا تو نوبت یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ اس کا مطلب یہ ہوا کہ تم دونوں نے ہمارا منہ کالا کرنے کا تہیہ کرلیا ہے خاندان بھر کے سامنے لیکن میں ایسا نہیں ہونے دوں گی...... کان کھول کر سن لو عاقب۔ کیپٹن ہوگے فوج کے، یہاں میرے بیٹے ہو کان سے پکڑ کر نکاح نہ پڑھوایا تو میں تمہاری ماں کہلانے کے قابل ہی نہ

ہوں گی۔ اپنی بہن کو بھی سمجھا دو دونوں کے لیے یہی بہتر ہوگا۔''

''امی آپ گاؤں سے شہر تو آگئیں مگر آپ پر بیس سالوں کا رتی بھر اثر نہیں ہوا۔ حیف ہے کہ آپ کے خیالات نہ بدلے۔ ابو میری بات کو اہمیت دینے لگے ہیں، یہی بہتر ہوگا کہ میں ان سے ہی اس مسئلے کا حل مداخلت کروں۔ آپ سے تو بات کرنا ہی فضول ہے۔'' عاقب نے فوراً جواب دیا۔

''خبردار جو انہیں اپنی محبت کی داستان سنانے کی جرأت کی، تمہاری منگنی ہوچکی ہے۔ شادی بھی ہوکر رہے گی۔'' ماں سخت برہمی سے بولی۔ چہرے پر پریشانی کے آثار ہویدا دیکھ کر وہ ذرا سا مسکرایا۔

''ان شاء اللہ ضرور ہوکر رہے گی شادی میری اور آپا کی۔ میں نے اس سے انکار ہی کب کیا ہے۔'' وہ ہنستے ہوئے بولا۔ ''لیکن یسریٰ سے تو ہرگز نہیں ہوگی۔ مومنہ سے ہر صورت میں ہوکر رہے گی۔''

''یہ بھی دیکھ لیتے ہیں عاقب کہ جیت کس کی ہوگی؟ آخر تمہاری ماں ہوں۔ دراصل مسئلہ تمہاری سوچ کا ہے۔ ہمارا آدھے سے زیادہ خاندان شہر میں آباد ہوچکا ہے لیکن ہم نے اپنی روایات، رسم و رواج نہیں چھوڑے۔ آج بھی بچوں کے رشتے والدین ہی طے کرتے ہیں۔ بچوں سے مشورہ لینا تو درکنار، بچوں کو ہمارے ہر فیصلے پر سر جھکانا پڑتا ہے۔ اچھے برے کی تمیز والدین ہی کرسکتے ہیں۔ اولاد تو ناتجربہ کار ہوتی ہے۔'' انہوں نے اسے رام کرنے کی بھرپور کوشش کی۔

''امی وہ زمانہ دور بہت دور دھول میں کہیں کھو گیا ہے۔ اب نئے زمانے کی بات کریں۔ اگر آپ نے مجھے سرپرائز کیا تو میں گھر نہیں آؤں گا۔ یہ سوچ لیں۔'' یسریٰ کے ساتھ نئے سرے سے رشتہ جوڑنے سے پہلے وہ دھمکی دینے کے انداز میں بولا تو ماں ایک دم سے گھبرا گئی۔

''کیا سچ مچ تمہیں کسی لڑکی سے پیار ہوگیا ہے؟ مجھے یقین نہیں آرہا۔ تمہیں تو یسریٰ بہت پسند تھی۔''

آپ دنیا کے کسی بھی خطے میں مقیم ہوں
ماہنامہ نئے اُفق
ہم بروقت ہر ماہ آپ کی دہلیز پر فراہم کرینگے
ایک رسالے کے لیے 12 ماہ کا زرسالانہ
(بشمول رجسٹرڈ ڈاک خرچ)
پاکستان کے ہر کونے میں 600 روپے
امریکا' کینیڈا' آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ کے لیے
6000 روپے
میڈل ایسٹ' ایشیائی' افریقہ' یورپ کے لیے
5000 روپے
رقم ڈیمانڈ ڈرافٹ' منی آرڈر' منی گرام' ویسٹرن یونین کے ذریعے بھیجی جاسکتی ہیں۔
مقامی افراد
ایزی پیسہ اکاؤنٹ نمبر
0316-0128216
موبی کیش اکاؤنٹ نمبر
0300-8264242
رابطہ: طاہر احمد قریشی...... 0300-8264242
نئے اُفق گروپ آف پبلی کیشنز
کمرہ نمبر: 7 فرید چیمبرز عبداللہ ہارون روڈ کراچی۔
فون نمبرز: +922-35620771/2
aanchalpk.com
aanchalnovel.com
Info@aanchal@com.pk

"امی پسند تو آج بھی کرتا ہوں لیکن اس نے اپنا چھوٹا پن دکھا کر خود پر ہی ستم ڈھایا ہے۔ میرا کچھ نہیں بگڑا امی بلکہ میں ایک خودغرض، خود پسند اور نااہل لڑکی سے بچ گیا۔ ایسی لڑکیوں پر اعتماد کرنے والا مرد سراسر کند ذہن اور نادان ہوتا ہے۔ میں یہ القاب اپنے لیے مناسب نہیں سمجھتا۔ امی آگے آگے دیکھیے کہ ہوتا ہے کیا۔ ذرا صبر کیجیے اور تماشہ دیکھیے۔"

"کیا ہوجائے گا۔ آسمان گر جائے گا یا زمین پھٹ جائے گی۔ اگر تم نے اس سے شادی نہ کی۔ کروڑوں میں ایک ہے میری یسریٰ، تم خود کو طرم خان مت سمجھو۔" ماں نے طائرانہ نظر اس پر ڈالی۔

"امی...... اللہ تعالیٰ قرآن حکیم میں فرماتے ہیں کہ خبیث مرد کے لیے خبیث بیوی اور نیکوکار مرد کے لیے نیکوکار، یسریٰ کو اپنے ہی جیسا شوہر اسی دنیا میں مل کر رہے گا۔ یہ نکھٹو اور نکما اسے بہت یاد آئے گا۔ جو اس پر اپنی جان فدا کرنے سے باز نہیں آتا تھا۔ جب اسے عینکو اور حواس باختہ ڈاکٹر شوہر اپنی مرضی کے مطابق چلائے گا تو پھر اسے میں یاد آؤں گا لیکن وقت تو گزر چکا ہوگا ناں' کرتی رہے یاد اور بلکتی رہے۔" وہ متذبذب لہجے میں بولتا چلا گیا۔ ماں اس کی آنکھوں میں اسے تلاشنے لگی۔ اس کی آنکھوں سے اداسی اور خفگی ٹپک کر اس کے دلی جذبات کی غمازی کررہی تھی۔

☆......☆......☆

"عاقب خبردار جو مجھے سمجھانے کی کوشش کی' میں اپنا اچھا برا بخوبی جانتی ہوں۔ تم اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھو۔ جس کی منگنی ہوچکی ہے مگر وہ شادی سے مکر گیا۔ جس کی خالہ نے رشتہ مانگنے کے بعد ایسا منہ موڑا کہ جیسے ہمیں جانتی ہی نہیں۔ اس کی وجہ سمجھاؤں کہ تم جانتے ہو۔" وہ خفگی میں بولی۔

"آپا میں کچھ نہیں جانتا، ایسی گمبھیر اور بیہودہ خاندانی" وہ سوچنے کے بعد توقف سے بولا۔

ـہ ہی کے بعد گھر بیٹھنا پڑ گیا تھا اور ان کا بیٹا ڈاکٹر بن رہا تھا، کنگ ایڈورڈ یونیورسٹی سے خوشی قسمتی سے میں اس کے قابل نہ رہی تھی۔"

"اب شب و روز کے چکر کاٹنے کا مقصد تو میں جانتی ہوں۔ امی ہی بھولی اور معصوم بن چکی ہیں۔ نجانے امی دوسروں کے رویے اور سلوک کو یکسر کیسے بھول گئیں؟ مجھے تو ان کا بیٹا ایک آنکھ نہیں بھاتا۔ ایسی شادی سے بہتر ہے کنواری رہنا۔ کم از کم زندگی کا ہر لمحہ اپنا تو ہوگا ناں۔ میں وقت کی قید سے بہت گھبراتی ہوں۔ پابندی سے مجھے نفرت ہے۔ آزادانہ زندگی کی طلب گار ہوں۔" وہ بھنوئیں چڑھا کر بولی۔

"تم امی کو سمجھانے کی کوشش کرو شاید تمہاری ہی بات مان جائیں۔ یہ جو تم نے یونیفارم پہن رکھی ہے ناں اس کا بہت رعب داب ہے۔ بڑے بڑے سورما اس کے سامنے جھک جاتے ہیں۔ یہ تو امی ہیں محبت اور ممتا کی ماری ہوئی۔ گھائل اور زخمی، یہ خوب رہی کہ بیٹے کے لیے تو قربان ہوجائیں اور بیٹی کو سولی پر لٹکانے سے باز نہ آئیں۔ ذرا غور کرو کہ اب بھی بیٹے اور بیٹی میں تفریق کرنے پر تلی ہوئی ہیں۔"

"آپا وہ کیسے میں سمجھا نہیں۔" وہ انجان بنتے ہوئے بولا۔

"نادان وہ ایسے کہ انہوں نے تمہاری بات تو سن لی کہ تم کسی لڑکی سے پیار کرنے لگے ہو جبکہ میں ابھی تک اس بیماری سے کوسوں دور ہوں۔ اللہ دور ہی رکھے۔ محبت پابندی کا نام ہے۔ انسان کو اپنا مطیع بنا کر جکڑ لیتی ہے۔ امی میری حوصلہ افزائی کے بجائے اپنی بے جا خواہش کی وجہ سے باغی بنانے کی انتھک محنت و مشقت کررہی ہیں۔ انہیں سمجھاؤ کہ بعض اوقات محنت اکارت چلی جاتی ہے۔ جب اس کا اختیار دوسروں کے ہاتھ میں ہو۔"

"آپا...... اب ہم دونوں اول فول بکنا بند کرتے ہیں اور ڈھنگ کی بات کرتے ہیں۔ ہم ایک دوسرے کے راز داں ہیں ناں۔ میں نے تو مومنہ کو پسند کرلیا' اب تم بھی تو بتاؤ کہ چکر کیا ہے کہ اچھے بھلے انسان کو ٹھکرا رہی ہو۔"

"چپ کرو...... ہاں البتہ یہ کہہ سکتے ہو کہ ڈھنگ کی امیں ہمارے گھر سے رخصت ہوچکی ہیں......"

"آپا آئی ایم سیریس...... آپا کیا خیال ہے یسریٰ کے بارے میں ڈھنگ اور مطلب کی بات کرتے ہیں ناں۔"

"اس نے ہمارے ساتھ بہت غلط کیا' ایسی ہمسفر تو دو گام بھی ساتھ نہ چل سکے اور پھر مشکل وقت میں تو منہ کے بل گرا کر چلتی ہے۔ آگے تمہاری مرضی۔ میرا خیال ہے زندگی میں خوش آئند تبدیلی لانے کے لیے مومنہ بہترین رہے گی۔"

"لیکن آپا یہ جاننے کے باوجود بھی وہ ہوش و حواس پر سوار رہے تو پھر اس کا علاج تو لازم ہوجاتا ہے ناں' مومنہ تو ایک بناوٹی اور خیالی معشوقہ ہے۔ میں تو امی کو تنگ کررہا تھا۔"

"مطلب یہ ہوا کہ اتنے جوتے کھانے کے بعد بھی غیرت نے پلٹا نہ کھایا۔ نہ ہی جواں شوق نے دم توڑا۔" وہ چھیڑنے کے انداز میں بولی۔

"آپا محبت میں غیرت، انا اور خودداری کا کیا کام؟ یہ تو وہ جذبہ ہے، جب محبت کا بیج دل پر گرتا ہے تو پھر وہ وہاں سے جگہ نہیں بدل سکتا۔ وہاں کونپل نکلتی ہے اور پھر آناً فاناً سرسبز و شاداب سایہ دار درخت بن جاتا ہے۔ یسریٰ کو اس معمولی سی غلطی کی پاداش میں اتنی بڑی سزا دینا ناانصافی ہے۔ یہ بھی ممکنات میں سے ہے کہ مامی نے اسے مجبور کیا ہو کیونکہ مامی ہماری امی سے ہمیشہ ناراض ہی رہتی ہیں۔ یہ تو میں سمجھ گیا ہوں اور ہماری ماں کی عظمت اور بڑائی ملاحظہ فرماؤ کہ ان کے قریب آتے ہی ہم سب سے بیگانہ ہوگئیں۔ انہی کی مالا جپنے لگیں۔ میں نے جوں جوں انہیں تنگ کیا۔ وہ تیزی سے ان کے مزید قریب ہوتی چلی گئیں۔ میرا موقف ہی یہ تھا، جس میں کامیاب ہوگیا ہوں۔"

"آخر مامی اور امی شیر شکر ہو ہی گئیں۔ امید ہے یسریٰ نے بھی سبق سیکھ لیا ہوگا۔ پرسوں میں نے اسے دیکھا تو حیران و پریشان ہوگیا کہ ہر وقت بلبل کی مانند چہکنے والی یسریٰ کے لبوں پر جامد خاموشی، غرضیکہ انگ انگ سے اداسی، مایوسی، پچھتاوا اور خلش ٹپک رہی تھی۔ میرا دل پسیج گیا کیونکہ مجھے پورا یقین اور مکمل بھروسہ ہے اس پر کہ وہ مجھ سے بے تحاشہ محبت کرتی ہے۔ وضع داری اور لحاظ داری میں مامی کے روبرو قیل و قال کرنا، اسے مناسب نہیں لگا ہوگا اور خاموشی سے بھلے وقت کا انتظار کرنے لگی اور اچھا ہوا کہ اگر وہ مجھے یوں دھتکار نہ دیتی تو میں نے اپنی تمام زندگی آوارہ گردی کی سپرد کردی ہوتی۔"

"سچ کہہ رہے ہو یا مجھے بنا رہے ہو۔" وہ سنجیدگی سے بولی۔

"سو فیصدی سچ کہہ رہا ہوں، یقین کرو...... امی کو یہ مژدہ راحت سنائیے اور اس خوشی میں تم بھی امی کو ڈاکٹر سے شادی کرنے کا میرا فیصلہ گوش گزار کردو۔"

"میرے انکار کی بھی وجہ سنو گے تو میری عقل کی مدح سرائی میں زمین و آسمان کے قلابے ضرور ملاؤ گے۔ عاقب انہوں نے بھی تو اپنی اصلیت دکھا ہی دی تھی۔ میں اسی رویے کا سہارا لے رہی تھی کیونکہ وہ تو مجھ سے بے پناہ محبت کرتا ہے۔ والدین کے سامنے بھیگی بلی بننے کا انتقام لینا میرا بھی تو حق ہے ناں۔" یہ سنتے ہی دونوں نے ایک دوسرے کے ہاتھ پر ہاتھ مارا۔ ان کا زندگی اور شوخی سے بھرپور قہقہہ کمرے میں گونج اٹھا تھا۔

تیری زلف کے سر ہونے تک

اقراء صغیر احمد

پہلے شکوہ تھا یہاں رونق بازار نہیں
اب جو بازار کھلے ہیں تو خریدار نہیں
سب کے ہاتھوں میں یہاں زہر کا پیالہ ہے مگر
کوئی سچ بولنے کے واسطے تیار نہیں

گزشتہ قسط کا خلاصہ

نوفل اپنے سابقہ رویے پر شرمندگی محسوس کرتے انشراح سے اپنے رویے میں بدلاؤ لاتا ہے اور انشراح اسے آسان ہدف سمجھتے بدلہ لینے کی خاطر استعمال کرتی ہے جب کہ نوفل اس کے ارادوں سے بے خبر ہوتا ہے۔ لاریب جہاں آرا سے ملنے آتا ہے اور انشراح کے حصول کے لیے کوشش جاری رکھتا ہے ایسے میں جہاں آرا اپنی غربت کا احساس دلاتی، اس سے زقم بٹورنا چاہتی ہیں مگر وہ انہیں انشراح کو استعمال کرنے کا مشورہ دیتا ہے جس پر جہاں آرا سوچ میں پڑ جاتی ہیں۔ زید باپ کی خراب طبیعت کو لے کر بے حد مضطرب ہوتا ہے جب ہی وہ شاہ زیب کے آفس پہنچ کر مدثر کی بیماری کے متعلق تفصیلی معلومات حاصل کرتا ہے شاہ زیب بھائی کے اس بدلے رویے پر بے حد خوش ہوتا ہے۔ صوفیہ سودہ کی شادی میں صالحہ کو بلانے کا ارادہ ظاہر کرتی ہے اور انہیں بھابی کی حیثیت دلانے کا عزم کرلیتی ہے۔ عمرانہ یہ باتیں سن کر مشتعل ہوجاتی ہے اور دونوں کے درمیان خاصا جھگڑا ہوتا ہے۔ غصے میں عمرانہ مائدہ کو لے کر اپنی بہن کے گھر آجاتی ہے مگر وہاں بھی حالات سازگار نہیں ہوتے عروہ ان کی ذات کو نشانہ بناتی ہے کہ وہ جان بوجھ کر زید اور اس کے رشتے پر خاموش ہیں رضوانہ کو بھی بہن کا رویہ شکوک میں مبتلا کردیتا ہے جب ہی وہ عروہ کو سمجھانے کے بجائے اس کا ساتھ دیتی ہیں مائدہ اس قدر تحقیر پر اپنی ماں کو وہاں سے چلنے کا کہتی ہے۔ مدثر صاحب ڈاکٹرز کی ہدایات کو نظرانداز کرتے اوپن ہارٹ سرجری کے لیے آمادہ نہیں ہوتے ایسے میں زید کو خیال آتا ہے کہ صرف سودہ ہی وہ ہستی ہے جس کی بات مدثر صاحب کبھی نہیں ٹالیں گے، اسی لیے وہ سودہ کو اپنے ہمراہ مدثر صاحب کے گھر لاتا ہے۔ یوسف صاحب گناہوں کا بوجھ اٹھائے تھک جاتے ہیں، جب ہی بابا صاحب کے سامنے اپنے گناہوں کا اعتراف کرلیتے ہیں کہ جوانی میں انہیں نوین نامی لڑکی سے محبت ہوئی تھی اور یہ محبت کب گناہ میں بدلی انہیں اس کا ادراک ہی نہیں ہوا نوین نے اگرچہ انہیں اپنے وجود میں آنے والی تبدیلی کا احساس دلایا تھا مگر انہوں نے اس کی بات کو اپنے تکبر میں جھٹلا دیا تھا اب حقیقت ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے کھڑی تھی۔

اب آگے پڑھیے

❀......❀......❀

ایک طویل عرصے بعد باپ اور بیٹے کا ملن ہونے والا تھا اس کے دل کے ناقابل بیان جذبات تھے، بہت خوش تھا وہ باپ کی طرف سے دل پر جمی تمام گرد صاف ہوگئی تھی۔ جب دل کا آئینہ گرد و غبار سے پاک ہوجاتا ہے پھر ہر شے واضح دکھائی دینے لگتی ہے کوئی ابہام باقی نہیں رہتا۔ اس کو ماضی کی یادوں کی بہت ساری پرچھائیاں دکھائی دینے لگی تھیں۔ ڈیڈی کا گھر میں آتے ہی اس کو گود میں بھر کر ماتھا چومنا، اپنے ہاتھوں سے ہر چیز کھلانا، جائز و ناجائز ہر خواہش پوری کرنا وہ کبھی اس کی بات رد نہیں کرتے تھے۔ اس کے منہ سے نکلی ہر بات پوری کرنے کے لیے آرام کی بھی پروا نہ کیا کرتے تھے وہ ان کی آنکھ کا تارہ تھا۔ پھر اچانک ہی ان کی محبت کو کسی کی نظر لگ گئی تھی، ایک دوسرے سے محبت کرنے والے ڈیڈی اور مما میں جھگڑے شروع ہونے لگے تھے اور...... گلاب چنتے چنتے کانٹے لہولہان کرنے لگے تھے وہ گہری سانس لے کر حال میں آیا، فلاور شاپ سے بہت خوب صورت بکے بنوایا اور پھل و مٹھائی خریدیں۔

"صاحب...... صاحب اللہ جوڑی سلامت رکھے، یہ کنگن لے لیں، بیگم صاحبہ کے ہاتھوں میں بہت اچھے لگیں گے۔" اس نے اجنبی آواز پر پلٹ کر دیکھا ایک ادھیڑ عمر کی عورت ہاتھ میں کنگن لیے کھڑی تھی۔ اس کو متوجہ

دیکھ کر پھر اس نے اپنے لفظوں کو دہرایا۔

لمحے بھر کو زید کا دل بے ہنگم انداز میں دھڑکا اور ساتھ کھڑی سودہ بھی سن ہو کر رہ گئی تھی۔ کبھی ایسا بھی ہوسکتا ہے۔

"صاحب...... میرے سب کنگن بک گئے صرف یہی ایک جوڑی بچی ہے یہ آپ خرید لوناں۔" ان کی دلی حالت سے بے خبر وہ اصرار کررہی تھی۔ اس نے خاموشی سے وہ کنگن لے لیے تھے۔ ساتھ ہی بڑا نوٹ اس عورت کو تھما دیا، بے شمار دعائیں دیتی وہ بوڑھی عورت آگے بڑھ گئی۔ پھر ان کا سفر تکلیف دہ خاموشی کی نذر ہوگیا تھا۔ سودہ کو نا آشنا سی شرمندگی نے نگاہیں جھکانے پر مجبور کردیا تھا۔ زید سوچ رہا تھا۔ وہ عورت کنگنوں کی جوڑی فروخت کرنے کی لگن میں کس طرح اس کے زخموں کو نوچ گئی تھی وہ زخم پھر سے تازہ ہوگئے تھے۔ جن پر مشکلوں سے کھرنڈ آئے تھے۔

❁......❁......❁

"یہ آپ کہہ رہے ہیں یوسف؟ آپ نے کبھی ہنستے ہوئے بھی میری آنکھ میں آنسو نہیں آنے دیا...... خاک کے ذروں سے بھی دور رکھا اور آج اس خاک میں ملانے کی باتیں کررہے ہیں؟" وہ بہتے آنسوؤں کے ساتھ کہہ رہی تھی، یوسف گھائل شیر کی مانند غضب ناک نگاہوں سے اس کی طرف دیکھتا ہوا ٹہل رہا تھا۔

"کہہ دیں یہ سب مذاق ہے، جھوٹ ہے آپ مجھے......"

"بکواس بند کرو اور یہاں سے چلی جاؤ، میں تمہاری صورت دیکھنا نہیں چاہتا، نفرت ہوگئی ہے تم سے، اتنی جلدی اپنی اوقات پر آجاؤ گی...... معلوم نہیں تھا، بہت گھٹیا قیمت لگائی ہے تم نے میرے اعتماد اور بھروسے کی۔"

"ہرجائی مرد گرگٹ سے بھی زیادہ تیزی سے رنگ بدلتا ہے، یہ میں نے آج دیکھا ہے۔ کل تک میری صورت پر قصیدے پڑھنے والا آج نفرت سے تھوک رہا ہے، تھوکو اور تھوکو مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا' میں اپنے بچے کے لیے باپ کا نام لے کر ہی جاؤں گی۔" روتے ہوئے ایک دم ہی وہ دھاڑی تھی۔

"میں نے کب منع کیا ہے جاؤ اس کے پاس لیکن جو اس کا باپ ہے، میرے پاس پلٹ کر بھی نہیں آنا سمجھا رہا ہوں۔"

"آپ ہی ہیں اس کے باپ اور آپ کو اس بچے کو اپنا نام دینا ہوگا۔" وہ آگے بڑھ کر اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر سخت لہجے میں بولی۔ اس کی ہٹ دھرمی و ثابت قدمی یوسف کی برداشت اور ضبط کو کھوکھلا کرگئی اور وہ جنون میں اس کو تھپڑ مارتے چلے گئے۔

"بازاری عورت...... کیچڑ میں کھلنے والا پھول کالرکی زینت نہیں بنتا، تم جیسی عورت بیوی بنانے کے لائق ہوتی ہے نہ ماں...... بتاؤ مجھے تمہیں کتنی دولت چاہیے؟ بولو تمہیں تمہاری اوقات سے بڑھ کر پیسہ ملے گا، وہ لو اور غرق ہوجاؤ۔"

"دولت کا رعب کس پر ڈال رہے ہو؟" اس کے حسین چہرے پر اس کی انگلیوں کے نشان ابھر آئے تھے، چہرہ دہکتی آگ کی مانند سرخ انگارہ بن گیا تھا، مگر اس کی استقامت میں کوئی کمی نہ آئی تھی۔ وہ نڈر انداز میں گویا ہوئی تھی۔

"...ہی حاصل کرنی ہوتی تو تم جیسے ان گنت لوگ ہیں جو دن و رات میرے تلوے چاٹنے کو بے قرار ...دولت میرے قدموں میں ڈھیر کردیں گے کہ...... تم ساری زندگی گن نہ پاؤ گے۔"

وہ بے خوفی کی انتہاؤں پر تھی۔

"پھر یہاں میرا دماغ کیوں خراب کرتی ہو اپنے ان عاشقوں کو ہی کہو وہ تمہارے بچے کو اپنا نام دیں۔"

"بچے کو نام بچے کا باپ دیتا ہے عاشق نہیں۔"

"ان عاشقوں میں کوئی ہوگا اس ناجائز بچے کا باپ جس کا الزام تم میرے سر پر لگانے آگئی ہو۔"

"میں نے کہا نہ...... آپ کے علاوہ میری زندگی میں کوئی مرد نہیں آیا، آپ ہی پہلے اور آخری مرد ہیں......"

"ابھی تم کہہ رہی تھیں تمہارے پاؤں چاٹنے کے لیے بے شمار مردوں کا ہجوم ہے اور ابھی کہہ رہی ہو میں ہی پہلا اور آخری مرد ہوں۔" وہ کاٹ دار لہجے میں بولا مگر جواب دینے سے قبل ہی وہ چکرا کر گر گئی تھی۔

❁......❁......❁

عفرا، فرقان سے فون پر باتوں میں مصروف تھی کمرے سے آتی تیز آوازوں نے چونکا دیا تھا، اس نے جلدی جلدی چند باتیں کرکے فون بند کیا اور کمرے میں گئی تو وہاں عروہ اور ممی کے علاوہ کوئی نہ تھا۔

"ممی...... عمرانہ خالہ اور مائدہ کہاں گئیں؟"

"ممی کو کیا پتہ کہاں گئی وہ منہ پھٹ عورت......" رضوانہ کے بجائے عروہ منہ بنا کر گویا ہوئی۔

"کہہ کر گئی ہیں میں عفرا سے جل رہی ہوں، شادی کرنے کے لیے مری جارہی ہوں، عفرا...... کیا میں تم سے جل رہی ہوں؟"

"انہوں نے غصے میں کہہ دیا ہوگا، تم مائنڈ کیوں کررہی ہو؟"

"اوہ...... کیا یہ مائنڈ کرنے والی بات نہیں؟ ایک عرصے سے اس مغرور اور بد دماغ شخص کے آسرے پر مجھے رکھا ہوا ہے۔ جس کے کسی سے مزاج ہی نہیں ملتے سوائے اس چڑیل سودہ کے۔"

"ممی...... عروہ تو ناسمجھ بنی ہوئی ہے، یہ عمل پہلے کرتی ہے اور سوچتی بعد میں ہے۔ آپ کو معاملہ رفع دفع کرنے کے بجائے بڑھانے کی کیا ضرورت تھی۔ آج نہیں تو کل زید بھائی مان جائیں گے، مائدہ کی شادی کے بعد عمرانہ آنٹی کی تنہائی دیکھ کر ان کو ماننا ہوگا......"

"ارے...... یہ تو خیال مجھے آیا ہی نہیں ہے بالکل ٹھیک کہہ رہی ہو عفرا تم عمرانہ کی تنہائی وہ برداشت کہاں کرسکتا ہے، پھر وہ وہی کرے گا جو عمرانہ کہے گی۔" عفرا کی بات پر وہ گھبرا کر گویا ہوئیں، عروہ بھی چونک کر سیدھی ہو بیٹھی تھی۔

"عفرا...... میری بیٹی تم تو منگنی ہوتے ہی عقل مندی کی باتیں کرنے لگی ہو، کیا دور کی کوڑی لائی ہو...... لیکن اب تو بات بگڑ گئی ہے عروہ نے عمرانہ سے خوب دل کھول کر بدتمیزی کی ہے۔"

"میرا بدتمیزی کرنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا...... بس غصہ آیا تو آتا ہی چلا گیا، آؤٹ آف کنٹرول۔"

"مجھے تو لگ رہا تھا عمرانہ گھر سے ہی غصے میں آئی تھی، ہوگیا ہوگا صوفیہ سے جھگڑا، صوفیہ بھی آفت کی پرکالا ہے پوری۔"

"اب کیا ہوگا میں اچھی طرح جانتی ہوں، آنٹی معاف کرنے والوں میں سے نہیں ہیں، مجھ سے بدلہ لینے کے لیے وہ زید کی شادی کسی سے بھی کرادیں گی۔" عروہ کو پچھتاوؤں کے ناگ ڈسنے لگے تھے۔

"ابھی ان کو گئے دیر نہیں ہوئی ہے، ہم ان کو گھر جانے سے پہلے منائیں اور گھر لے آئیں تو اچھا ہوگا......"

"چلی گئی ہوں گی وہ، بے وقوفی ہے ان کے پیچھے جانا۔" رضوانہ نے عفرا کی بات رد کردی۔

”اگر گھر گئے تو وہ کسی کا لحاظ کیے بنا بے عزتی کریں گی، سب کو معلوم ہو جائے گا ہمارے درمیان کیا ہوا ہے۔“
”ٹھیک کہہ رہی ہو عروہ، صوفیہ کو معلوم ہو گیا ہماری لڑائی کا تو پھر ہماری ناک کٹ کر رہ جائے گی، وہ بے انتہا
خوش ہوگی۔“
”میں شوفر سے کار نکلوا رہی ہوں، آپ لوگ آ جاؤ، وہ لوگ زیادہ دور نہیں گئے ہوں گے۔ کیپ یہاں قریب
نہیں ملتی۔“ عفرا نے ان کا حوصلہ بڑھایا' وہ ڈرائیور کے ہمراہ سڑک پر نکل آئیں جہاں دور دور تک عمرانہ اور مائدہ کا
پتہ نہ تھا۔

❀......❀......❀

ٹیکسی اسٹینڈ پر اس کو چھوڑ کر وہ ایسا گیا کہ مڑ کر بھی نہ دیکھا اس نے...... وہاں سے ٹیکسی لی اور گھر چلی آئی،
ساری چال الٹی پڑنے پر اس کو شدید غصہ آ رہا تھا۔ کس طرح سے ایک سنہری موقع ضائع ہو گیا تھا۔ اس نے پوری
بساط بچھائی تھی، اس کو شکست دینے کی اور کامیاب ہو بھی جاتی کہ پستول سے جیتی ہوئی بازی مات ہو گئی تھی۔ اس
شکست سے دل اتنا اچاٹ ہوا کہ پسند سے کی گئی گروسری بھی اس نے بن دیکھے ماسی کو پکڑا دی، پھر اپنے کمرے
میں آ گئی، جہاں بالی شوبز میگزین پڑھنے میں مگن تھی، اس کو دیکھ کر میگزین رکھتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی، مگر آگے نہ
بڑھی۔

انشراح کے تیور بری طرح سے بگڑے ہوئے تھے۔ اس نے پہلے آتے ہی دروازہ زوردار آواز کے ساتھ بند
کیا۔ پھر ہینڈ بیگ اچھالا، بیڈ پر بیٹھ کر شوز بھی اِدھر اُدھر پھینکتے ہوئے بڑبڑائی۔
”نامعلوم کیا سمجھتا ہے خود کو...... کمینہ کہیں کا۔“
”ارے تم تو شاپنگ کرنے گئی تھیں نوفل تم کو کہاں مل گیا اور تم تو بہت غصے میں لگ رہی ہو کیا ہوا ہے؟“ اس
کے منہ سے ایسے القابات سن کر وہ سمجھ گئی اس کا ٹکراؤ نوفل سے ہوا ہے، جس طرح اس کے تیور بگڑے ہوئے تھے لگتا
تھا ان میں کوئی مسئلہ ہوا ہے۔ بالی اس کے قریب بیٹھتی ہوئی پُرتجسس انداز میں استفسار کرنے لگی۔
”ہونے والا تو بہت برا تھا مگر قسمت ہر بار ان جیسے لوگوں کا ہی ساتھ دیتی ہے اور قسمت نے رسوائی سے بچا لیا
اس کو۔“ وہ غصے سے اس کو ہر بات بتاتی چلی گئی۔
”یہ تم نے اچھا نہیں کیا انشی، وہ تمہیں ڈراپ کرنا چاہتا تھا۔“ بالی کو اس کا رویہ اور نوفل کو سب لوگوں کے
درمیان رسوا کرنا ذرا اچھا نہیں لگا۔ وہ سنجیدگی سے کہنے لگی۔
”وہ کیوں ڈراپ کرنا چاہتا تھا میں نے درخواست نہیں کی تھی اسے۔“
”ایک انسان کی اچھائی پر تم نے رسوائی کی کالک مل دی۔“
”وہ انسان اس انسان کے بے حد قریب ہے...... بلکہ اس کی جان ہے، جس نے مجھ پر ناجائز کی مہر لگوائی،
میں نوفل کا وہ حال کروں گی کہ وہ شخص صدمے سے زندوں میں شمار ہوگا نہ مردوں میں، اپنے لاڈلے کے غم میں۔“
نفرت و انتقام کی آگ میں جلتا اس کا وجود بالی کو عجیب لگا۔
”ایک شخص کی غلطی کی سزا تم دوسرے بے قصور شخص کو دو گی؟“
بے قصور میں کچھ نہیں جانتی اور تم بھی اس کی سائیڈ مت لو، تمہارے دل میں اس کے لیے ہمدردی
“
سب کر رہی ہو، وگرنہ ایسا کٹھور پن تمہاری طبیعت میں شامل نہیں...... یہ

سوچ ہی مجھے شاکڈ کیے ہوئے ہے کہ تم نے نوفل بھائی کی مخلصانہ پیش کش کو تماشہ بنا ڈالا ہے اگر معاملہ حد سے
زیادہ بگڑ جاتا تو پھر کیا ہوتا......؟“ بالی معاملے کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے فکر مند ہوئی...... جب کہ وہ غصے میں ہر
بات کو جھٹلا رہی تھی۔ اس کو یہی رنج افسردہ کیے ہوئے تھا کہ نوفل اس کی پلاننگ سے بچ نکلا تھا۔
”پانی وانی کا نہیں پوچھو گی؟ کب تک سوگ مناتی رہو گی؟“ وہ بالی کو گھورتی ہوئی طنزاً گویا ہوئی، جواباً اس نے
کچھ کہا نہیں، ملازمہ کو اسکواش بنا کر لانے کا کہہ کر اس کے لیے پانی لے آئی اور گلاس اس کو تھما کر چیئر پر خاموشی
سے بیٹھ گئی۔ یہ اس کی ناراضگی کا انداز تھا۔ انشراح نے پانی پیتے ہوئے کئی بار اس کی طرف دیکھا مگر وہ سنجیدگی سے
گردن جھکائے بیٹھی تھی۔
”مائی گاڈ...... ایسے لوگوں کے چاہنے والے کتنی جلدی پیدا ہو جاتے ہیں۔ برسوں کی محبت پر تم اس شخص کی
محبت غالب کر رہی ہو جب کہ اصلیت تم بخوبی جان چکی ہو۔“ وہ اس بار نرمی سے گویا ہوئی۔
”تم سمجھ کیوں نہیں رہی ہو انشی، تمہارا اور ان کا جامعہ میں ساتھ ہے...... اگر انہوں نے بھی تم سے بدلہ لینے کی
ٹھان لی تو پھر......“
”وہ اور بدلہ لے گا ہونہہ۔“
”بدلہ نہ سہی...... وہ پوچھیں گے تو سہی تم نے ایسا برتاؤ کیوں کیا؟ جب کہ وہ تم سے گزشتہ رویوں کی معذرت
کر چکے ہیں۔“
”اینی وے، جب مجھ کو ٹینشن نہیں ہے کہ کیا ہوگا کیا نہیں، تم کیوں فکر کرتی ہو، جو ہوگا دیکھا جائے گا۔“

❀......❀......❀

بہت عجیب سے احساسات کے ساتھ اس نے وہ دہلیز عبور کی تھی، جس پر قدم رکھنے کا خیالوں میں بھی سوچ نہ
تھا۔ رواں دواں نافہم جذبوں سے بیدار ہو رہا تھا، پہلی بار سوتیلی ماں کا سامنا کرنا تھا اور آگہی کے بعد ہی پہلی بار
باپ سے دلی جذبات کے ساتھ ملنا تھا۔ سو وہ اس سے چند قدم فاصلے پر چل رہی تھی۔ اس پر دوسری ممانی اور
ماموں کے گھر آنے کی خوشی پر عمرانہ کا خوف سوار تھا وہ بد دماغ و بدلحاظ عورت کب کیا کر گزرے کوئی خبر نہ تھی۔
”کیا ہوا تم رک کیوں گئی؟“ راہداری عبور کرنے سے قبل اس نے مڑ کر دیکھا، اسے اپنی جگہ ساکت دیکھ کر کچھ
قریب آ کر گویا ہوا۔
”مجھے ڈر لگ رہا ہے۔“ لہجے میں سراسیمگی تھی۔
”ڈر لگ رہا ہے......! پر کس سے؟“
”عمرانہ ممانی یہ سب کس طرح برداشت کریں گی؟ وہ صالحہ ممانی کا نام سننا بھی پسند نہیں کرتیں اور جب ان کو
معلوم ہوگا میں آپ کے ساتھ یہاں آئی ہوں، پھر تو ان کو بے حد غصہ آئے گا۔“ خوف زدہ لہجے میں وہ دلی
خدشات بتاتی چلی گئی۔
”ممی کو فیس میں کروں گا، تم بالکل بھی نہیں گھبراؤ کم آن۔“ وہ کہہ کر آگے بڑھتا چلا گیا، سو وہ بھی اس کے ہم
قدم تھی، یہ ایک چھوٹا بنگلہ تھا، ہریالی اور پھولوں کی بیلوں سے لدھا ہوا خوب صورتی سے آراستہ ہر گوشہ گھر کے
مکینوں کے اعلیٰ ذوق و نفاست پسندی کا آئینہ دار تھا۔ راہداری سے وہ کامن روم میں پہنچے تو سامنے ہی ایک دبلی
پتلی خاتون ایک کمرے سے باہر آتی دکھائی دیں، ان کو دیکھتے ہی وہ سکتے کی حالت میں کھڑی رہ گئی تھیں۔
وہ دونوں بھی قدم آگے نہ بڑھا سکے تھے۔ ان کے سامنے جو عورت کھڑی تھی وہ ایک بہت سادہ و عام سے

نقوش والی عورت تھی جو کسی طرح بھی مدثر صاحب جیسے وجیہہ بارعب شخصیت والے مرد کی بیوی نہیں لگ رہی تھیں۔ اگر کوئی چیز ان کو خاص بنا رہی تھی تو وہ ان کے سانولے چہرے پر پھیلا وقار و تمکنت تھا، خلوص و مروت کی روشنی ان کے چہرے پر پھیلی تھی۔ زید نے مضبوطی سے قدم آگے بڑھاتے ہوئے ان کو سلام کیا۔

''زید......! آپ زید ہی ہیں...... ہیں ناں بیٹا؟'' صالحہ کا بھی سکتہ ٹوٹا اور وہ اس کے سلام کا جواب دیتی ہوئیں آگے آئیں۔

''جی......'' اس کے لہجے میں سنجیدگی و شائستگی تھی۔ صالحہ کے چہرے پر مسرتوں کی کرنیں سی پھوٹ پڑیں۔ انہوں نے آگے بڑھ کر اس کی پیشانی چومی اور ممتا بھرے لہجے میں گویا ہوئیں۔

''بہت خوشی ہو رہی ہے آپ کو روبرو دیکھ کر شاہ زیب کے سیل فون کی گیلری میں آپ لوگوں کی تصویریں دیکھ کر سوچا کرتی تھی نامعلوم آپ لوگوں سے زندگی میں مل پاؤں گی یا نہیں......'' اس سے کہہ کر وہ سودہ کی طرف بڑھیں اور اس کو گلے سے لگالیا۔

''سودہ...... آپ غائبانہ طور پر اس گھر میں رہتی ہیں، شاہ زیب اور مدثر آپ کی باتیں کرتے رہتے ہیں۔'' ایک عام سی شکل وصورت والی عورت کا اخلاق و انداز خاصا متاثر کن تھا۔ انہوں نے محسوس ہی نہیں ہونے دیا کہ وہ پہلی بار مل رہے ہیں۔

وہ ان دونوں کو لے کر بیڈ روم میں آگئیں، مدثر بیڈ پر نیم دراز تکیوں کے سہارے آنکھیں بند کیے سوچوں میں گم تھے۔ آہٹ پر انہوں نے آنکھیں کھول کر دیکھا اور پھر وہ دیکھتے ہی رہ گئے۔ ناقابل یقین منظر ان کے سامنے تھا، زید اور سودہ صالحہ کے ساتھ کھڑے تھے۔ وہ ابھی کمرے میں داخل ہوئے تھے۔

''کیا میرے خواب اتنے طاقت ور ہوگئے ہیں کہ اب جاگتے میں بھی دکھائی دینے لگے ہیں، حد ہوگئی ہے آج خوش فہمیوں کی بھی......'' وہ یک ٹک اس طرف دیکھتے ہوئے سوچ رہے تھے۔

''پاپا......'' زید بھرائی آواز میں قریب آ کر گویا ہوا۔ شدتِ جذبات سے اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے تھے، چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔

اس کی آواز نے مدثر صاحب کی رگ و پے میں بجلی سی بھر دی تھی۔ انہوں نے پھرتی سے سائیڈ ٹیبل پر رکھا چشمہ آنکھوں پر لگایا۔ اس اثناء میں صالحہ بھی قریب آگئیں اور مسکرا کر کہنے لگیں۔

''آج ہماری دعائیں رنگ لے آئی ہیں مدثر...... زید ہمارے درمیان ہے اور ساتھ سودہ بھی ہے۔''

''پاپا...... طبیعت کیسی ہے آپ کی؟'' زید نے ان کا ہاتھ تھاما۔

''زید...... میرے بچے تم سچ مچ میرے قریب ہو...... یہ میری آنکھوں کا دھوکہ ہے یا خواب مجھے بہکانے کے لیے آ گیا ہے؟'' وہ بری طرح سراسیمگی کا شکار ہوئے۔ زید پوری شدت سے ان سے لپٹ گیا، وہ بالکل بچوں کے سے انداز میں سسک اٹھا تھا۔ ساری کوتاہیاں، غلط فہمیاں و بدگمانیاں رہ رہ کر یاد آ رہی تھیں۔

''آئی ایم سوری پاپا...... میں نے بے حد ہرٹ کیا ہے آپ کو، بہت دکھ دیئے ہیں، معاف کر دیں مجھے، میں بہت برا بیٹا ثابت ہوا ہوں، بہت نالائق۔'' اس کے لہجے نے مدثر صاحب کے دل میں بھری کدورت کو صاف کر دیا تھا۔ انہوں نے بے ساختہ اس کے چہرے کے کئی بوسے لے ڈالے بالکل اس طرح جس طرح بچپن میں اس کا چہرہ چومتے تھے کہ آج بھی وہ ان سے معافی مانگتا ہوا بہت ہی معصوم سا زید لگ رہا تھا، جو غلطی کرنے پر معافی مانگتا تھا۔

''نہیں میرے بچے...... سود و زیاں ہم سب کے حصوں میں آیا ہے، میں تم سے بچھڑا تو جدائی ہم سب کے حصے میں ہی آئی ہے، بچپن تم لوگوں کا میری شفقتوں کے بغیر گزرا تو تمہاری بھولی بھالی شرارتوں و محبتوں سے میں بھی محروم رہا ہوں، نقصان و محرومیاں برابر ہمارے حصے میں آئی ہیں۔'' ماضی کے محرومی بھرے لمحوں کی فلم دونوں کے ذہنوں میں چل رہی تھی، ایک ایک پل، ایک ایک لمحہ جہاں محفوظ تھا۔

''سودہ سے نہیں ملیں گے آپ؟'' صالحہ کی آنکھیں بھی ان کے ملن پر اشک بار تھیں، انہیں خدشہ ہوا کہ کہیں مدثر صاحب کی طبیعت خراب نہ ہو جائے کہ اس وقت وہ دونوں باپ بیٹے اردگرد سے بے خبر جذبات کی رو میں بہہ رہے تھے اور یہ صورت حال مدثر کے لیے سودمند نہیں تھی۔ وہ آگے بڑھ کر گویا ہوئیں، سودہ کا ہاتھ انہوں نے تھاما ہوا تھا۔

ان کی آواز پر زید کو بھی احساس ہوا کہ وہ یہاں پر تنہا نہیں ہے وہ نم آنکھوں کے ساتھ مسکراتا ہوا ان سے علیحدہ ہوا، دل میں طمانیت ہی طمانیت تھی ایک طویل ترین عرصہ بعد بچھڑا ہوا پنچھی اپنے آشیانے پہنچ ہی گیا تھا، دکھ کا ایک گوشہ تاریکی کے بھنور سے آزاد ہوا تھا، سودہ کو دیکھ کر ان کی خوشی دگنی ہوگئی تھی اور شاہ زیب کے آنے کے بعد گھر میں قہقہوں کی برسات ہونے لگی تھی۔

❁......❁......❁

اس کو ہوش آیا تو وہ کارپٹ پر ہی موجود تھی، البتہ سر کسی کی آغوش میں تھا۔ وہ سمجھ گئی یہ آغوش کس کی تھی، وہ دل سے مسکرادی۔ بالآخر پتھر میں جونک لگ گئی...... خون کا اثر رنگ لے آیا۔

''یوسف...... کتنا خوف ناک مذاق کرتے ہیں آپ، قسم سے آپ نے میری جان نکال دی تھی، میں مرگئی تھی، جینے کی امنگ نہ رہی تھی۔'' وہ مسکراتی ہوئی کہہ رہی تھی۔

''ہوش کر لڑکی...... کیسی بہکی بہکی باتیں کر رہی ہے؟'' آواز کسی دھماکے سے کم ثابت نہیں ہوئی تھی۔ آنکھیں کھول کر اس نے دیکھا، جس کو وہ یوسف سمجھ رہی تھی۔ وہ جہاں آرا تھیں جو اس کا سر اپنی آغوش میں لے کر بیٹھی تھیں۔

''اماں......! تم یہاں کیسے آئیں؟'' وہ بیٹھتی ہوئی حیرانی سے بولی۔

''ڈرائیور کے ساتھ بلوایا ہے یوسف نے مجھے۔'' ان کی آواز دھیمی اور لہجے میں بے پناہ خوف و ہراس بھرا ہوا تھا۔

''ایک گھنٹے سے زائد وقت گزر چکا ہے تم کو ہوش میں لانے کی تدبیریں کرتے ہوئے، اب جا کر ہوش آیا ہے تمہیں، میں ڈر رہی گئی تھی کہ نامعلوم تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا ہے جو تم بے ہوش ہوگئی ہو۔''

''یوسف ہیں کہاں اماں؟ میرے بے ہوش ہونے سے پہلے وہ یہاں تھے۔''

''مجھے دھمکیاں دے کر وہ باہر چلا گیا ہے۔''

''کیا کہا ہے اس نے، کیسی دھمکیاں دیں؟'' ماں کی وحشت زدہ صورت اس کو بھی خوف کا شکار کر رہی تھی وگرنہ وہ جانتی تھی وہ بڑے سے بڑے خطرے کا ہنس کر مقابلہ کرنے والی عورت ہیں۔

''وہ کہہ رہا تھا میں تم کو راضی کروں ابارشن کروانے کے لیے، جب میں نے بتایا کہ وقت بہت گزر گیا ہے ابارشن ممکن نہیں رہا......''

''پھر کیا کہا اس نے؟'' وہ بے تابی سے گویا ہوئی تھی۔

"کہنے لگا پھر میں تم کو لے کر کسی ایسی جگہ پر چلی جاؤں جہاں کوئی شناسا نہ ہو، منہ بند کر کے زندگی گزارنے کی ترغیب دے رہا تھا۔"

"کہاں جائیں گے اماں ہم؟ ایسی کون سی جگہ ہوگی جہاں مجھے کوئی جانتا نہ ہو...... مجھے ملک کا بچہ بچہ جانتا ہے؟" وہ روہانسی ہوئی تھی، مسرتوں کی وادیوں میں سیریں کرتی اچانک ہی کانٹوں بھرے جنگل میں بھٹک گئی تھی۔

"اب رونے سے کیا حاصل ہوگا پہلے دن ہی کہا تھا نکاح کی بات کر اس سے، نکاح کے بغیر قریب بھی نہیں آنے دینا اس کو، یہ امیر زادے ایسے ہی ہوس کے پجاری ہوتے ہیں، مگر تجھ پر اس کی محبت کا بھوت سوار تھا جو وہ کہتا گیا تو وہ کرتی گئی، آج دیکھ لیا اس کا نتیجہ وہ اپنی اولاد کو قبول ہی نہیں کر رہا۔" وہ دبے دبے لہجے میں اس کو ہی ڈپٹنے لگی تھیں۔

"اماں...... وہ ایسے بدل جائے گا میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی، وہ کہتا تھا کسی حال میں میرا ساتھ نہیں چھوڑے گا......"

"دیکھ لو کس حال میں لا کر ساتھ چھوڑا ہے اس فریبی نے اور اس پر کہتا ہے اس کی بات نہیں مانی تو وہ ہم دونوں کو زندہ زمین میں دفن کرا دے گا اور وہ ایسا کر بھی سکتا ہے، کیوں کہ اس کے پاس پیسہ، پاور اور منسٹری کی کرسی ہے۔"

❀......❀......❀

"ڈرائیور گاڑی روکو......" عفرا کی نظر پارک کے قریب سے گزرتے ہوئے اندر گئی تو وہ دونوں ماں و بیٹی بینچ پر بیٹھی دکھائی دی تھیں۔

"کیوں رکوا رہی ہو گاڑی میرا دل جل کر خاک ہوا جا رہا ہے اور تمہیں پارک جانے کی سوجھ رہی ہے۔" رضوانہ جو دوسری سائیڈ بیٹھی ہوئی تھیں منہ بنا کر ہو گیا ہوئیں۔

"مما...... پارک میں چلیں تو ذرا...... دیکھیے گا پھر کس طرح آپ کا دل باغ باغ ہو جاتا ہے۔" عفرا کے لہجے کی شوخی نے ان دونوں کو چونکنے پر مجبور کر دیا تھا کیونکہ وہ بھی ماں کی طرح جلتی بھونتی سوچوں میں مشغول تھی، ایک طرف عفرا ہی تھی جو حاضر دماغی کے ساتھ ارد گرد پر گہری نگاہ رکھے ہوئے تھی۔

"ارے کیا عمرانہ پارک میں ہے؟"

"جی بالکل آپ باہر تو آئیں۔" وہ باہر نکلتے ہوئے بولی اور کچھ دیر بعد وہ تینوں پارک میں داخل ہو رہی تھیں، دن کا ٹائم تھا، اکا دکا لوگ ہی وہاں موجود تھے، ایک گھنے درخت کے نیچے بنچ پر وہ دونوں بیٹھی تھیں، دور سے آتے ہی ان کو عمرانہ اور مائدہ نے دیکھ لیا تھا، پھر ان کے چہروں پر خفگی چھاتی چلی گئی، دونوں نے چہرے موڑ لیے تھے۔

"عمرانہ...... اتنی معمولی بات پر تم ناراض ہو کر چلی آئی ہو، اس قدر غیروں جیسا رویہ دکھایا ہے تم نے جس کی کوئی حد نہیں۔" رضوانہ ان کے قریب آ کر لگاوٹ بھرے لہجے میں گویا ہوئیں۔

"پہلے اپنے گریبان میں جھانکیے پھر مجھ سے بات کیجئے گا بجیا۔" انہوں نے ان کی جانب دیکھے بنا کہا۔

"خالہ جان...... جو ہونا تھا وہ ہو گیا، اب بات کو ختم کرنا ہی اچھا ہے، ہم لوگ اتنی قریب کی رشتے داری میں لڑتے جھگڑتے برے لگیں گے، ہم ایک دوسرے پر جان دیتے ہیں۔" عفرا نے آگے بڑھ کر کہا۔

"جان ہی تو لے لی ہے میری، کس رشتے داری کی بات کر رہی ہو؟ رشتے کی ڈور کو کاٹنے کے لیے زبان کی دھار ہی کافی ہوتی ہے۔"

''آئی ایم سوری آنٹی...... میں اتنے اسٹریس میں تھی کہ بے خودی میں نا جانے آپ کو کیا کیا کہہ گئی اور مجھے معلوم بھی نہ ہوا۔'' عروہ نے عفرا کے اشارہ کرنے پر آہستگی سے کہا۔

''ہونہہ...... اسٹریس میں تھی...... انسان کی اصلیت غصے میں ہی دکھائی دیتی ہے جو میں نے دیکھ لی، شکر کرو بی بی میرے گھر آنے سے قبل ہی تمہیں میری حقیقت معلوم ہوگئی کہ میں جھوٹی و دوغلی عورت ہوں، میرے کنٹرول میں شوہر ہے نہ بیٹا۔''

''آنٹی...... میں بھی معافی مانگ رہی ہوں عروہ کی جانب سے، ٹھیک ہے عروہ کی باتوں نے آپ کا دل دکھایا ہے۔ آپ کا ایسا ہی ری ایکشن ہونا چاہیے۔ آپ کا جو دل چاہے کہہ کر دل صاف کرلیجیے۔'' عفرا نے معاملہ رفع دفع کرانے کی سعی کی۔

''عروہ نے بدتمیزی کی حد ہی کردی ہے۔ اگر ان کی انگیجمنٹ نہیں ہو رہی تو اس میں ممی کی کیا خطا' ممی بھائی کو راضی کرنے کی جستجو میں لگی ہوئی ہیں، وہ آج نہیں تو کل مان ہی جائیں گے......''

''ہاں ہاں بالکل مان جائیں گے ابھی ان کے نہ ماننے کی کوئی بھی وجہ رہی ہو...... لیکن بہت زیادہ دیر تک وہ آنٹی کی بات رد نہیں کرسکتے، بننا تو ان کو میرے دلہا بھائی ہیں۔'' عفرا نے ہنس کر کہا مگر اس کی بات پر بھی عمرانہ اور مائدہ کے چہروں پر خفگی و ناراضگی کم نہ ہوئی۔

''غصہ بھول جاؤ اب اور میرے ساتھ گھر چلو، یہاں کب تک بیٹھو گی۔'' رضوانہ نے ان کا ہاتھ پکڑ کر کہا، انہوں نے فوراً ہی ہاتھ چھڑوالیا۔

''سنو بجیا...... اگر میں غصہ بھولنے والی ہوتی تو آج مدثر دوسرا گھر آباد کیے بیٹھے نہ ہوتے جو بات میرے دل کو لگ جائے وہ میں بھلائے نہیں بھولتی ہوں، یہاں میں اس آگ کو بجھانے کے لیے بیٹھی ہوں جو اس لڑکی کی زبان نے میرے اندر بھڑکائی ہے، آپ کے انتظار میں نہیں تھی، مجھے آپ کے ساتھ جانا ہی نہیں ہے۔'' کہہ کر انہوں نے مائدہ کا ہاتھ پکڑا اور آگے بڑھ گئیں۔ وہ تینوں ایک دوسرے کی شکل دیکھتی رہ گئی تھیں۔

❁......❁......❁

کل بچھڑنا ہے تو پھر عہدِ وفا سوچ کر باندھ
ابھی آغازِ محبت ہے، گیا کچھ بھی نہیں
میں تو اُس واسطے چپ ہوں کہ تماشہ نہ بنے
تُو سمجھتا ہے مجھے تجھ سے گلہ کچھ بھی نہیں

''خیریت ہے یار...... لگ رہا ہے کسی سے جھگڑا کرکے آئے ہو؟'' بابر نے اس کے سرخ چہرے اور تنے ہوئے ابرو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''اس وقت مجھے ٹھنڈے پانی کی ضرورت ہے۔'' وہ صوفے کی بیک سے گردن ٹکا کر آنکھیں بند کرکے بیٹھ گیا، اس کے تنفس کی رفتار غیر معمولی حد تک تیز تھی، اس کی سپید رنگت میں سرخی نمایاں تھی، بابر کو کسی شدید گڑبڑ کا احساس ہوا تھا۔

وہ پانی خود ہی لے آیا، پانی پی کر بھی اسی انداز میں بیٹھا رہا۔ اس کی نگاہوں میں وہ تمام مناظر گھوم رہے تھے۔ وہ بابر کے پاس آرہا تھا۔ ایگزامز اگلے ہفتے سے شروع ہونے والے تھے، اسی سلسلے میں ان کو بات چیت کرنی تھی، سڑک سے گزرتے ہوئے اس کی نگاہ انشراح پر پڑی تھی، سی گرین پر وہائٹ ایمبر ائیڈری سوٹ پر وہ وہائٹ

دوپٹہ اوڑھے آنکھوں پر سیاہ گلاسز چڑھائے فٹ پاتھ پر خاصی پریشان کھڑی تھی۔ شولڈر پرس اس نے دائیں بازو پر لٹکایا ہوا تھا، اس کے قریب ہی ایک بڑا سا گروسری بیگ رکھا ہوا تھا، کچھ فاصلے سے ہی وہ اس کی نگاہوں کی زد میں آ گئی تھی۔ یہ رنگ اس پر خوب جچ رہا تھا...... ایسا لگتا تھا گویا ہر رنگ اس کے لیے ہی بنایا گیا ہو جو رنگ بھی پہنتی تھی وہ رنگ کھل اٹھتا تھا۔ وہ مجمع میں الگ دکھائی دیتی تھی۔ جیسے اس وقت بھری دھوپ میں وہ جھلتی آنکھوں کو ٹھنڈک دے رہی تھی، یہ رنگ اس کی سرخ وسپید رنگت پر عجیب چھب دکھا رہا تھا اور دھوپ کی حدت سے سرخ پڑتے چہرے پر سیاہ چشمے نے اس کے حسن کو دوآتشہ کر دیا تھا، بہت سحر انگیز حسن تھا۔ دل کی دنیا ڈانواڈول ہونے لگی تھی، وہ اور اس کا دل دو مخالف سمت دوڑ رہے تھے، وہ اس سے دور بھاگ رہا تھا اور دل اس کی سمت سرپٹ دوڑ رہا تھا، اسی تگ ودو میں کار اس کے سامنے پہنچی تھی۔ اس نے دل کی حکایتوں کو پس پشت ڈال کر مؤدبانہ انداز میں ڈراپ کرنے کی آفر کی تھی، پھر جو ہوا جو ہوا وہ ناقابل یقین تھا۔ انشراح کا دماغ خراب ہو گیا تھا وہ اس کا تماشہ بنانا چاہتی تھی۔ تقریباً تماشہ کری ایٹ کر چکی تھی، اگر وہ پستول نکال کر نہ لہراتا تو وہاں ایک طویل ہنگامہ برپا ہو چکا تھا۔

''اب بتا بھی دو میرے بھائی، میرے پیٹ میں سخت مروڑ ہونے لگی ہے۔ کس سے جھگڑا ہوا ہے؟'' ملازم شربت لے آیا تھا گلاس خالی ہونے تک وہ صبر وضبط کا مظاہرہ کرتا رہا، پھر ملازم کے گلاس لے جانے کے بعد پریشان لہجے میں گویا ہوا۔ نوفل نے سارا واقعہ سنا ڈالا تھا۔

''اونو...... یہ کیا حرکت کی انشراح نے ایسی بے ہودہ حرکت کرنے کا مقصد کیا ہوگا۔'' بابر بھی پریشان ہوا تھا۔

''مقصد صاف عیاں ہے، وہ مجھے معاف نہیں کر سکی، بہت کم ظرف اور سنگ دل لڑکی ہے وہ، جس کو معاف کر کے میں نے بھی بے وقوفی کی، ایجوکیٹڈ یہ عورتیں ایسی ہی جھوٹی ومکار ہوتی ہیں۔'' اس کی آنکھوں میں لو سی جل اٹھی تھی۔ پرانے زخموں سے کھرنڈا کھڑنے لگا تھا۔ لہجہ زہر آلود ہو گیا تھا۔

''مجھے سمجھ نہیں آتی اس نے ایسا خطرناک پلان کیوں بنایا...... ایسی کون سی دشمنی نکل آئی ہے تم سے اس کی؟''

''دشمنی ہونہہ...... وہ معاف نہ کرنے والی تنگ دل لڑکی ثابت ہوئی ہے۔''

''لگتی تو نہیں...... وہ تنگ دل لڑکی۔'' وہ دھیمے لہجے میں بولا۔

''بظاہر پھولوں جیسے دکھنے والے لوگ حقیقتاً کانٹوں کی مانند سخت اور بے رحم ثابت ہوتے ہیں، خودغرض ومفاد پرست ذہن کے مالک۔'' بابر کو بھی شدید دھچکہ لگا تھا۔ انشراح کی حرکت بہت خطرناک قسم کے نتائج برپا کر سکتی تھی۔ سوال یہی تھا اس نے ایسا کیوں کیا؟ اور اس کیوں کا جواب دونوں کے پاس نہیں تھا۔

''تم کس سوچ میں ہو؟'' وہ سیدھا ہوتا ہوا بولا۔

''یہی سوچ رہا ہوں انشراح نے ایسا کیوں کیا؟''

''پلیز میں اس کا نام سننا بھی پسند نہیں کروں گا۔'' وہ زہر خند لہجے میں بولا۔

❀......❀......❀

''بھابی جان...... میں نے آپ سے دل سے کہا ہے کہ آپ جہیز میں کوئی بھی فالتو چیز مت دیجیے گا آپ کو معلوم ہی ہے پیارے میاں کی جاب دبئی میں ہے، یہ شادی کے چند ماہ بعد دبئی واپس چلا جائے گا۔'' اچھی آپا نے فروٹ سے انصاف کرتے ہوئے لجاجت سے کہا۔

''جہیز سے میاں کے دبئی جانے کا کیا تعلق ہے؟''

''صوفیہ بھابی...... ایک ڈیڑھ سال میں یہ مجھے اور سودہ کو بھی وہاں بلائے گا، میں کوٹھی رینٹ پر دے کر جاؤں گی، پھر سامان کہاں فروخت کروں گی۔''

''سودہ دبئی جائے گی؟'' وہاں موجود صوفیہ، زمرد اور بوا نے حیرت سے ایک دوسرے کی جانب دیکھتے ہوئے بے اختیار کہا۔

''جی...... میں مما اور سودہ کو دبئی لے کر جاؤں گا۔'' ان کے درمیان بیٹھے پیارے میاں نے گردن ہلا کر تصدیق کی۔

''لیکن...... اچھی آپا آپ نے پہلے اس بات کا ذکر نہیں کیا کہ سودہ دبئی جائے گی، آپ کو پہلے بتانا چاہیے تھا۔'' صوفیہ ہک دک رہ گئیں، بوا اور زمرد کی حالت بھی ایسی تھی۔

''ارے بھئی آپ لوگ اس طرح خوف زدہ ہو گئی ہیں گویا سودہ دبئی نہیں کسی قید خانے میں جانے والی ہو حد ہو گئی لوگ تو ایسے رشتوں کی خواہش کرتے ہیں۔'' وہ سیب کی قاش منہ میں رکھتے ہوئے مسکراتے ہوئے گویا ہوئیں۔

''میں اپنی بیٹی کو اتنی دور نہیں بھیجوں گی وہ کبھی گھر سے ایک دن کے لیے بھی دور نہیں گئی...... دبئی میں کس طرح رہ سکتی ہے آپا ایک بار پھر سوچ لیں میں سودہ کو کسی صورت دبئی نہیں بھیجوں گی۔'' صوفیہ کے اٹل لہجے پر اچھی آپا اور پیارے میاں پریشان ہو گئے اچھی آپا جو انگور کے خوشے سے سرخ انگور کھانے میں مگن تھیں صوفیہ کی بات پر ان کا منہ اس طرح بنا گویا وہ انگور کے دانے کڑوی کسیلی گولی بن گئے ہوں کڑوی وبدمزہ کچھ توقف کے بعد گویا ہوئیں۔

''کیسی باتیں کر رہی ہو صوفیہ یہ کیا بات ہوئی بھلا تم اس بات پر رشتہ ختم کرنا چاہتی ہو کہ شادی کے بعد تمہاری بیٹی دبئی جا رہی ہے۔''

''ہاں میں سودہ کو دبئی نہیں بھیجوں گی یہ میرا فیصلہ ہے۔''

''ممانی جان آپ کیوں خوف زدہ ہو رہی ہیں دبئی کے نام سے میری وہاں جاب ہے' لگژری لائف ہے' سودہ کو کوئی تکلیف نہیں ہوگی پلیز، آپ ایسی باتیں نہ کریں سودہ ہماری زندگی میں ابھی سے داخل ہو گئی ہے ہر جگہ میں اس کی سرسراہٹ محسوس کرتا ہوں۔'' پیارے میاں کے دل کی دنیا ہی تباہ ہونے لگی تھی۔

''تم بھی نرالی بات کر رہی ہو صوفیہ شادی کے بعد کیا بیٹی کو رخصت نہیں کرو گی شادی کے بعد ہر لڑکی رخصت ہوتی ہے۔''

''آپ گلشن میں ہیں وہاں، ہم لوگ بآسانی سودہ سے ملنے آتے وہ بھی جب دل کرتا ملنے چلی آتی اتنی دور ایسا ممکن کہاں ہوگا شروع شروع میں لڑکیوں کا دل کہاں لگتا ہے سسرال میں۔''

''یہ سب پرانی باتیں تھیں اس دور میں لڑکیوں کا دل پہلے دن سے ہی سسرال میں لگتا ہے تم دیکھنا سودہ بھی تمہیں یاد کرنے والی نہیں۔'' وہ اپنی بات کے اختتام پر کھی کھی کر کے ہنسنے لگی۔ صوفیہ نے ایک نہ سنی اور انکار کر کے چلی گئی۔

❀......❀......❀

وہ دونوں باتوں میں مشغول تھیں معاً باہر سے آتی کچھ آوازوں نے چونکایا' دھم دھم کی خاصی نامانوس آوازیں تھیں۔

''اماں یہ کیسی آوازیں ہیں؟'' نویرہ وحشت زدہ ہوئی۔

''ارے تم کیوں اس قدر خوف زدہ ہو رہی ہو کچھ کام وام ہو رہا ہوگا امیر آدمی ہے کررہا ہوگا کچھ کنسٹرکشن کتنا بڑا ہے فارم ہاؤس۔''

''پتا نہیں کیوں اماں میرا دل بیٹھا جا رہا ہے۔''

''دل تو بیٹھے گا ہی کتنا بڑا فراڈ کیا ہے اور ماننے کو تیار نہیں' کہتا ہے میری بات نہیں مانی تو زندہ دفن کروا دے گا دولت مل جاتی ہے لوگوں کو وہ خود کو اللہ سمجھنے لگتے ہیں۔'' باہر سے آتی آوازوں میں شدت آگئی تھی نہ جانے کس خدشے کے باعث نویرہ کی حالت زرد پڑنے لگی تھی۔

''یہ کیا ہو رہا ہے تمہیں؟'' جہاں آرا بھی حالت دیکھ کر پریشان ہوگئیں۔

''میری بچی سنبھالو خود کو اس طرح تو تم جان سے جاؤ گی ہوش کرو اتنی جلدی ہمت ہار رہی ہو تم اور اس مردود شخص کے لیے میدان صاف کرنا چاہتی ہو، اس طرح فتح اس کی ہو جائے گی۔''

''اماں...... اماں مجھ کچھ ہو رہا ہے اماں، میں مر رہی ہوں مجھے بچالو...... بچالو میں مرنا نہیں چاہتی۔'' کئی گھنٹوں سے وہ حبس بے جا میں تھی کل رات جب یہ خبر ملی تھی کہ وہ حاملہ ہے سارے ارمانوں پر اوس گرگئی تھی کیونکہ وہ خود بھی ابھی اس پراسس سے گزرنا نہیں چاہتی تھی تین ماہ ہوئے تھے یوسف کے سنگ زندگی کا امرت پیتے ہوئے ابھی زندگی کے ان گنت لمحے گزارنے کی متمنی تھی مگر خواہش صرف خواہش رہتی ہے رات بڑی کٹھن گزری تھی وہ یہ خبر اس کو روبرو بتانا چاہتی تھی جانتی تھی وہ بھی اتنی جلدی یہ سب ہونے سے خوش نہیں ہوگا مگر موقع کی نزاکت دیکھتے ہوئے فوری نکاح کرنے پر راضی ضرور ہو جائے گا لیکن شومئی قسمت یہاں سب کچھ بدل گیا تھا۔

''ارے میری بچی نویرہ خود کو سنبھال ہوش کر میں کیا کروں یہاں تو پانی بھی نہیں ہے...... کیا کروں؟'' نویرہ نیم بے ہوشی میں مضطرب تھی وہ دیکھ رہی تھیں اس عالیشان کمرے میں پانی کا کہیں نام و نشان نہ تھا انہوں نے اٹھ کر دروازہ کھولنا چاہا تو وہ باہر سے لاکڈ تھا خوب دھڑ دھڑانے پر بھی نہ کھولا گیا جہاں آرا زیرلب یوسف اور اس کے خاندان کو مغلظات سے نواز رہی تھیں۔

''اماں۔'' درد و کرب میں ڈوبی بیٹی کی آواز پر وہ دوڑ کر اس کے پاس آئی تھیں جو اے سی کی ٹھنڈک میں بھی پسینے سے شرابور ہو رہی تھی شدید تکلیف سے چہرہ زرد پڑ چکا تھا۔

''تو ہمت مت ہار، میں تجھے مرنے نہیں دوں گی اس گھٹیا انسان کے ظلم کو پوری دنیا والوں کو نہ دکھایا تو میرا نام بدل دینا۔''

''پانی...... پانی۔'' وہ اِدھر اُدھر سر پٹخنے لگی۔

جہاں آرا اٹھ کر بھاگتی ہوئی کھڑکیوں کی طرف گئی تھیں وہ قدآور کھڑکیاں جو عقبی حصے کی طرف کھلتی تھیں اس طرف جنگلی گھاس و درختوں کے جھنڈ تھے آوازیں وہاں سے ہی آرہی تھیں جہاں آرا نے پردے ہٹا کر باہر دیکھا تو خوف سے آنکھیں پھٹ گئی تھیں۔

❀......❀......❀

آج ان کے گھر میں خوشیوں کا راج تھا۔ مدثر کی آنکھیں خوشی سے چمک رہی تھیں اور ایسی ہی چمک صالحہ اور شاہ زیب کی آنکھوں میں بھی تھی۔ سودہ نے بھی زید کو پہلی بار بات بات پر مسکراتے اور شوخ جملے بولتے دیکھا تھا شاہ زیب کے چٹکلے پر بھی وہ کھلکھلا کر ہنس پڑتا تھا۔

''پاپا اب آپ کو کچھ دیر آرام کرنا چاہیے سارا دن ہوگیا ہے آپ کو بے آرام ہوتے ہوئے آپ میڈیسن لے

کر سو جائیں۔'' زید کو باپ کی بے آرامی کا خیال آیا تو وہ گویا ہوا۔

''کیوں کیا تم دونوں جا رہے ہو، ابھی مت جاؤ۔'' مدثر جدائی کے نام سے ہی آبدیدہ ہوگئے تھے ان کا یہ انداز زید کو غم زدہ کر گیا وہ ان کا ہاتھ تھام کر گویا ہوا۔

''ابھی نہیں جا رہا، آپ کے سونے کے بعد جاؤں گا جانا تو پڑے گا ابھی ممی کو بھی فیس کرنا ہے میں نے ان کو بتایا نہیں تھا جانتا تھا وہ کبھی مجھے یہاں آنے کی پرمیشن نہیں دیں گی۔''

''جانتا ہوں، عمرانہ اور اس کی ضد کو لیکن زید تم اس کو مناؤ مجھ سے اب تم لوگوں سے دور رہا نہیں جاتا' کوئی تدبیر ایسی کرو کہ عمرانہ کا دل موم ہو جائے تم نے دیکھا صالحہ ایک بے ضرر اور کمپرومائز کرنے والی عورت ہے عمرانہ اگر اس کو ملازمہ بنا کر بھی رکھنا چاہے گی تو اس کو اعتراض نہ ہوگا۔'' وہ اس کا ہاتھ تھام کر گلوگیر لہجے میں گویا ہوئے۔

''آپ بالکل بھی فکر مت کریں پاپا میری ہر ممکن کوشش ہوگی ہم ساتھ مل کر رہیں' میں بھی آپ کے بغیر رہنا نہیں چاہتا بہت دور رہ لیا' بے حد جدائی برداشت کرلی غلط و صحیح کی پہچان ہوگئی ہے۔'' وہ تسلی اور دلاسے دیتا ہوا ان کے پاس اس وقت تک بیٹھا رہا جب تک وہ نیند میں چلے نا گئے۔

صالحہ نے ان کی خاطر و مدارت میں کوئی کمی نہ رکھی تھی ان کے ہاتھ میں بے حد ذائقہ و لذت تھی دوپہر کھانے کے علاوہ شام کی چائے پر انہوں نے خوب اہتمام کیا تھا اور اصرار کر کے ان کو کھلایا بھی تھا۔ سودہ اور زید نے بے تکلفی سے تعریف کی' ان کے اخلاق و خلوص نے زید کو بہت زیادہ متاثر کیا تھا صرف ایک دن میں ہی وہ ان کے خلاف نفرت کو مٹا چکا تھا۔ شاہ زیب اس کو اپنے کمرے میں لے آیا جہاں وہ اس سے کوئی خاص بات کرنا چاہتا تھا۔

''روم بہت خوب صورت ہے تمہارا، خاصی کیئر سے رکھا ہوا ہے۔'' وہ ستائشی لہجے میں گویا ہوا۔

''اس کا کریڈٹ مما کو جاتا ہے ملازموں کے ہونے کے باوجود وہ کام میں لگی رہتی ہیں یہ سب کر کے انہیں دلی سکون ملتا ہے۔''

''ریئلی شی از گریٹ وومن، میں ان سے مل کر بہت متاثر ہوا ہوں میرے ذہن میں سوتیلی ماں کا روایتی تصور تھا وہ اس کے بالکل برعکس ہیں۔'' اس نے خلوص دل سے صالحہ کے لیے جذباتی اظہار کیا تھا۔ شاہ زیب نوٹ کر رہا تھا آج زید بالکل بدلا ہوا ہے پہلے کی طرح بے زاری، بے رخی اور اکتاہٹ کا کوئی شائبہ بھی نہ تھا وہ پاپا اور مما سے ایک ذمہ دار پیار کرنے والے بیٹے کی مانند ملا تھا اور اس کے ساتھ اس کا انداز بڑے بھائی والی محبت و شفقت والا تھا' شاہ زیب اس کے انداز پر نثار ہوگیا تھا اور اپنے رب کا شکر گزار تھا کہ طویل سالوں کی مسافت کے بعد ان کے تاریک گھر میں بھی محبت و یگانگت کا سورج چمک اٹھا تھا۔

''بھائی میں کوئی خواب تو نہیں دیکھ رہا ناں؟'' اس کے گلے لگتے ہوئے جذباتی لہجے میں گویا ہوا' زید نے جواباً اس کو محبت سے لپٹاتے ہوئے مسکرا کر کہا۔

''نہیں...... یہ خواب نہیں...... خواب کبھی اتنے طویل نہیں ہوا کرتے۔ تم مجھے یہاں کوئی خاص بات بتانے کے لیے لائے ہو کیا بات ہے وہ؟'' وہ اس سے علیحدہ ہوتا سنجیدگی سے گویا ہوا۔

''بات دراصل یہ ہے کہ......'' وہ ہچکچا کر چپ ہوگیا۔

''بات ہے کیا جو تم کہہ نہیں پا رہے ہو؟''

''بھائی پاپا کی ایک آرزو آپ نے یہاں یعنی اس گھر کو رونق بخش کر پوری کردی ہے اگر دوسری بھی پوری

کردیں تو میں آپ کو یقین دلاتا ہوں پاپا کو بائی پاس کرانے کی ضرورت ہی نہیں پیش آئے گی، وہ صحت یاب ہوجائیں گے بالکل چاق وچوبند۔'' وہ امید بھرے انداز میں آہستگی سے کہہ رہا تھا۔

''آرزوئیں پوری کہاں ہوتی ہیں' خواہشوں کی تکمیل صرف رب کے ہاتھ میں ہے تم سودہ کو بلاؤ۔'' وہ اس کی ہچکچاہٹ ومحتاط روی دیکھ کر اس کی بات کی نوعیت کچھ کچھ سمجھ گیا تھا سوٹالتے ہوئے گویا ہوا۔

''ابھی بھی وقت ہے آپ سودہ سے شادی کرکے پاپا کو خوشیوں سے ہمکنار کرسکتے ہیں ان کو اوپن ہارٹ سرجری سے بچاسکتے ہیں۔''

''کیسی باتیں کررہے ہو شاہ زیب...... وہ اب کسی اور کی امانت ہے۔''

''وہ پیارے میاں کی فیانسی ہے منکوحہ نہیں۔''

''میں تمہیں بہت پہلے کہہ چکا ہوں ایسا ممکن نہیں ہے' ممی کبھی بھی ایسا ہونا برداشت نہیں کریں گی میں نے آج یہاں آکر ایک عہد سے روگردانی کی ہے میں بار بار ایسا نہیں کرسکتا۔'' وہ دوٹوک انداز میں کہہ کر وہاں سے نکل گیا تھا۔

❀......❀......❀

''لاریب فیوچر کے بارے میں آپ کی کیا پلاننگ ہے کچھ سوچا ہے آگے کیا کرنا ہے' کس طرح لائف اسپنڈ کرنی ہے' لائف پارٹنر کے بارے میں کیا آئیڈیل ہے؟'' سامعہ اس کے قریب بیٹھتے ہوئے گویا ہوئیں۔

''آر یو او کے مما؟'' وہ واک مین پر میوزک سن رہا تھا ان کے پے در پے سوالات پر واک مین ٹیبل پر رکھتا حیرانی سے گویا ہوا۔

''جی...... میں بالکل ٹھیک ہوں۔''

''لیکن آپ ایسے کویسچنز کیوں کررہی ہیں؟''

''جو کویسچنز کرتا ہے اس کا دماغ خراب ہوتا ہے کیا؟'' وہ مائنڈ کرتے ہوئے الٹا سوال کرنے لگیں۔

''نو نو...... مما آپ کبھی اتنے کویسچنز کرتی نہیں ہیں ناں؟''

''آج کررہی ہوں جواب دیجیے۔''

''فیوچر پلاننگ...... فیوچر میں ہی کروں گا ابھی سے کیا کرنا ہے پلاننگ کرکے ابھی تو عیش کرنے کے دن ہیں مما۔'' وہ شوخی سے گویا ہوا۔

''ایم سیریس لاریب میں نے بہت زیادہ آپ کو ڈھیل دی ہوئی ہے' بچہ سمجھ کر ایسے موقعوں پر بھی ساتھ دیا جہاں کوئی ماں نہیں دے سکتی تھی مگر اب بہت ہوگیا۔'' وہ تعجب سے ان کی طرف دیکھ رہا تھا جو بے حد سنجیدہ تھیں۔

''میں اور آپ کے ڈیڈی چاہتے ہیں آپ بزنس جوائن کریں۔''

''میں اور بزنس جوائن کروں گا اٹس امپاسبل۔'' وہ بری طرح بدکا۔

''جس اسپیڈ سے آپ دولت لٹارہے ہیں اگر یہی حال رہا تو ہم کل کروڑ پتی سے روڈ پتی ہوجائیں گے آپ اتنا پیسہ کہاں خرچ کررہے ہیں معلوم بھی ہو ہمیں۔''

''روڈ پتی ہاہاہا جوک کرتی ہیں مما۔'' وہ ہنس دیا۔

''یہ جوک نہیں ہے اور آپ اس بات کو مذاق میں اڑانے کی سعی نہ کریں۔ اتنا پیسہ کہاں لٹارہے ہیں جواب دیں۔'' ان کا لہجہ سخت تھا لاریب نے حیرت و بے یقینی سے ان کی طرف دیکھا' جہاں نرمی ومحبت کا شائبہ تک نہ تھا

اس کا موڈ آف ہوگیا۔

''اب میرے پیسے کا حساب مجھ سے ہی لیا جائے گا وائے؟''

''ٹمٹ ہوتی ہے ہر چیز کی اور آپ لمٹ سے باہر نکل گئے ہیں بازاری عورتوں پر پیسہ لٹالٹا کر دل کیوں نہیں بھرتا آپ کا' ایک عرصہ گزر گیا لیکن آپ ان بازاری عورتوں کے چنگل سے آزاد ہونے کو تیار ہی نہیں' اسی لیے میں نے اور آپ کے ڈیڈی نے فیصلہ کیا ہے آپ کی شادی کا۔'' سامعہ کسی طور بھی سمجھوتے کو تیار نہ تھی۔

''یہ کس طرح مان لیا آپ نے کہ آپ لوگ فیصلہ کریں گے اور میں مان لوں گا یہ آپ لوگوں کی خوش فہمی ہے۔''

''کیا مطلب ہوا اس بات کا' آپ ہمارے فیصلوں کو رد کریں گے؟'' وہ تیوڑی چڑھا کر گویا ہوئیں۔

''پھر کیا میں کسی مشرقی لڑکی کی مانند سر جھکا کر حامی بھرلوں گا...... ڈونٹ مائنڈ مما میں شادی کرنے کا قائل ہی نہیں ہوں۔'' وہ بلا جھجک بدکلامی کررہا تھا۔

''آخر شادی سے بھاگنے کا مقصد کیا ہے' غیر عورتوں کے ساتھ وقت گزارنے سے بہتر ہے شادی شدہ لائف اسپنڈ کریں۔''

''جب شادی کے بنا ہی سب کچھ مل رہا ہے تو پھر شادی کرکے قیدی بن جانا سب سے بڑی حماقت ہے۔'' جواباً وہ منہ کھول کر رہ گئیں۔

یہ سب ان کی تربیت کا ہی اثر تھا اگر وہ اس کے گمراہی کی جانب بڑھتے قدموں کو پہلے قدم پر ہی روک لیتیں تو آج وہ ایسی شرمناک باتیں ان کے سامنے کرنے کی جرأت نہ کرتا جس کا مظاہرہ انہوں نے آج دیکھا تھا اور اس کو معمولی سی بھی جھجک نہ تھی۔

''اوکے ایز یو وش لاریب لیکن اب آپ کی پاکٹ منی ہوگی صرف پاکٹ منی اکاؤنٹ سے آپ کو کچھ نہیں ملے گا۔''

''یہ چیٹنگ ہے مما۔'' وہ بوکھلا گیا۔

''آپ بھی ہمارے ساتھ چیٹنگ کرتے آئے ہیں' معلوم ہوگا آپ کو اب نوٹ درختوں پر نہیں لگتے' بڑی محنت کے بعد کمائے جاتے ہیں۔'' وہ کہہ کر چلی گئیں' اس نے غصے میں واک مین فرش پر دے مارا۔

❀......❀......❀

گھر میں خوشگوار تبدیلی کا آغاز ہوچکا تھا مدثر صاحب کے گھر سے واپسی پر سب نے ہی ماسوائے منور صاحب کے صالحہ کے بارے میں پوچھا تھا کہ وہ کس مزاج اور کیسے اخلاق کی مالک ہیں ان لوگوں کو دیکھ کر اس کا رویہ کیسا تھا وہ ان سے کس انداز میں ملی وغیرہ وغیرہ۔ زید نے حسب عادت سب کچھ مختصراً بتایا تھا، پھر وہ لوگ سودہ کی طرف متوجہ ہوگئی تھیں عورتوں کی عادت ہوتی ہے ایک ایک بات کرید کرید کر پوچھنے کی، یہ شغل وہ اپنا سودہ سے پوچھ کر پورا کررہی تھیں وہ وہاں سے اٹھ کر اوپر چلا آیا جہاں عمرانہ محو خواب تھیں۔ وہ پارک سے گھر آگئی تھیں' رضوانہ اور عروہ سے جھگڑے نے ان کا دل بری طرح سے مکدر کردیا تھا یہ ان کے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا کہ جان نچھاور کرنے والی بہن وبھانجیاں دل میں اس طرح کا خار رکھتی ہیں' انہوں نے صدق دل سے کوئی رشتہ نبھایا تھا تو وہ یہی رشتہ تھا اور یہاں پر جس طرح سے انہیں دھوکا ملا تھا اس نے ان کے دل کو بری طرح سے گھائل کردیا تھا، گھر آکر مائدہ کی غیر موجودگی میں وہ چپکے چپکے روتی رہی تھیں آج شدت سے احساس ہوا تھا ان کا سچا چاہنے والا' ان کا مان رکھنے والا' ان کی دل سے خیر خواہی کرنے والا صرف ان کا لخت جگر زید ہے جس نے مشکل دور میں

بھی ان کا ساتھ نہیں چھوڑا تھا۔

مائدہ سے بھی ان کو شکایت تھی بیٹی ہو کر بھی اس نے جنید والے معاملے میں ان کو اعتماد میں نہیں لیا تھا بہت بعد میں جا کر اس نے بتایا تھا اور یہاں ممتا سے مجبور ہو کر انہوں نے اس کا ساتھ دیا تھا۔ ان سے بے لوث محبت کرنے والا زید ہی تھا وہ اس کا تصور لیے ہوئے ہی دواؤں کے زیر اثر سوگئی تھیں جبکہ زیدان کے بے ٹائم سونے سے فکر مند ہوگیا اور مائدہ سے ان کے سونے کی وجہ پوچھنے لگا تھا۔

''بھائی، خالہ کے گھر سے واپسی پر ممی سوگئی ہیں کہہ رہی تھیں تھکن فیل ہو رہی ہے۔'' مما کے منع کرنے پر وہ جھگڑے والی بات چھپا گئی تھی۔

''ایسا پہلے کبھی نہیں ہوا ممی خالہ کے گھر سے ہشاش بشاش آتی تھیں۔'' اس کا ذہن ماں کے بے وقت سونے پر الجھنے لگا تھا مائدہ اندر ہی اندر خوف زدہ ہوگئی تھی یہ سوچ کر اگر اس کو پتا چل گیا پھر نجانے کیا ہو۔ اس نے ان کی نبض چیک کی پیشانی پر ہاتھ رکھ کر ٹمپریچر دیکھا سب نارمل تھا وہ مطمئن ہوگیا ویسے بھی وہ اس وقت ان کا سامنا کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھا اس وقت ان کا سونا اس کے لیے غنیمت ثابت ہوا تھا پھر قریب بیٹھی مائدہ سے مخاطب ہوا۔

''تم یہاں کیوں بیٹھی ہو ممی سو رہی ہیں۔''

''وہ...... وہ میں ممی کے پاس بیٹھ گئی تھی ایسے ہی۔'' وہ خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتی ہوئی بولی۔ اس کے آنے سے قبل وہ جنید سے بات کر رہی تھی سیڑھیوں سے آتی اس کی آواز سن کر اس نے فون ممی کے تکیے کے نیچے کھسکا دیا تھا۔

''یہی کہہ رہا ہوں ممی سو رہی ہیں تم یہاں کیوں بیٹھی ہو نیچے جا کر سب کے ساتھ بیٹھو، میں دیکھ رہا ہوں تم گھر والوں کو اوائیڈ کرنے لگی ہو۔ عفرا عروہ کے ساتھ رہ کر تمہارا دماغ خراب ہوگیا ہے۔'' اس کے لہجے میں ناگواری در آئی تھی۔

''نہیں...... نہیں ایسی تو کوئی بات نہیں ہے تائی جان اور پھوپو کو میں کمپنی دیتی ہوں ایک سودہ ہے جو منگنی کے بعد مجھے ٹائم ہی نہیں دے رہی' وقت بے وقت وہ فون پر اپنے فیانسی کے ساتھ باتیں کرتی رہتی ہے مجھے ٹائم ہی کہاں دیتی ہے اس کو پیارے میاں سے ہی فرصت نہیں ملتی۔'' وہ بھولی سی صورت بنا کر گویا ہوئی۔

''مائدہ میں بھی گھر میں ہی رہتا ہوں اور بلز بھی پے کرتا ہوں اور بل پر تمام ڈیٹیلز ہوتی ہیں اور مجھے آج تک کوئی ایسا کال ریکارڈ نہیں ملا کہ یہاں سے گلشن کالز کی گئی ہوں ایک کال کا بھی نہیں ملا۔''

''ٹھیک کہتی ہے عروہ بھائی کے دل میں ضرور کوئی نرم گوشہ سودہ کے لیے موجود ہے کس طرح اس کی حمایت کی ہے۔'' مائدہ دل میں سوچ کر رہ گئی۔

''بھائی آپ نہیں سمجھ سکتے سودہ کو وہ بہت چالاک ہے۔''

''او کے میرے کمرے میں چائے لے آؤ، لیکن کچھ دیر بعد۔'' وہ کہہ کر اپنے کمرے میں چلا گیا کچھ دیر تک آنکھیں بند کرکے بیڈ پر نیم دراز رہا وہ کچھ سوچنا نہیں چاہتا تھا۔ ایک ہمالیہ سر کرلیا تھا ابھی ایک اور سر کرنا باقی تھا۔

❀......❀......❀

بابر نے پہلی فرصت میں نوفل کی زبانی سنی گئی تمام گفتگو عاکفہ کو سنائی تھی جس کو سن کر وہ ششدر رہ گئی تھی۔

''ہاں میں بھی اسی طرح حیران اور پریشان رہ گیا تھا انشراح اس کے ساتھ اس طرح کا برتاؤ کرے گی' وہم و گمان میں بھی ایسی بات نہیں تھی اس نے ایسا کیوں کیا...... کیا چاہتی تھی وہ؟'' اسے گم صم دیکھ کر بابر اپنی ہتھیلی پر مکا

مار کر بولا۔

''کیا چاہتی تھی وہ آئی ڈونٹ نو؟ مجھ سے اس نے کبھی نوفل بھائی کے لیے اس طرح کی کوئی بات یا کوئی خیال ظاہر نہیں کیا کہ جس سے اخذ کیا جاسکے کہ وہ ان کے خلاف کچھ بغض رکھتی ہے۔''

''سیدھی بات یہی ہے تمہاری دوست دل سے نوفل کو معاف نہیں کرسکی تھی اور انتقام لینے کے لیے کسی ایسے ہی موقع کی تلاش میں تھی جو قسمت سے اس کو جلد ہی مل گیا لیکن اب یہ قسمت کی یاوری تھی یا نوفل کی حاضر دماغی وہ خود کو بچا گیا۔''

''آف کورس بابر انشی نے بہت خطرناک بات کی ہے میں بھی نوٹ کر رہی تھی کچھ دن سے نوفل بھائی کے رویے میں انشی کے لیے خوشگوار تبدیلی محسوس ہو رہی تھی ان کے دل میں اس کے لیے کوئی نرم گوشہ پیدا ہو رہا تھا وہ گزشتہ رویے کی تلافی خوش مزاجی سے کر رہے تھے اور ایسا کوئی تبھی کرتا ہے جب کسی کو اپنا سمجھتا ہے۔''

''پہلی بار میں نے اس کے جذبات پر گری ہوئی برف پگھلتی ہوئی دیکھی تھی اور ابھی پگھلی بھی نہیں تھی کہ یہ سب ہوگیا۔''

''آپ فکر مت کریں بابر میں آج ہی اس سے معلوم کروں گی کہ اس نے ایسا کیوں کیا؟'' عاکفہ اس کو تسلی دیتی ہوئی اٹھ گئی کیونکہ آج کل فائنل والوں کے ایگزامز ہو رہے تھے اور ان کی چھٹیاں ہوگئی تھیں انشراح کی اس سے بات فون پر ہی ہو رہی تھی۔

وہ اس کی نانی کے خوف سے کم ہی وہاں کا رخ کرتی تھی اور کبھی جاتی بھی تو شام کو ہی جاتی تھی کیونکہ اس کی نانی شام کو عموماً گھر سے باہر ہی گزارنے کی عادی تھیں بابر نے اس کو وہاں ڈراپ کیا تو شام ہو رہی تھی حسب عادت وہ گھر پر موجود نہیں تھیں۔

''ارے عاکفہ تھینکس گاڈ تم آگئیں میں بہت یاد کر رہی تھی تمہیں۔'' اس کو دیکھتے ہی بالی والہانہ انداز میں اس کی طرف بڑھی۔

''بس رہنے دو یہ منہ دیکھے کی محبت اگر تمہیں میری یاد آرہی تھی تو مجھ سے ملنے گھر آجاتی انشراح کے ساتھ۔'' وہ بالی کے بعد انشراح سے ملتی ہوئی مصنوعی خفگی سے گویا ہوئی۔

''انشراح بہت کہتی ہے مگر جب بھی جانے کا کرتی ہوں ماسی کو کوئی نہ کوئی کام یاد آجاتا ہے اور مجھے رکنا پڑ جاتا ہے۔'' وہ ملازمہ کو اسنیکس تیار کرنے کا حکم دے کر آئی تھی۔

''آنٹی کی بات ہی کیا ہے اگر ان کا بس چلے تو وہ انشی کو بھی نہ آنے دیں وہ ملنا کب پسند کرتی ہیں ہمارا۔''

''تم غم مت کرو نانی ایسی بے رحم بھی نہیں ہیں غصے میں ہر کسی کا لہجہ بدل جاتا ہے یہی رویہ نانی کا ہوتا ہے اور تم سناؤ اس طرح کیسے آنا ہوا تم تو انفارم کیے بنا آتی نہیں ہو سب خیر تو ہے۔'' انشراح سنجیدگی سے گویا ہوئی۔

''تم نے نوفل بھائی کے ساتھ کون سا کھیل کھیلا ہے کس بات کی سزا دی ہے ان کو؟'' عاکفہ خفگی بھرے انداز میں گویا ہوئی۔

''اچھا تم اس کی حمایتی بن کر آئی ہو۔''

''حمایتی بن کر نہیں آئی۔''

''یہ حمایت نہیں تو کیا ہے اور کس طرح حمایت کی جاتی ہے۔''

''میں سچ معلوم کرنے آئی ہوں' یہ پوچھنے آئی ہوں تم نے ان کو ابھی تک معاف کیوں نہیں کیا، جبکہ وہ کب کا

تمہیں معاف کرچکے ہیں اوران کے معاف کرنے کی سزا یہ ہے کہ تم نے انہیں کو ہی تماشہ بنا دیا' سرعام بے عزتی کی، انہیں رسوا کردیا۔"

"وہ سب ایک مذاق تھا جسٹ اے جوک۔" وہ کھلکھلا کر ہنسی۔

"وہ مذاق تھا یا تم اب کوئی مذاق کررہی ہو، ذرا سوچو وہاں ان سے گولی چل جاتی کوئی مرجاتا تو پھر کیا ہوتا؟"

"کچھ بھی نہیں ہوتا وہ دس بیس لوگوں کو بھی ماردیتا تو بچ جاتا بھلا ایسے لوگوں کو بھی کچھ ہوتا ہے جن کے پیچھے فل سپورٹ ہو۔" اس کے لہجے میں نفرت کا پھوٹتا لاوا دیکھ کر بالی نے مداخلت کی۔

"شدید گرمی کی وجہ سے اس کا دماغ چل گیا تھا خوامخواہ نوفل بھائی کو بھی پریشان کیا اس نے' تمہیں اس کی عادت معلوم ہوگی اپنا غصہ بلاوجہ ہی سامنے والے پر اتار دیتی ہے اب بھی اس نے یہی کیا۔"

"یہ کیسا غصہ ہے جو سامنے والے کو ہلاک کردے۔"

"بڑی حمایتی بن رہی ہو بہن کا کردار ادا کررہی ہو یا اس کے علاوہ بابر نے بھی خوب کان بھر کر بھیجا ہے تمہیں۔" وہ خود پر قابو پاتی ہوئی مسکرا کر بولی۔

عاکفہ نے اس کی طرف تاسف بھرے انداز میں دیکھا پھر اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر گلوگیر لہجے میں کہنے لگی۔

"سچ مچ تم نے ان سے مذاق کیا تھا یا تمہارا مقصد کچھ اور تھا۔"

"مذاق کیا تھا میں نے اور کیا کہلوانا چاہتی ہو تم؟"

"یہ تم نوفل بھائی کے سامنے کہہ دوگی وہ بہت ہرٹ ہوئے ہیں تمہارے اس بی ہیویئر سے۔" عاکفہ امید بھرے لہجے میں بولی۔

❀......❀......❀

پیارے میاں اس کے سامنے کسی فریادی کی مانند گردن جھکائے ہوئے کھڑا تھا' وہ اس کی آفس آمد سے قبل ہی یہاں براجمان تھا اور اس کے آتے ہی وہ کسی ریموٹ سے چلنے والے کھلونے کی طرح شروع ہوگیا تھا۔ کل ہونے والی باتوں کو دہراتا چلا گیا۔

"میری کل سے بھوک پیاس اڑگئی ہے رات کو نیند بھی نہیں آتی یہی سوچ سوچ کر اگر سودہ میری نہیں ہوئی تو میں مرجاؤں گا میں خوابوں میں اس کے ساتھ کہاں سے کہاں پہنچ گیا ہوں۔"

"صوفیہ پھوپو کی بات بالکل ٹھیک ہے تم کو بتانا چاہیے تھا کہ تم فیملی کے ساتھ دبئی میں سیٹل ہوجاؤ گے پھر وہ کوئی فیصلہ کرتیں۔"

"غلطی ہوگئی مجھے معلوم نہ تھا یہ معمولی سی بات ایک بلنڈر بن جائے گی' آپ صوفیہ ممانی کو منائیں میں وعدہ کرتا ہوں سودہ کو دبئی لے کر نہیں جاؤں گا بلکہ میں یہیں کراچی میں جاب کروں گا۔ سودہ کی خاطر میں سب کچھ چھوڑ سکتا ہوں مگر سودہ کو نہیں۔" اس کے منہ سے سودہ سودہ کی تکرار اس پر پتھروں کی مانند برس رہی تھی کتنا کٹھن تھا اس دشمن جاں کا نام کسی کے لبوں سے سننا۔

"میں پوری کوشش کروں گا کہ صوفیہ پھوپو مان جائیں۔"

"کوشش نہیں...... کوشش نہیں پکا آپ یہ کام کریں گے۔ آپ یہ کام کرسکتے ہیں میرا دل کہتا ہے آپ کی بات گھر میں مانی جاتی ہے میں نے منور انکل کو بھی آپ کی رائے کے بغیر کوئی کام کرتے نہیں دیکھا۔" وہ اٹھ کر اس

انسانیت کے لئے قیمتی تحفہ

میاں بیوی کن باتوں کا خیال رکھ کر
ایک دوسرے کا دل جیت سکتے ہیں
یہ تمام باتیں آپ
کو اس میموری کارڈ میں ملیں گی۔

8GB اور 16GB میموری کارڈ

جس میں اسلامی دنیا کے عظیم سکالر عالم اسلام کے سب سے بڑے شیخ
تاجدار اولیاء نقشبند محبوب العلماء والصلحاء

حافظ پیر حضرت مولانا ذوالفقار احمد صاحب نقشبندی مجددی کے زبردست آڈیو بیانات ہیں

یہ بیانات تقریباً ہر موضوع پر ہیں۔
ان بیانات میں اولاد کی تربیت سے لے کر ازدواجی زندگی تک ہر موضوع پر بیان ہیں ازدواجی زندگی کے بارے میں حضرت جی نے ایسی قیمتی باتیں بتائی ہیں جو سونے کی سیاہی سے لکھنے کے قابل ہیں

سورۃ یوسف کی تفسیر میں حضرت جی نے نوجوان بچوں اور نوجوان بچیوں کو پاک دامنی کی صفت پر جو انعام اللہ تعالیٰ عطا فرماتے ہیں اسے خوب کھولا ہے۔ ہر نوجوان بچے اور بچی کیلئے ان بیانات کا سننا بہت فائدہ مند ثابت ہوگا۔
جن لوگوں کی زندگی گھریلو جھگڑوں مثلاً بچوں کے جھگڑے بڑوں کے جھگڑے، گھریلو جھگڑے، سسرال کے جھگڑے شوہر اور بیوی کے جھگڑے، پڑوسیوں کے جھگڑوں کی وجہ سے جہنم بن چکی ہے ان سب کے لئے حضرت جی نے اپنے بیانات میں جو اصول بتائے ہیں ان پر عمل پیرا ہوکر ہم اپنے گھر کو جنت کا گلشن بناسکتے ہیں۔ شادی بیاہ کے موقع پر اپنے قریبی رشتے دار عزیز واقارب دوست احباب کو اور والدین کی طرف سے اپنی اولاد کو گفٹ دینے کے لئے اور کامیاب زندگی گزارنے کیلئے یہ میموری کارڈ بہترین تحفہ ہے۔ ان بیانات کو سن کر بہت سے لوگ گناہوں سے توبہ تائب ہوکر نیکوکاری کی زندگی گزار رہے ہیں۔

نوٹ
ہر بیان کے آخر میں جو دعا ہے وہ ضرور سنیں۔

یہ میموری کارڈ بذریعہ ڈاک منگوانے کیلئے ان نمبرز پر رابطہ کریں

حافظ محمد جھانگیر
0333-8391699
0305-2012372
ڈیرہ غازی خان

8GB میموری کارڈ
بیانات 415 قیمت -/640 روپے

16GB میموری کارڈ
بیانات 650+ تین قراء حضرات کی آواز میں تین مکمل قرآن پاک کی تلاوت

16GB میموری کارڈ قیمت صرف -/840 روپے میں

کے قدموں میں بیٹھ گیا۔

''ارے......ارے یہ تم کیا کررہے ہو؟'' وہ بوکھلا کر اٹھ کھڑا ہوا۔

''میں آپ کے پاؤں پکڑ کر التجا کرنا چاہتا ہوں۔''

''پلیز یہ حرکت آئندہ مت کیجیے گا اسٹینڈ اپ۔'' اس نے حقیقتاً اس کے پاؤں پکڑ لیے تھے زید نے بازو تھام کر اس کو اٹھایا وگرنہ وہ اس کے پاؤں پکڑ کر بیٹھا رہتا۔

''پھر آپ وعدہ کررہے ہیں ناممانی جان کو راضی کرنے کا آپ ان کو راضی کریں میں اگلے ہفتے ہی بارات لے کر آجاؤں گا کہ اب اس معاملے کو طول دینا بے وقوفی ہوگی۔''

❀......❀......❀

اس کے دلی جذبات اور ماضی کی داستان سے بے خبر عاکفہ خوب معافی و درگزر کے درس دے کر گئی تھی اور ساتھ یہ بھی انکشاف کر گئی کہ اس کو اور بابر کو پکا یقین ہے وہ خاموشی سے اس کو چاہنے لگا ہے وہ اس کے سرگوشی بھرے انکشاف پر دل ہی دل میں مسکرا اٹھی تھی۔ اس کی نگاہوں کی بدلتی رنگت سے پہلے وہ خود آشنا ہوئی تھی ایسی کون سی لڑکی ہوگی جو صنف مخالف کی بدلتی، بولتی نگاہوں کی زبان نہ سمجھ پائے وہ بھی پہلے سے جان گئی تھی۔

''انشی میری بات مان جاؤ پلیز ماسی کی باتوں میں آ کر اپنی لائف برباد مت کرو بھول جاؤ انتقام اور بدلے کی باتیں کچھ نہیں رکھا ان فضول جذبوں میں تم نوفل کی محبت کو تسلیم کرلو۔'' عاکفہ کے جانے کے بعد بالی لجاجت سے سمجھانے لگی۔

''محبت کو تسلیم کرلوں اور جب کل اس پر میری حقیقت کھلے گی اس کو معلوم ہوگا میں ایک ناجائز اولاد ہوں پھر کیا ہوگا؟'' اس کے دل کا زخم رسنے لگا تھا۔

''پھر کچھ نہیں ہوگا تم ناجائز ہی سہی......لیکن حقیقت میں اس کے تایا کی بیٹی ہو، اس خاندان کا ہی خون ہو پھر جو پیار کرتے ہیں وہ ایسی باتوں کو اہمیت نہیں دیتے۔''

''مجھے میرے باپ نے سگا نہیں مانا پھر وہ کہاں مانے گا محبت کا بھوت دو دن بعد اتر جائے گا تو پھر میں کہاں دکھائی دوں گی اس کو گھر میں رکھنے کے لیے وہ خاندانی بیوی لائے گا۔''

''تم......خود سے مفروضے قائم کرلیتی ہو ایک بار اس کی محبت کو آزما کر دیکھو ماسی کی باتوں میں مت آؤ وہ صرف پیسے سے پیار کرتی ہے اگر کوئی پارٹی تگڑی لگ گئی تو وہ راتوں رات تمہیں بیچ دے گی کئی لڑکیوں کو بیچتے دیکھا ہے میں نے ماسی کو وہ آنکھوں سے کاجل چراتی ہے اور کسی کو پتا بھی نہیں چلتا ہے ویسے بھی وہ آج کل لاریب پر ضرورت سے زیادہ مہربان ہے۔'' بالی نے تہیہ کرلیا تھا اس کے دل سے انتقام و بدلے کی آگ بجھانے کا، کچھ کچھ انشراح کو بھی اپنی جلد بازی کا احساس ہونے لگا تھا۔ کل اس نے اس کا تماشا بنا کر زیادتی کی تھی پھر کیا ضرورت تھی جب بندہ شہد سے مرنے کو تیار ہو تو زہر سے مارنا حماقت کیوں کی جائے۔

اس نے خاصی سوچ بچار کے بعد نوفل کو کال ملائی۔

''یس نوفل اسپیکنگ۔'' گمبھیر و بھاری آواز گونجی۔

''میں انشراح بات کررہی ہوں۔'' وہ اطمینان سے بولی جبکہ وہ اس کی آواز سن کر خاموش رہا پیشانی پر شکنیں ابھر آئی تھیں دل نے چاہا لائن ڈسکنکٹ کردے مگر چاہنے کے باوجود نہ کرسکا۔

''ایم سوری مجھ سے بہت بڑی غلطی ہوگئی کل۔''

''دماغی توازن درست ہوگیا ہے آپ کا؟''

''شاید کل میرا دماغ ہی خراب ہوگیا تھا جو میں نے پاگل پن کا مظاہرہ کیا اپنا بھی تماشا بنوایا آپ کو بھی مشکل میں ڈالا۔'' آواز میں ایک جہاں کا سوز و کرب پنہاں تھا۔

''اب کس مشکل میں ڈالنے کا ارادہ ہے؟'' وہ ذرا بھی نہ پگھلا۔

''میں نے کل آپ سے مذاق کیا تھا؟''

''اوہ آپ کا مذاق اتنا سنگین ہے پھر انتقام کیسا ہوگا؟''

''اب آپ مانیں نہ مانیں میں آپ کو فورس نہیں کروں گی میں نے اس لیے آپ سے معافی مانگی ہے کہ مجھے فیل ہوا میں نے آپ کے ساتھ زیادتی کی ہے معاف کریں نہ کریں آپ کی مرضی ہے۔'' اس بار اس کے لہجے کی نرمی و گداز پن جھنجلاہٹ میں بدل گیا تھا۔

''لگتا ہے زبردستی معافی مانگنے پر مجبور کیا گیا ہے؟'' اچانک ہی لہجے کی سختی شوخی میں بدلنے لگی تھی اور لاؤنج سے گزرتی ساریہ چونک کر وہیں رک گئی تھی اس کے کان اور آنکھیں صوفے پر بیٹھے نوفل پر مرکوز ہوگئیں جس کی اس طرف پشت تھی۔

''ارے کون معافی مانگنے پر مجبور کرسکتا ہے مجھے؟''

''عاکفہ بھابی یہ گمان رکھتی ہیں۔''

''اوکے، خوش ہوجائیں یہ سوچ کر کہ کوئی مجھے مجبور کرچکا ہے ورنہ میں صرف اپنے دل کی بات مانتی ہوں۔''

''چلو جاؤ معاف کیا تمہیں کیا یاد کرو گی کس سخی سے پالا پڑا ہے۔'' اس نے شاہانہ انداز میں کہتے ہوئے لائن ڈسکنکٹ کردی تھی۔

''کون تھی وہ لڑکی؟'' ساریہ آگ کے گولے کی مانند بھڑکتی ہوئی وہاں آئی تھی اور نوفل کے سامنے تن کر کھڑی ہوگئی تھی۔

''بڑے شریف بنے گھومتے ہیں دیکھ لی آج میں نے آپ کی شرافت بھی کس طرح شوخی بھرے انداز میں اس لڑکی سے بات کررہے تھے۔''

''گیٹ لاسٹ میں تم سے بات کرنا نہیں چاہتا۔'' وہ کھڑا ہوتا ہوا سرد مہری سے بولا۔

''دیکھنا ابھی میں تمہاری شرافت کی دھجیاں کیسے بکھیرتی ہوں تمہیں شادی تو مجھ سے ہی کرنی ہوگی۔'' اس نے کہتے ہوئے زوردار چیخ مارتے ہوئے اپنے کپڑے پھاڑنے شروع کردیے تھے۔

(ان شاءاللہ باقی آئندہ ماہ)

ایک ادھوری الجھی کہانی

سیما بنت عاصم

اب تو اس راہ سے وہ شخص گزرتا بھی نہیں
اب کس امید پہ دروازے سے جھانکے کوئی
کوئی آہٹ کوئی آواز کوئی چاپ نہیں
دل کی گلیاں بڑی سنسان ہیں آئے کوئی

وقت کا سیل رواں
جس کے اس پار کہیں رکھی ہے
گم شدہ عمر کے لمحوں کی کتاب
اور اس پار فقط خواب ہی خواب
تیری یادوں کے کنول
تیری جدائی کے گلاب

رمضان المبارک سے دو روز قبل...... گھر کی جھاڑ پونچھ کے دوران ایک چٹ میرے ہاتھ لگی...... کوئی موبائل نمبر تھا...... میں نے نمبر پریس کیا تو کوئی نام نہ ابھرا...... اب دور ہی ایسا ہے' خاکروب بھی اپنا نمبر پکڑا جاتا ہے۔ ایک موبائل نمبر کی بھلا کیا ٹینشن لینا؟ میں نے چٹ ایک طرف رکھ دی...... کاموں کا انبار تھا' اور مجھے سارا ہفتہ اور اتوار کیش کرنا تھا۔ مگر بیل بج رہی تھی...... جوابی کال اس وقت آئی جب میرے ذہن سے نمبر پریس کرنے والی بات محو ہو چکی تھی۔ امی کو وہیل چیئر پر بٹھا کر واک کے لیے نکلی تو بپ ہوئی۔

''آپ مسز بھٹی بات کر رہی ہیں؟'' ایک گمبھیر دل میں اتر جانے والی آواز...... میں نے سر جھٹک دیا۔

''جی نہیں سوری رانگ نمبر۔''

''جی ایکچوئیلی میں نے شادی دفتر میں نام لکھوا رکھا ہے' میں سمجھا وہیں سے کال ہے۔''

''شادی دفتر...... !نو ناٹ ایٹ آل...... اٹس رانگ نمبر۔'' اب موصوف بضد تھے کہ میرے نمبر سے انہیں بیل دی گئی ہے...... اور میں مان کے نہ دوں...... آخر کار وہ ہار گئے۔

''چلیے آپ ہی بتا دیجیے کہ آپ کون ہیں شاید گتھی سلجھے۔''

''میں ایسے کیسے بتا دوں...... آپ ہی بتا دیجیے......'' جواباً انہوں نے اپنا نام شہریار بتایا۔ لاکھ ذہن پر زور ڈالا مگر اس شہریار کا دور دور تک گمان نہ تھا۔ میرا جواب نفی میں تھا۔

''تعارف ہو جاتا تو اچھا تھا' مجھے ٹینشن رہے گی۔''

''آپ سے کس نے کہا ٹینشن لیجیے؟'' انہوں نے مجھے جہنم رسید کیا...... میں نے بھی سر جھٹک دیا...... امی سے سرسری ساذکر کیا' انہیں نام کلک کیا۔

''ہو نہ ہو...... یہ شہریار آفندی ہے...... خالہ انیسہ کا بیٹا...... اس نے اپنی دوسری شادی بھی شادی دفتر کے توسط سے کی تھی...... اور اب اس سے بھی سنا تھا کہ ان بن چل رہی ہے...... ممکن ہے پھر اگلی پر تلا ہو۔''

''ارے امی خاک ڈالیے...... اس زندگی میں اتنی فراغت کسے نصیب......'' خالہ انیسہ کے ذکر پر میرا حلق تک کڑوا ہو گیا تھا...... ان کا کردار ہی ایسا تھا۔ مار دھاڑ سے بھرپور زندگی میں کسی سے نہ بنی تھی تو بہوؤں سے کیسے بنتی...... شہریار کی پہلی شادی خالہ کے اسی فسادی کردار کے سبب طلاق پر ختم ہوئی تھی۔ مجھے یہ بات نہ بھولتی تھی' مگر وہ نام امی کے دماغ کو چپک گیا تھا کچھ تجسس بھی تھا۔ شہریار اب کن حالات میں ہے؟ عرصہ ہوا سب ایک دوسرے کی صورتوں کو ترس گئے تھے نانا ابا کی جائیداد کے حصے بخرے ہوئے' تو سب کے منہ ایک دوسرے سے پھر گئے تھے۔ اب تو سالوں ہو چلے تھے۔

✿......✿......✿

اسے اتفاق نہیں تو اور کیا کہا جائے کہ اسی ہفتے خالہ انیسہ ہمارا گھر ڈھونڈتی ہوئی آن پہنچیں...... امی سے لپٹ کر دھواں دھار روئیں...... سارے گلے شکوے دھل گئے۔ وقت نے انہیں توڑ کر رکھ دیا تھا کبھی ان کا کردار مار دھاڑ سے بھرپور ہوتا تھا مگر اب سارا دم خم نکل گیا تھا...... بیٹے منہ پھیر گئے...... بیٹیاں بیاہی گئیں...... داماد اکل کھرے...... وہ تنہا تھیں' شہریار ان کا سعادت مند بیٹا تھا انہیں اس سے بڑی امیدیں تھیں مگر وہ بھی ان سے منہ پھیر چکا تھا اپنی زندگی کی بربادی کا ذمہ دار انہیں ٹھہراتا اور یہ کسی حد تک درست بھی تھا۔

خالہ انیسہ نے بتایا وہ عمرہ پر گئیں تو اس نے کسی شادی دفتر کے توسط سے شادی رچالی تھی۔ خالہ جان نے مائرہ کو منظور کر بھی لیا تھا مگر ان کا وہی مار دھاڑ سے بھرپور کردار'

خالہ شدت پسند ضدی تھیں تو شہریار بھی ان ہی کا بیٹا تھا...... ایک کے بعد دوسری شادی کا خسارہ اسے منظور نہ تھا اور خالہ کی ہمراہی میں اس کا گھر بسنا ناممکن تھا۔ اس کی پہلی طلاق عالیہ سے خالہ انیسہ کے سبب ہوئی تھی یہ بات اس کے دل میں گھر کر گئی تھی۔ اس نے اپنی دنیا الگ بسالی اور کبھی پلٹ کر نہ آیا...... خالہ اب ہار گئی تھیں' مگر شہریار ان کی شکل تک دیکھنے کا روادار نہ تھا' اپنی زندگی کی تلخیوں کا ذمہ دار انہیں ٹھہراتا تو کچھ غلط نہ تھا۔ خالہ کا مزاج ہی ایسا تھا۔ خالہ کو اس سے اب بھی توقعات تھیں۔

مجھے اس روز کی بات یاد آئی تو واجبی سا ذکر چھیڑ دیا۔

"وہ کسی شادی دفتر کے چکر میں ہے کیا......؟"

"ہاں...... اڑتی ہوئی سنی تو ہے...... اس کی بیوی سے ان بن ہے۔"

"آپ کے پاس اس کا موبائل نمبر ہے؟" موبائل نمبر کی تصدیق پر مہر لگ گئی تھی' یہ وہی شہریار آفندی تھا' جس نے اک روز میرے گجرے سے گرا پھول اٹھا کر مجھے دیا تھا۔

"پھول زمین پر روندے جانے کے لیے نہیں ہوتے......" خالہ جان کی حالت قابل رحم تھی...... پیسہ بہت تھا مگر انہیں بڑھاپے کا سہارا درکار تھا۔ میری سمجھ بوجھ یہ بھروسا تھا' میں جانچ گئی' شہریار انہیں سنبھال لیتا تو بقیہ زندگی سکھ چین سے گزر جاتی۔ میں نے اگلی کال خالہ کا مقدمہ لڑنے کی خاطر کی مگر بھول گئی خالہ جان نے جو بویا تھا وہی کاٹ رہی تھیں۔ عالیہ لاکھ بری سہی' مگر اس کا گھر اجاڑ کر پھر اولاد پر غاصبانہ قبضہ' وہ ایسی ہی تھیں' جس سے چڑ جاتیں' اس کے بخیے ادھیڑ کر رکھ دیتیں' پھر کسی طور نہ بنتی اور شہریار بھی تو ان کی ہی اولاد تھا' ضدی' شدت پسند اور اپنی بات کا اٹل۔

❁......❁......❁

ہاں وہ شہریار آفندی تھا۔ چار سال...... چھ سال...... دس سال...... جانے کتنے سال گزر گئے...... اب تو میری ڈائری میں دبا سوکھا' مرجھایا پھول بھی اپنا نام ونشان کھو چکا ہے' جو کسی یادگار لمحے میں میری کلائی میں سجے گجرے سے گرا اور شہریار آفندی نے اٹھا کر کہا تھا۔

"سنیے...... پھول زمین پر روندنے کے لیے نہیں ہوتے۔" وہ مئی جون کے دہکتے دنوں میں سے ایک دن تھا' شہریار آفندی کی ٹریننگ مکمل ہو چکی تھی' اسے اب بہاولپور سدھار جانا تھا' خالہ انیسہ نے گھر میں محفل میلاد کی تقریب رکھی تھی' وہ میرا سگا خالہ زاد تھا ہمیشہ سے میرا اور اس کا ربط یونہی مبہم سا رہا' واجبی سی ملاقاتیں' رسمی سی باتیں' کبھی کبھار کی سرسری سی اڑتی پڑتی نظر' شاذ و نادر ہی ملاقات ہوتی' بہت کم ٹکراؤ ہوتا' اونچا لمبا' ہینڈسم سا شہریار جو نظروں کو بھاتا اور بس...... شہر شہر گھومتا وہ فوجی نوجوان' جو گھر بھر کا اثاثہ تھا' خالہ جان سے بڑھ کر ان کی دو بیٹیوں کو شہریار پر اتنا فخر تھا کہ بھائی کے لیے کوئی جچتی ہی نہ تھی' نہ جانے کتنی لڑکیاں بے دردی سے رد کی تھیں۔

"شادی اس گھرانے میں کرنا جہاں سلامی میں کار کی چابی ہاتھ آئے۔" شہریار کو یہ مشورہ دینے والا اس کا کوئی درد آشنا تھا۔ مجھے امی نے بتایا' شاید انہیں بہن سے امید تھی مگر مجھے اپنے لیے کوئی خوش فہمی نہ تھی سو میں نے ایسا سوچا ہی نہیں تھا۔ اس وقت اگر ایسا ہو جاتا تو میں اسے اپنی خوش بختی گردانتی مگر ہر بات کا ایک وقت ہوتا ہے اور جب وقت گزر جائے تو بات بے معنی رہ جاتی ہے۔ جانے کتنا عرصہ بیت گیا' سب کے خیال میں میری شادی کی عمر گزر چکی تھی۔ اب تو بس گزارا تھا اور مجھے گزارے لائق بھی کوئی نہ جچتا...... آئیڈیل پرست لڑکی تھی ایک وقت تھا...... جب ہمارے اور خالہ جان کے گھر قریب قریب تھے۔ خالہ جان کا زیادہ تر وقت میرے ساتھ گزرتا' امی کا مزاج سوشل تھا گھر سے زیادہ دنیا کے بکھیڑے سمیٹتی پھرتیں۔ خالہ جان کے قصے ہی نہ ختم ہونے میں آتے۔

"پیا ہمارے گھر نہیں' ہمیں کسی کا ڈر نہیں......" خالو جان بھی فوج میں تھے' کبھی جو خالہ جان صبح آتیں' شام

کر دیتیں' جیسے میری سگی سہیلی تھی' یہ ساری باتیں ایک طرف مگر خالہ جان کا شہریار کے لیے مجھ پر دل تھا' وہ اپنا ہر دکھ سکھ مجھ سے شیئر کرتیں گھر' خاندان کے مسئلے مسائل' اولاد کی تفکرات' شوہر کے دکھ ایسے ہی کسی لمحے میں ان کے دل کی بات زبان پر آ گئی تھی۔

"ماہ نور کی شادی تو میں ایک فوجی سے کرواؤں گی۔"

یہ وہ وقت تھا جب راوی میرے لیے چین ہی چین لکھتا تھا۔ کم عمری کا دور تھا' سر پر اعلیٰ تعلیم کی دھن سوار تھی' کتاب سامنے رکھ کر روٹیاں پکاتی اور سبق رٹتی رہتی' خالہ جان کی ہر بات شہریار سے شروع ہو کر اسی پر ختم ہوتی تھی۔ خیر...... وہ تھا بھی اسی لائق...... جس پر جتنا فخر کیا جائے کم تھا۔

خالہ جان کو میرے تمام گن بھاتے تھے' کم گوئی' ذمہ داری' سنجیدگی اور ہر بات پی جانے کا ہنر...... ان کی بات مبہم تھی' میرے بھیجے میں تو نہ سمائی' امی کے کانوں تک جا پہنچی...... وہ ہر بیٹی کی ماں کی طرح خوش فہم تھیں' بھڑک اٹھیں۔ خالہ جان کا کردار فسادی' مار دھاڑ سے بھرپور تھا' پانچ وقت سجدے میں جھکتیں مگر دنیا ان کی زبان و ہاتھ کی گھائل تھی' بہت کم کسی سے بنتی' بات بے بات لڑائی جھگڑا اثر و رسوخ کے سبب تھانے کچہری' انہیں بھگتنا زہر کا پیالہ تھا مگر مجھ سے امی کی اچھی امیدیں وابستہ تھیں اپنا مارے چھاؤں میں ڈالتا ہے...... شہریار لائق و فائق لڑکا تھا' باقی سب پر گزارا تھا وہ اڑ کر جا پہنچیں' مگر یہ بس خالہ جان کے اپنے دل کی بات تھی' سننے میں آیا کہ بیٹیوں نے لتے لیے' شہریار کو بھی اپنے لیے اعلیٰ تعلیم یافتہ لڑکی درکار تھی' اب ماسٹرز تو میں نے اپنے وقت پر کیا ناں' خیر مجھے پروا بھی نہ تھی۔

امی نے خالہ جان سے اس بات کی تشریح چاہی تو وہ بات گھما گئیں۔ آئیں بائیں شائیں کرنے لگیں۔ امی کے ارمانوں پر اوس پڑ گئی تھی۔ شہریار آفندی کی شادی ہوئی...... تو اس کی پوسٹنگ کاکول تھی' میرے پیپرز چل رہے تھے' شرکت نہ کر سکی' اگلے ہی ہفتہ وہ بیوی سمیت کاکول روانہ ہو گیا تھا' میں نے صرف شادی کی مووی دیکھی اور دلہن دیکھ کر دنگ رہ گئی۔

لمبی گہری بھوری آنکھیں' سارے چہرے پر آنکھیں ہی آنکھیں راج کرتی تھیں' آنکھوں ہی سے تیزی و طراری مترشح تھی۔ شہریار کو سلامی میں کار کی چابی ملی تھی اور دلہن کے لیے شہریار کی بہن عظمیٰ کا کہنا تھا کہ شہریار نے اسے آنکھیں دیکھ کر ہی تو پسند کیا ہے۔ مجھے شہریار جیسے سمجھ دار اور باشعور آدمی سے یہ امید نہ تھی' کہ ظاہری خوبصورتی کی بنیاد پر زندگی کا اہم فیصلہ کرے گا مگر اللہ جو کرتا ہے بہتر ہی کرتا ہے' شہریار خالہ جان کی مار دھاڑ سے بھرپور فطرت کے سبب ان سے برگشتہ تھا' یہ اب پتا چلا...... ولیمہ کے اگلے ہی روز الٹی میٹم دے دیا کہ اس کی بیوی کو اگر ایک لفظ بھی کہا تو اس سے برا کوئی نہ ہوگا...... پھر عالیہ کیوں نہ سر پر چڑھ کر رقص فرماتیں...... بعدازاں' ساس بہو کے معاملے میں نہلے پہ دہلا والی مثال ٹھہری' عالیہ نے دنوں میں خالہ جان کی ساری چوکڑی بھلا دی۔ میں نے خالہ جان کو ان کے انتخاب پر خوب لتاڑا...... وہ خود شکستہ تھیں' پھر مجھ سے کچھ چھپائی بھی نہ تھیں' صاف اگل دیا کہ سارا معاملہ بالا ہی بالا بھگتایا گیا ہے' ان کا کردار تو بس سرسری ہی رہا' شہریار' ہیرا لڑکا تھا' عالیہ کے گھر والوں نے بالا ہی بالا اچک لیا تھا۔ سیدھے سبھاؤ' عالیہ کو شہریار کے سامنے لا بٹھایا' اس نے حامی بھر لی...... یہ بھی خوب ہے کہ آسمان سے اتری حوریں تلاشنے والی ماں بیٹیوں کی نسبت خود لڑکوں کا معیار ہلکا ہی ہوتا ہے' ایسا ہی ہوا' عالیہ اسے پسند آ گئی...... یہی نہیں بقیہ معاملات بھی بالا ہی بالا طے ہوئے' خالہ جان اور ان کی بیٹیوں کی تو بس رسمی سی شرکت رہی۔

کتنا آسان ہوتا ہے ناں اپنی خطاؤں کو دوسروں کے کھاتے میں رکھ کر بری الذمہ ہو جانا۔ پھر یہ بس دو چار سال کی بات تھی' نگری نگری پھرنے والے مسافر کو بالآخر گھر کا راستہ مل گیا اور پھر غضب کی ٹھنی' خالہ جان کی

وہی فطرت کہ جس سے چڑ گئیں پھر وہ نہیں یا ہم نہیں...... عالیہ سے تو یوں بھی انہیں ازلی بیر ہوگیا تھا۔ شہریار اب دو بچوں کا باپ تھا' عالیہ گھاگ عورت تھی' کمال ہوشیاری سے اسے اپنی مٹھی میں کس رکھا تھا مگر بار بار کے معرکے' سر پھٹول...... خالہ جان شہریار کو بیوی سے برگشتہ کرنے میں کامیاب ہوگئیں...... معاملہ طلاق پر ختم ہوا مگر ایک نئی کہانی چل پڑی...... شہریار میں ماں کے مزاج کا عنصر تھا' ضدی' شدت پسند' وہ بچوں پر جان چھڑکتا تھا' اپنے اثر ورسوخ کے تحت بچے حاصل کرنے میں کامیاب رہا مگر ماں سے کھٹک گیا تھا' جس نے طلاق دلوا کر بچے تو چھین لیے مگر اب پالنے میں کوتاہی کرتی تھی۔ ماں بہنوں نے اسے آسمان پر بٹھا رکھا تھا' ایسے لوگوں کو ٹھوکر لگنی ہی چاہیے اور لگتی ہی ہے۔

عالیہ بچوں کے لیے تڑپتی رہتی' عورت جتنی بھی بری ہو' بچے کے لیے ماں ہوتی ہے۔ وہ ہمارے گھر آ کر اپنی آپ بیتی سنائی' میں ہی نہیں امی بھی جانتی تھیں عالیہ ایک سیاست دان گھاگ عورت ہے' خالہ جان اور شہریار نے اسے زدوکوب کیا' حبس بے جا میں رکھا' اس کے بیان میں جہاں جہاں ملاوٹ تھی' میں جانتی تھی...... شہریار نے اسے پھولوں کی طرح رکھا تھا۔ عالیہ نے خالہ جان پر حاوی ہونے کی کوشش کی تھی اور خالہ تو پھر خالہ تھیں۔ یہ سارے معرکے اس وقت کے تھے جب شہریار کی پوسٹنگ خانیوال تھی۔ عالیہ کی اگلی ڈلیوری متوقع تھی جو کسی سبب نہ ہوسکی۔

خالہ جان کے کانوں میں عالیہ کے ہم سے میل جول کی بھنک پڑی تو وہ بڑا اچھلیں' امی کو آستین کا سانپ کہا' امی نے بھی صاف لتاڑ دیا۔ وہ کسی گھر آئے کو نکال تو نہیں سکتیں عالیہ سے ان کا واسطہ ختم ہوچکا ہے اب عالیہ جہاں چاہے آئے جائے' مگر عالیہ کا ہمارے گھر آنا بے معنی تھا۔ خالہ کا مزاج پتھر کی لکیر تھا۔ وہ اس کی شکل سے بھی خار کھاتیں' بچوں پر اس کی پرچھائیں ڈالنا تو دور کی بات عالیہ کئی بار نامراد و مایوس لوٹی بالآخر آنا ہی چھوڑ دیا۔

مگر بچوں کی پرورش خالہ جان کے لیے ایک مسئلہ بن گئی تھی' جیسے الٹی آنتیں گلے پڑ گئی ہوں' شہریار فوجی آدمی تھا' ہر کام میں ڈسپلن مانگتا' خالہ انیسہ کے بس کی بات کہاں تھی' ان دنوں خالہ جان شہریار کا گھر دوبارہ بسانے کی دھن میں تھیں' اس کے بچے رل رہے تھے' شاید اپنی سابقہ خطا پر شرمسار تھیں' تبھی کسی ذریعے امی کو پیغام بھجوایا' وہ میری طلب گار تھیں امی نے صاف انکار کردیا تھا۔

''اب میری بیٹی میں کوئی لعل نہیں جڑے ہیں پہلے شہریار کو آسمان پر بٹھا رکھا تھا...... اس کے لائق کوئی ملتی نہیں تھی' ٹھوکر کھا کر عقل آئی کہ سیرت وکردار بھی کوئی چیز ہے۔''

خالہ بھی پھر خالہ تھیں کھٹ سے کہلوایا کہ شہریار کی ڈیمانڈ اعلیٰ تعلیم یافتہ لڑکی تھی ورنہ ماہ نور انہیں دل سے عزیز ہے مگر امی کو ایک دو نہیں کئی باتیں چبھی ہوئی تھیں صاف کہہ دیا کہ میری بچی دوسروں کے بچے پالنے کے لیے نہیں' ان کے گھر بیاہنے سے بہتر ہے وہ ساری زندگی اپنی بیٹی کو بٹھائے رکھیں۔

وجوہات کچھ بھی رہی ہوں مگر امی شہریار کے لیے آمادہ نہ تھیں۔ عالیہ خود پر کیے مظالم مرچ مسالہ لگا کر امی کے کان خوب بھر چکی تھی اور وہ تصویریں جو خالہ اور شہریار کے تشدد کے بعد اس نے عدالت میں پیش کرنے کے لیے کھنچوائی تھیں خیر...... میری بلا سے' میں نے کبھی شہریار آفندی کی خواہش کو خود پر سوار نہ کیا تھا' خالہ نے بھی اصرار نہ کیا' ایک طویل خاموشی چھا گئی تھی۔

یہ انہی دنوں کی بات ہے جب نانا ابا کے آبائی گھر کے بٹوارے کی آواز اٹھانے والی یہ شرپسند خالہ جان ہی تھیں' جس پر اب تک بڑے ماموں کا قبضہ تھا گھر پر ممانی جہاں آرا کا راج چلتا تھا۔ جن کی شخصیت اتنی دبنگ تھی کہ آج تک کسی کو یہ جرأت نہ ہوسکی اب تو ایک جنگ چھڑ گئی تھی۔ خالہ جان کو ممانی جہاں آرا سے ازلی خار تھا غضب کی ٹھنی مگر بٹوارا ہوگیا اور سارے دانے بکھر گئے

اور وہ جو کہتے ہیں...... لاکھ دامن بچاؤ جب کچھ ہونا ہوتا ہے تو ہو ہی جاتا ہے' تو میرے حالات زندگی بھی تیزی سے تبدیل ہوئے تھے۔ ابا گزر گئے' بڑے بھیا نے اپنی دنیا الگ بسائی' امی مجھے بیاہنے کی فکر میں تھیں مگر قسمت چھوٹی بہن کی کھل گئی' پھر کون تھا جو امی کا بڑھاپا سنبھالتا' دہائی جمع خرچ تو ہر جانب سے چلتا مگر امی کو بھروسا صرف مجھ پر تھا۔ فالج کے اٹیک کے بعد وہیل چیئر ان کا مقدر بن گئی تھی۔

رہی بات شادی کی تو مجھ جیسا لائق کوئی جڑا' نہ ہی میرے دل کو کوئی بھایا۔ جیسے سب کچھ ایک تواتر سے ہوتا چلا گیا۔ ایک کے بعد ایک بیڑی' میرے پیروں میں پڑتی چلی گئی گھر بھر کا بار میرے سر پر آن پڑا مجھے تعلیم حاصل کرنے کی لگن تھی...... ماسٹرز کے بعد لیکچرر شپ مل گئی۔ تنخواہ اچھی بھلی تھی گزارا خوب اچھا ہو رہا تھا' میں نے سب سے پہلے جیسے تیسے اپنا اسٹیٹس بدلا...... اب میرے احباب میں صاحب حیثیت تعلیم یافتہ لوگ شامل تھے۔

❁......❁......❁

میں نے صرف خالہ کا مقدمہ لڑنے کے لیے شہریار کو کال کی تھی...... اس نے پہچان کا مرحلہ طے ہوتے ہی مجھ سے سب سے پہلے شادی کی بابت پوچھا۔ میں نے صاف کہہ دیا کہ میں آئیڈیل پرست لڑکی ہوں اور میرا آئیڈیل ہوگا' جو بس دل کو چھو جائے اور یہ سچ ہی تھا...... نہ کسی نے دل پر اٹیک کیا' نہ شادی ہوسکی' شاید یوں کہ قدرت کو مجھ سے کچھ اور کام لینے تھے۔

''کسی شادی دفتر میں نام لکھوا لو......'' اس نے کھٹ سے مشورہ دیا اور میرے ذہن میں اک جھماکا سا ہوا...... اس دن کی کال پر شادی دفتر والی بات دہرائی...... وہ گھما گیا۔ میں جانچ گئی کوئی گڑبڑ ہے مگر اس کال کا مقصد خالہ جان کے حق میں اسے راہ پر لانا تھا اور شہریار یہیں کر بگڑ گیا۔ رشتوں کی پاسداری کی بابت میری ہر دلیل رد کرتا چلا گیا اور میں ہار گئی...... شاید یوں کہ خالہ جان کا کردار ہی ایسا تھا میں کیا کہتی...... کیکٹس پر مصنوعی پھول پرونے والی بات تھی۔

شہریار کی زندگی برباد کرنے میں خالہ جان کا بڑا ہاتھ تھا۔ وہ نہ چین سے رہنے دیتیں نہ رہتیں...... اس نے شہر سے باہر اپنی فیملی سمیت زندگی سکھ چین سے گزاری تھی...... اس کے بخت پر ماں کا سایہ پڑتا تھا کہ سب کچھ بکھر گیا لڑائی جھگڑا' دنگا فساد یہ بات اس کے دل میں ترازو ہوچکی تھی کہ ماں کے ہوتے وہ سکھی نہیں رہ سکتا مگر معاملات پھر بھی الجھے ہوئے تھے...... یونہی تو نہیں وہ شادی دفتر کے چکر میں تھا اور یہ بات بھی اگلی دو چار کالز میں کھل گئی۔ اس کی دوسری بیوی مائرہ کے دل ودماغ پر اس کا میکہ حاوی تھا۔ ان کی آپس کی چپقلش میں میکہ والوں کا بڑا ہاتھ تھا اور پھر ہوتا ہے ناں جب کوئی ایک پہلو سے برقرار پاتا ہے تو اس کے دوسرے منفی حوالے بھی اوپر آ جاتے ہیں۔ مائرہ نے شہریار کے ماضی اور ماں سے کشیدگی کا الزام بھی اس کے سر رکھ دیا میکہ والوں کے ساتھ مل کر سازشیں' گولہ باری کی' رفتہ رفتہ سمجھوتے کی ہر راہ مسدود ہوگئی' شہریار بیوی کو صرف اپنے تابع دیکھنا چاہتا تھا مگر مائرہ کی آنکھوں پر پٹی بندھ چکی تھی۔ جواباً وہ بھی اس کے خلاف مزاج چلتی...... بالآخر سب کچھ ختم ہوگیا ان دونوں کے درمیان صرف کش مکش باقی رہ گئی یا پھر ایک سرد جنگ کی کیفیت۔ شہریار عرصے سے بیوی سے لاتعلق تھا مائرہ اس کے دل سے اتر چکی تھی اس نے الٹی میٹم دے رکھا تھا اسے اس کے مزاج کے مطابق لڑکی مل گئی تو اس کی چھٹی' بچے وہ کسی قیمت پر نہ چھوڑتا تھا' دو کی تو خیر تھی...... تیسرا مائرہ کا اپنا تھا اور شاید یہی وجہ تھی کہ وہ گھر میں اپنی صفر حیثیت کے ساتھ بھی گزارا کر رہی تھی۔

مجھے سن کر افسوس ہوا شہریار ہیرا آدمی تھا مگر مٹی میں رل گیا۔ ایک وقت تھا میں اسے آئیڈیلائز کرتی تھی' اونچا لمبا فوجی نوجوان' ٹھہر ٹھہر کر تہذیب سے بات کرتا کبھی جو میرے سامنے سے گزرتا' میری نگاہ ٹھہر جاتی...... رسما

ہی مخاطب ہوتا تو میرا دل اپنی رفتار بھول جاتا مگر ہائے ری قسمت۔

❁......❁......❁

مائرہ خوبصورت آنکھوں گھنیرے بالوں والی ایک پُرکشش عورت تھی' تلخی حالات نے جس کا رنگ وروپ مرجھا کے رکھ دیا تھا' شہریار فوج کو خیرباد کہہ چکا تھا' اس کا لائف اسٹائل ہی بدل گیا تھا' جو رقم ملی کاروبار کرلیا' اچھا گھر لے لیا ایک کال پر گھر کا پتہ بتایا تو مجھے ہنسی آ گئی۔ اس کا گھر اتنا نزدیک تھا کہ میری چھینک کی آواز بھی ادھر جاتی ایک روز امی کو لے کر قریبی کلینک کے لیے نکلی واپسی میں اس کا گھر آتا تھا ہم کچھ دیر کو رکے شہریار عشاء کی ادائیگی کے لیے گیا ہوا تھا میں نے ایک نظر میں جانچ لیا' گھر میں سب کچھ تھا' سکھ نہ تھا' بیوی کے نام پر گھر بے توجہی کا شکار تھا۔ بکھرا ہوا' کھچاؤ' تناؤ کی سی کیفیت صاف نظر آتی' بچے ڈرے سہمے سے تھے' شہریار نے کہا تھا ایک عرصے سے وہ بیوی سے لاتعلق ہے۔

امی نے چپکے سے مائرہ کو ٹٹولا...... اس نے شہریار کی اس بات کو رد کیا' بات عقل میں فٹ ہونے والی تھی' تین بچوں کا باپ' دو بیویاں بھگتا کر تیسری کے درپے تھا۔ اسے بیوی سے سکھ نہ تھا تو اسے رکھنے کا جواز بھی کیا تھا' یہ اتنا ہی تکلیف دہ تھا جیسے کسی مطلقہ کو ربط ٹوٹنے پر بھی بچوں کا خرچ لینے ان کے باپ کے دروازے پر جانا پڑے اور جب انسان کا ایک بیان کمزور ہوجائے تو بقیہ خود بخود مشکوک ٹھہرتے ہیں۔ امی کھٹک گئی تھیں' ان کے نزدیک وہ ظالم وجابر ٹھہرا' جس نے بیوی کو حبس بے جا میں غلام بنا کر رکھ چھوڑا تھا۔ شہریار اتنا بھی ضدی وشدت پسند نہ تھا یا تلخی حالات کے سبب اب ہوگیا تھا۔ اس نے بیوی کا قافیہ تنگ کر رکھا تھا۔ ایسے میں کہاں ممکن تھا کہ مائرہ شہریار کے خلاف نہ بولتی' اس کی بات دل کو لگی تھی' گھر کے دھندے' بچوں کی کیئر تو ایک میڈ بھی کرسکتی ہے مگر میں جانتی تھی شہریار نے اسے پل پل اذیت دینے کے لیے رکھا ہوا تھا۔ گھر میں شہریار کی آمد کی کھٹ پٹ ہوئی تو مائرہ سرعت سے دوسرے کمرے میں جا چھپی وہ دباؤ میں تھی گھر پر شہریار کا ہولڈ تھا' اس کے آنے پر کشیدگی اور واضح ہوگئی مگر وہ ہماری آمد پر کھل اٹھا تھا۔ گزرا وقت موضوع گفتگو بنا تو تاخیر ہونے لگی مجھے اٹھنا پڑا۔

امی نے چلتے ہوئے اسے مدعو کیا تھا۔ وہ اگلے ہی روز آ گیا۔ اور پھر آتا ہی رہا بہت کم وقت میں گھر کا ایک فرد بن گیا۔ وہ گھر کے سکھ' عورت کے ہاتھ کے ذائقے کو ترسا ہوا تھا' میں کوکنگ کی ماہر' وہ میری ہمت وحوصلے کو سراہتا' گھر اور باہر کے بکھیڑے' میں نے سب کچھ مین ٹین کر رکھا تھا مگر میری تھکن میرے اندر تھی کوئی اور کیسے جانچتا' مجھے گھر اور گھر سے باہر سو بکھیڑے تھے' اور وہ کہتا۔

''تم اکیلی کہاں دھکے کھاتی پھروگی میں تمہیں لے چلوں گا۔''

تب میں نے جانا زندگی کے سفر میں کسی کا ساتھ' کسی کا شانہ کتنا ضروری ہے اور زندگی کتنی سہل ہوجاتی ہے اگر کوئی تھکن سمیٹنے والا ہو' مجھے اس کا ساتھ بھانے لگا تھا' میں پہلے اکیلے پن کی وجہ سے ہزار تفریحات مس کردیتی تھی۔ اب میری ہنسی میں سچی خوشی کے رنگ جھلملا اٹھے تھے۔ سادگی کا لبادہ اتار کر سجنا سنورنا شروع کردیا تھا' وہ سراہتا تو لگتا زندگی میں اسی چیز کی تو کمی تھی۔

''امی نادان نہ تھیں جانچ رہی تھیں کہ حالات کس رخ پر چل رہے ہیں' ان کے نزدیک میری خوشی اہم تھی مگر...... بات گھوم پھر کے وہیں آ جاتی ہے' ہر بات کا ایک وقت ہوتا ہے اور جب وہ وقت گزر جائے بات بے معنی ہوجاتی ہے' یہ وہی شہریار آفندی تھا جو کبھی میرے دل کو لبھاتا تھا مگر میں نے اس کی خواہش کو خود پر سوار کبھی نہ کیا تھا مگر اب وہ میری عادت بن گیا تھا ہوتا ہے ناں ہمارے اندر عرصے سے پڑی چیزیں کبھی مجسم ہوکر سامنے آن کھڑی ہوتی ہیں' میری ہر صبح کا آغاز اور رات کی انتہا شہریار آفندی پر ہی ہوتا' سو کام نہ بھی پڑتے تو بہانے بہانے سے کالز دونوں جانب سے ہوتیں' ہر صبح مارننگ کا

میسج مجھے صبح میں افراتفری رہتی' رات میں فراغت ملتی تو چیٹ چلتی۔ ایک روز اس نے لکھ ہی دیا۔

''میری دوائی تم ہو اور تمہاری دوائی میں ہوں' لیکن ہم مانتے نہیں اور یہی ہماری ناکامی ہے۔'' مجھے یہ توقع تھی' سو طرح دے گئی مگر وہ کھل گیا اور میں نے ٹالا دیا۔

''میرے سر پر ذمہ داریوں کا بار ہے ایک میرے نہ ہونے سے سب کچھ بکھر جائے گا۔'' اس نے لکھا۔

''تمہیں چھوڑنے کو کس نے کہا سب کچھ تمہاری مرضی کے مطابق ہوگا۔ ہم مل کر رہیں گے' میں رینٹ دوں گا' اب بھی تو رینٹ پر ہوں۔'' میرا دل اچھل اچھل کر مصر تھا اب بھی سوچ میں پڑ گئی' میرے سر میں دھوپ بھر رہی تھی' سچ تو یہ تھا کہ اب بہتری کی امید بھی کھو گئی تھی کیا حرج ہے' وہ میرے اور میں اس کے مسائل سمیٹ لوں۔ آج وہ شہریار آفندی میرے ساتھ کا خواہاں تھا مگر جہاں وقت اور حالات بدل گئے تھے' وہیں معیار اور ترجیحات بھی' رہیں خواہشات تو خود سے وابستہ تمام خواہشات عرصہ ہوا' اپنے ہاتھوں دفن کرچکی تھی۔ اب تو جیسے زندگی کو گھسیٹنا تھا' دونوں ہی سے زندگی سخت امتحان لے رہی تھی۔ وہ محبت سے سنبھالا جاسکتا تھا' شاید اسے کوئی سمجھ ہی نہ سکا تھا' اب اس پر دلیل اثر نہ کرتی تھی' ماں ہو یا بیوی سمجھوتے کے نام پر فوراً انکار کردیتا...... میں سمجھتی تھی' یہ سب دل کے معاملات ہوتے ہے اور جب دل خالی ہوجائے تو انسان صفر ہوجاتا ہی' وہی معاملہ تھا کشیدگی کی یہ جنگ کڑی تھی' کھچاؤ کی فضا تکلیف دہ' میرے لیے شہریار کو بڑھ کر تھامنا مشکل نہ تھا مگر یہ ایک عورت پر ظلم ہوگا' وہ بچے کی خاطر سب کچھ سہہ رہی تھی' دونوں اپنی اپنی جگہ اذیت میں تھے' شہریار کی زندگی کو کنارا مل بھی جاتا تو مائرہ کی زندگی برباد تھی' پھر بچے...... ایسی کون سی جی دار تھی جو تین بچے پالنے کا ذمہ اٹھاتی' اپنے فرائض خوش دلی سے نبھاتی۔ شہریار کو مجھ میں سارے گن نظر آتے مگر میرا اندر اب سکھ سکون کی چھاؤں کا طالب تھا' وجود کی عمارت شکستہ تھی تھکن روم روم میں اتر چکی تھی...... اب تو بس سکھ کی چھاؤں' محبت کی گرمی توجہ کے پھول میں کوئی نیا بار اٹھانے کی ہمت خود میں نہ پاتی' شہریار آفندی کبھی وہ صرف ایک خیال تھا اب جب طلب گار تھا' زندگی کا عنوان بننے کا خواہاں' تو میرا اپنا دل مجھے دغا دینے پر تلا ہوا تھا۔ ہمک ہمک کر اس کی جانب بڑھتا عرصے سے اس اندر پڑی خواہش کو بڑھ کر اپنا لینے پہ کمربستہ تھا۔

مگر کوئی چیز تھی جو مجھے روکتی...... گھسیٹتی...... کسی کی ہائے...... بددعا...... کون مانے گا کہ شہریار آفندی کے گھر کا شیرازہ پہلے سے بکھرا ہوا تھا۔ ان دونوں کے مابین کشمکش میں میرا کوئی کردار نہ تھا۔ لوگوں کی خود پر اٹھتی انگلیاں...... ان کی نفرین...... ایک آباد گھر کو اجاڑنے کی چھاپ...... کون مانے گا کہ مجھ سے ٹکراؤ سے پہلے ہی شہریار آفندی ایک سلجھی ہوئی عورت کی تلاش میں تھا۔

اف میرے اللہ...... لوگ اتنی گہرائی میں جاکر کہاں جانچتے ہیں...... میری عمر بھر کی ریاضت خاک میں مل جائے گی...... دنیا کے لیے میرا کردار لائق تحسین تھا مگر...... بہت سی کہانیاں الجھ جاتی ہیں' گم ہوجاتی ہیں یا یونہی ہمارے اندر کسی کونے میں پڑی سسکتی رہ جاتی ہیں...... سو یہ بھی ایک ایسی ہی الجھی ہوئی ادھوری کہانی ہے۔

سنا جو قصہ ہستی تو درمیاں سے سنا
نہ ابتداً کی خبر ہے نہ انتہا معلوم

❁

اکائی

عشنا کوثر سردار

قسط نمبر۲

عجیب لگتی ہے شام کبھی کبھی
زندگی لگتی ہے بے جان کبھی کبھی
سمجھ میں آئے تو ہمیں بھی بتانا
کہ کیوں کرتی ہیں یادیں پریشان کبھی کبھی

گزشتہ قسط کا خلاصہ

یہ کہانی تقسیم ہند کے پس منظر میں لکھی گئی ہے۔ قیام پاکستان سے قبل برصغیر کے سیاسی و معاشرتی حالات کی بخوبی عکاسی کرتی ہے اور ان حالات نے وہاں کے لوگوں پر کیا اثرات مرتب کیے، یہ سب بخوبی دکھایا گیا ہے۔ خواجہ ناظم الدین اپنی والدہ کے ہمراہ رہتے ہیں، وہیں گھر میں ان کی بیٹی فاطمہ بھی ہے جو تعلیم حاصل کرنے کی خواہش مند ہے مگر دادی وقت اور حالات کے تقاضوں کو سمجھتے لڑکی ذات کو تعلیمی اداروں میں بھیجنا نہیں چاہتیں۔ ناظم الدین اس سلسلے میں اماں سے بات کرکے انہیں سمجھانے میں ناکام رہتے ہیں، جس پر فاطمہ اپنی خواہش سے دستبردار ہوجاتی ہے۔ دراصل وہ اس وقت کی عظیم ہستی محترمہ فاطمہ جناح سے خاص متاثر ہوتی ہے اور ان کی طرح اعلیٰ تعلیم حاصل کرنا چاہتی ہے۔ دادی گھر کے سربراہ کی حیثیت سے تمام فیصلوں کا مکمل اختیار رکھتی ہیں، اسی لیے فاطمہ ان کے فیصلے کے خلاف نہیں جاتی۔ نواب زمان الحق اور ناظم الدین کے درمیان اچھے تعلقات قائم ہوتے ہیں۔ جب ہی وہ انہیں اماں جان کے فیصلے سے آگاہ کرتے ہیں، اس پر وہ فاطمہ کو گھر میں رہ کر تعلیم حاصل کرنے کا مشورہ دیتے ہیں اور اپنے بیٹے نواب وقار الحق کا نام لیتے ہیں۔ اماں جان کو راضی کرنے کا ذمہ بھی وہ اپنے سر لیتے ہیں اور بالآخر اماں جان کو منا لیتے ہیں۔ یوں گھر پر فاطمہ کا تعلیمی سلسلہ شروع ہوجاتا ہے۔ دادی کی کڑی نگرانی اور پردے کے باوجود وقار الحق فاطمہ کی ایک جھلک دیکھ کر اس کے حسن کے اسیر ہوجاتے ہیں اور اس سے ملنا چاہتے ہیں۔ فاطمہ کے لیے یہ بہت بے حد تکلیف دہ ہوتا ہے مگر وہ شرط عائد کردیتے ہیں کہ انکار کی صورت وہ تعلیمی سلسلے کو جاری نہیں رکھیں گے۔ رحمت سنگھ حساب کتاب کے دیگر معاملات سنبھالتا ہے اور کسی لڑکی کی محبت میں گرفتار ہوتا ہے۔ کرم دین تمام معاملات میں اس کی رائے کو اہمیت دیتا ہے۔ خواجہ ناظم الدین کا بھائی توقیر لکھنؤ میں آباد ہے اور دوسرا لاہور میں، توقیر اپنے بیٹے ریحان الحق کی سرگرمیوں پر خائف رہتے ہیں۔ ایسے میں ان کی اہلیہ جلد از جلد اس کی شادی کردینے کا مشورہ دیتی ہیں اور فاطمہ کا نام لیتی ہیں۔ توقیر اماں سے فاطمہ اور ریحان کے رشتے کی بات کرتے ہیں۔ جس پر اماں انہیں تسلی بخش جواب تو نہیں دیتیں اور کچھ وقت انتظار کرنے کو کہتی ہیں۔ دوسری طرف وقار الحق فاطمہ کے حسن سے مرعوب ہوکر اپنے والد کو اپنا حال دل بتانا چاہتے ہیں مگر کاروبار کی مصروفیات کے سبب بات ادھوری رہ جاتی ہے جبکہ ناظم الدین اماں کی زبانی فاطمہ کے رشتے کی بات سن کر دنگ رہ جاتے ہیں۔

اب آپ آگے پڑھیے

❁......❁......❁

اماں جان پُرسکون انداز میں مسکرائیں۔ ان کی آنکھوں میں چمک تھی گویا وہ اپنی بات کو منوانے کا ہنر رکھتی تھیں اور انہیں یقین تھا کہ بچے ان کا حکم نہیں ٹالیں گے نہ بے کار کی ہمت کریں گے۔ یہ جیت اور اپنا آپ منوائے جانے کا غرور تھا یا سکون...... مگر اس چمک میں جیسے بہت سے معنی پنہاں تھے۔ سخاوت بیگم نے ساس کو اپنے شوہر نامدار کے عقب سے دیکھا انہیں اماں جان کا اس طرح رشتہ طے کرنا بالکل نہیں بھایا تھا مگر وہ چاہتی تھیں اس معاملے پر ناظم الدین آواز اٹھائیں باوجود برا لگنے کے دانتوں تلے زبان دبالی تھی اور شوہر کے پیچھے پیچھے کمرے میں آگئی تھیں اور احتجاج کرتے ہوئے بولیں۔

”ناظم صاحب آپ کی بیٹی کی زندگی کے تمام فیصلے کوئی اور لیتا جارہا ہے اور ہم کیا فقط بیٹھ کر ہاتھ ملنے کے لیے

ہیں؟ کل کو فاطمہ پر کوئی آنچ آتی ہے یا اسے آپ کی اماں جان کے فیصلوں کو بھگتنا پڑتا ہے تو ہم کیا کریں گے' آپ کو بیٹی کا کوئی خیال نہیں؟'' وہ بے یقینی سے شوہر کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ناظم صاحب نے پُرسکون انداز میں سخاوت بیگم کو دیکھا۔

''اماں جان سمجھ دار خاتون ہیں سخاوت بیگم' انہوں نے دنیا دیکھی ہے' آپ کو لگتا ہے' وہ اپنی پوتی کے ساتھ کوئی ناانصافی کرسکتی ہیں؟'' ناظم صاحب کی بات نے سخاوت بیگم کو حیرت میں ڈال دیا۔

''یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں ناظم صاحب؟''

''آپ کو کیا لگتا ہے ہم اماں جان کی مخالفت میں کھڑے ہوں گے؟ اماں جان ہماری دشمن نہیں ہیں بیگم اور فاطمہ کے متعلق ان کی فکر ان کی ممانعت کو دشمنی تصور مت کیجیے۔ مانا وہ فاطمہ کی پڑھائی کے خلاف رہی ہیں مگر......'' ناظم صاحب نے بات ادھوری چھوڑ کر گہری سانس لی۔

''ہم ایک خاندان و کنبہ ہیں سخاوت بیگم...... اس رشتہ کے ہوجانے میں کوئی عیب نہیں' ریحان گھر کا بچہ ہے' پرایوں میں بیٹی دینے سے جو خدشات ہوتے ہیں وہ اپنوں میں رشتہ کرنے سے دم توڑ جاتے ہیں' جو بھی ہے تو قیر ہمارے بھائی ہیں۔'' ناظم الدین نے کہا اور بیگم دیکھتی رہ گئیں۔

''یہ کیا کردیا اماں جان نے' انہوں نے آپ کو بھی قائل کرلیا؟ آج آپ کو بھائی' والدہ...... سب ٹھیک لگ رہا ہے اور اپنی اولاد؟ آپ ان بچوں سے غفلت برت رہے ہیں جن کی ذمے داری آپ پر عائد ہوتی ہے' ہم آپ کو آپ کے رشتوں کے خلاف نہیں اکسا رہے' آپ والدہ' بھائیوں کی فکر کریں مگر اپنی اولاد کے فرض سے غافل ہونا بھی ٹھیک نہیں...... ہم آپ سے درخواست کرتے ہیں' آپ رشتہ کرنے میں اتنی عجلت سے کام نہ لیں۔ ایک بار چھان بین کرلیجیے گا۔'' سخاوت بیگم نے شوہر کو قائل کرنا چاہا اور پلٹ کر باہر نکل گئی تھیں' خواجہ ناظم الدین ان کو دیکھتے رہ گئے تھے۔

❁......❁......❁

فاطمہ کا برا حال تھا۔ وہ تیز بخار سے بری طرح کانپ رہی تھی۔ سخاوت بیگم نے بیٹی کو چھو کر دیکھا اور متفکر ہوئیں۔

''فاطمہ...... میری بچی' ہوش کر...... آنکھیں کھول' کیا ہوا؟ اچانک طبیعت کیسے بگڑ گئی؟'' مگر فاطمہ کانپتی رہی' اس نے آنکھیں کھول کر ماں کو نہیں دیکھا۔

''فاطمہ کیا ہوا بچی...... آنکھیں تو کھول' صبح تو ٹھیک تھی' یہ اچانک اتنے تیز بخار نے کیسے آن لیا؟'' وہ فکرمندی سے فاطمہ کا سر دبانے لگیں۔ فاطمہ نے مارے خوف کے ماں کا ہاتھ تھام لیا' گرفت ایسی مضبوط تھی کہ سخاوت بیگم کو چونکا پڑا' وہ جیسے بہت خوف زدہ تھی' سخاوت بیگم اسے بغور دیکھتے ہوئے صورت حال سمجھنے کی تگ و دو کررہی تھیں' جب اماں جان نے قدم اندر رکھا اور فاطمہ کو گویا جانچتی نظروں سے دیکھ رہیں ہو۔ سخاوت نے اماں جان کی آمد پر ان کو دیکھا' تبھی اماں جان بولیں۔

''کیا ہوا فاطمہ کو؟ ابھی کچھ دیر پہلے تو اچھی بھلی تھی۔'' انہوں نے قصداً پوچھا۔

''پتہ نہیں اماں جان' بدن تیز بخار سے تپ رہا ہے' ناجانے کس کی نظر لگ گئی میری بچی کو۔'' سخاوت بیگم فکرمندی سے بولیں۔ اماں جان نے سر ہلایا۔

''میرے کمرے میں جا...... دم کیا پانی رکھا ہے' لاکر پلادے اسے بخار جاتا رہے گا' معمولی سی بات ہے' پریشان [ہو]ں' سخاوت بی بی چھوٹی چھوٹی باتوں پر ہاتھ پاؤں مت پھلا لیا کرو اپنی ساس بیگم سے سیکھ کچھ' کیسی کٹھن زندگی [گز]اری ہے' تنہا بچوں کو پالا ہے مگر حوصلہ نہیں ہارا' ہمت ہار جانے کا مطلب شکست ہوتا ہے۔ سخاوت بی بی' کہتے ہیں [ب]ہو ساس بیگم کا پرتو ہوتی ہے' اتنا وہ ماں سے نہیں سیکھتی جتنا اپنی ساس سے...... میری خیر سے تین بہوئیں ہیں مگر [ان] میں سے کسی ایک نے بھی اپنی ساس بیگم سے کچھ نہیں سیکھا۔'' وہ طنز کرتی ہوئی بولیں۔ سخاوت بیگم ان کو دیکھتی [رہ] گئیں۔ ''آہ ہاہ تاج بیگم تیری حسرت ہی رہے گی تیری بہوئیں تیرا پرتو ہوں' ایسی قسمت کہاں؟'' اماں جان نے گہری [سا]نس خارج کا اور جھک کر فاطمہ کی پیشانی کو چھو کر دیکھا اور بہو کی سمت دیکھتے ہوئے بولیں۔

''حکیم کی دوا بھی وہیں رکھی ہے کمرے میں' کسی ملازمہ کو بھیج کر منگوا لیجیے فکر کی کوئی بات نہیں۔ بخار تو تھکن سے [بھ]ی ہوجاتا ہے اور ہماری فاطمہ کو تو یوں بھی پڑھا کو ہونے کا خبط ہوچلا ہے۔'' وہ مسکرائیں اور پلٹ کر باہر نکل گئیں۔ [سخا]وت بیگم نے ساس بیگم کو بغور دیکھا اور پھر فاطمہ کو' جس نے کانپتے ہوئے ان کا ہاتھ مضبوطی سے تھام رکھا۔ اس کی [آن]کھوں سے بہتے آنسو بہت کچھ واضح کررہے تھے۔

❁......❁......❁

''ہمیں خوشی ہے آپ کی اماں جان نے رشتہ قبول کرنے کی حامی بھرلی؟ ویسے ہمیں حیرت بھی اسی قدر ہے تو قیر [ص]احب' تاج بیگم ایسی سیدھی ہیں تو نہیں ویسے...... ایسی تیڑھی کھیر اتنی آسانی سے کوئی کام ہوجانے دیں تو شک [ہو]نا ضروری ہوجاتا ہے۔'' شوکت بیگم نے تو قیر الدین کی سمت دیکھا' جتنی شاطر تاج بیگم تھیں اس سے غالباً دگنا [چا]لاک خود کو شوکت بیگم تصور کرتی تھیں' ایسے اقدام کا انجام پا جانا ان کے لیے حیرت کا باعث تھا۔ تو قیر نے بیگم کو [دی]کھا۔

''آپ کا بھی جواب نہیں بیگم...... اگر اماں جان انکار کرتی تو بھی آپ کو اسی قدر پریشانی ہوتی۔ اب اقرار ہوا ہے [تب]ھی آپ حد درجہ پریشان رہتی ہیں۔'' تو قیر الدین نے بیگم کو گھورا' شوکت بیگم مسکرادیں اور کھیر کا چمچ منہ میں رکھتے [ہو]ئے بولی۔

''بہو تو ساس کا پرتو ہوتی ہیں' ایسا آپ کی اماں فرماتی ہیں۔ ہم آپ کی اماں جان کا پرتو ہیں تو اس پر آپ کو اس قدر [تشو]یش کیوں ہے؟'' شوکت بیگم کے مسکرانے پر تو قیر الدین نے انہیں دیکھا۔

''اگرچہ آپ نے اماں جان کے ساتھ زیادہ وقت بھی نہیں گزارا کہ آپ کا مزاج اماں جان سے ملنے لگے لیکن [ک]ہتی ہیں تو پھر ٹھیک ہی ہوگا۔ چلیے اسی خوشی میں حلوہ پکا لائیے۔'' تو قیر الدین نے کہا۔

''حلوہ تو آپ کو بنا کردوں گی مگر پہلے اماں جان سے بات کرلیجیے' ان کا ارادہ بدل ہی نہ گیا ہو' ان کے مزاج سے [واقف] ہیں آپ' جب تک لڑکی کی انگلی میں ہم خود انگوٹھی نہیں پہنا لیتے اور شگن کے پیسے نہیں رکھ دیتے ہم آپ کی اماں [پر ر]تی بھر یقین نہیں کرسکتے؟'' شوکت بیگم بھی گھاگ تھیں ان کو ساس کا مزاج معلوم تھا سو وہ یقین کرنے کو تیار [نہ تھیں]۔

''اب ایسی بھی بات نہیں بیگم' اماں جان نے کہا ہے تو اعتبار تو کرنا ہی پڑے گا' صد شکر کیجیے آپ کے سپوت کو کوئی [مل ر]ہا ہے' ان کی حقیقت کھلے گی تو سو جوتے پڑنے کی نوبت بھی آسکتی ہے۔'' تو قیر الدین نے خلاصہ کیا۔

''ارے جانے دیجیے' لکھنواتنا چھوٹا بھی نہیں کہ ساری باتیں دلی جا پہنچیں' باتوں کو پر نہیں لگے ہوئے۔ ہمارے سپوت کی کہانی اب ایسی بھی عام نہیں' ہم تو اگر آپ کے لاہور والے بھائی صاحب سے بھی رشتہ مانگتے تو وہ بھی انکار نہ کرتے۔ ریحان میں کیا کمی ہے؟ ماشاءاللہ دیکھنے میں معقول ہے' پڑھا لکھا بھی ہے اور......!''

''جی' جی' بیرسٹری کی ڈگری پاس کر رکھی ہے ناں آپ کے سپوت نے' جانے بھی دیجیے بیگم' حد کرتی ہیں آپ اپنے لعل میں آپ کو کوئی برائی کہاں دکھے گی؟ اگر تمہاری بیٹی نصرت کے لیے ہم کوئی ایسا نالائق نکھٹو تلاش کرتے تو کیا آپ کو تب بھی معقول لگتا؟'' توقیر الدین نے سچائی کھل کر بیان کی۔

''کیسی باتیں کرتے ہیں آپ؟ اللہ نہ کرے ہماری بچی نصرت کا نصیب ایسا پھوٹے۔ ایسی سلجھی ہوئی بچی ہے ہماری' مذاق میں بھی ایسی بات منہ سے مت نکالیے گا۔ اللہ بہت سی خوشیوں سے دامن بھرے میری بچی کا۔ آپ کہاں میری بچی کا موازنہ اپنی بھتیجی سے کرنے لگے؟ ایسا تذکرہ دوبارہ مت کیجیے گا۔'' انہوں نے شوہر کو لتاڑا۔

''ہمیں تو شک گزر رہا ہے' پتہ کرلیجیے' آپ کی بھتیجی میں کوئی عیب تو نہیں؟ اب لکھنو ایسا چھوٹا بھی نہیں کہ یہاں کی بات چل کر دلی نہ پہنچے۔ اگر سب جان کر بھی آپ کی اماں جان اور آپ کے بھائی بھابی ہمارے ریحان کو رشتہ دے رہے ہیں تو ضرور کوئی بات ہے' کہیں آپ کی بھتیجی اپاہج تو نہیں یا بدکردار؟ سنا ہے تاج بیگم کی طرح حسن میں یکتا ہیں۔ جہاں حسن ہوتا ہے وہاں بدنامی ضرور ہوتی ہے' کم سن ہیں' حسین ہیں' پتہ کروالیں چال چلن تو ٹھیک ہے کہ نہیں؟'' شوکت بیگم نے نقطہ نکالا' توقیر الدین دیکھتے رہ گئے تھے۔

❀......❀......❀

''کرم دین' روٹی جلے پر بنتی ہے' بجھی راکھ پر نہیں' جو کام وقت پر ہوجائے اچھا ہے' اس مہینے کا حساب کرکے ہمیں دو تو ہم نہر والی زمین کی لاگت کی ادائیگی کریں' مفت کی ہم کھاتے نہیں اور تحائف کا شوق ہم رکھتے نہیں۔'' اماں جان نے کہا' کرم دین نے سر ہلایا۔

''آپ سے بات کرنی تھی اماں جان' ہم نے ملازم کو بھیج کر پتہ کروایا ہے اور جو خبر آئی ہے اسے سن کر ہم بہت پریشان ہوگئے ہیں۔ ہم نے سوچا چونکہ معاملہ بیٹی کا ہے سو ہم خود لکھنو جا کر حالات کا جائزہ لیں گے۔'' کرم دین نے فکرمندی سے کہا۔ اماں جان نے ان کو دیکھا اور مسکرا دیں۔

''کس معاملے کا خلاصہ کر رہے ہو کرم دین؟'' وہ بے خبری سے بولیں تو کرم دین چونک پڑے۔

''اماں جان' اپنی فاطمہ بچی کی بابت بات ہوئی تھی ناں؟ آپ نے معلومات اکٹھی کرنے کا کہا تھا؟ اماں جان ان موصوف کی شہرت کچھ اچھی نہیں ہے۔ وہ ہماری فاطمہ بچی کے قابل نہیں ہے اور......!'' کرم دین نے اخلاص سے کہنا چاہا مگر اماں جان نے ہاتھ اٹھا کر ان کو روک دیا۔

''اس معاملے پر کوئی بات نہیں ہوگی کرم دین' جو چھان بین ہونا تھی ہوگئی' ہم نے عندیہ دے دیا ہے۔'' اماں جان کے کہنے پر کرم دین چونکا مگر وہ پرسکون انداز میں بول رہی تھیں۔

''ایسی باتوں کو مسئلہ بنانا کوئی معقول جواز نہیں' زمانہ بدل گیا ہے میاں' نئے دور کے بچے ہیں' گھر میں پیسے کی ریل پیل ہو تو تھوڑا مزاج چھلک جایا کرتا ہے۔ اب اس میں حیرت کیسی؟ گھر کا بچہ ہے' ایسے بڑے عیب نہیں کہ ہم صاف انکار کردیں۔ بچہ ہے سدھر جائے گا۔ اس معاملے کو ہوا دینا جائز نہیں' آپ خاموشی اختیار رکھیے۔ ہم نے

...تی کی حفاظت، حسن کی بقا اور جوانی کے دوام کیلئے نباتاتی مرکبات سب سے بہترین ہیں (یورپین ہیلتھ کونسل)

...ن میں قدرتی جڑی بوٹیوں پر تحقیق کرنیوالے ادارے کے نامور اور ...رترین ماہرین کی شبانہ روز کاوش کی بدولت سائنسی اصولوں پر تیار کردہ ...نباتاتی مرکبات، قدرت کی تخلیق اور ہماری تحقیق کا شاندار نتیجہ

اب...... پُرمسرت اور صحت مند زندگی

سب کیلئے...... سدا کیلئے

بھریئے اپنی بے رنگ زندگی میں قوس قزح کے رنگ اور پھیکی زندگی میں گھولئے خوشیوں کا رس

...لایئے مسکراہٹوں کی خوشبو اور گزاریئے خوش و خرم زندگی۔ حسن و صحت کے تمام مسائل کے حل، ادویات کی ترسیل اور آن لائن مشورہ کی سہولت

نباتاتی نکھار کورس

قیمت دوا 1 ماہ -/4000 روپے

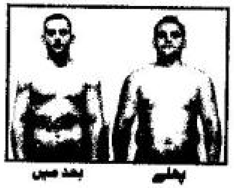

نباتاتی اکسیر موٹاپا کورس

موٹاپے کا کامیاب ترین علاج لٹکے ہوئے پیٹ کو کم کرنے، کمر کو پتلا کرنے کولہوں و جسم کے موٹے حصوں سے فاضل چربی کے اخراج کی خصوصی دوا

قیمت دوا 1 ماہ -/5000 روپے

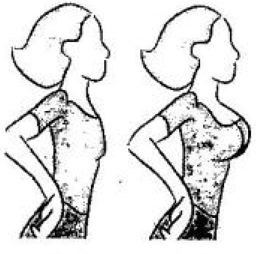

نباتاتی فگر اپ کورس

نسوانی حسن کی حفاظت، نشوونما، سڈول اور صحت مند بنانے کی خاص دوا

اب نسوانی حسن جتنا آپ چاہیں

قیمت دوا 1 ماہ -/4000 روپے

نوٹ: خواتین کے حسن و صحت سے متعلق علاج و مشورہ کیلئے شعبہ تشخیص و تجویز سے رابطہ کریں

یہ کورس صرف ہمارے ادارہ سے ہی دستیاب ہو سکتے ہیں - ہوم ڈلیوری کیلئے ابھی رابطہ کریں

کتاب "صحت مند زندگی سب کے لئے، سدا کے لئے" ادارہ سے منگوائی جا سکتی ہے

Idara Tehqeeq-e-na...

ادارہ تحقیق نباتات

چوک کمہار انوار العلی پلازہ معصوم شاہ روڈ ملتان۔ فون: 061-677193' موبائل: 0345-888193

ٹھان لی ہے فاطمہ کا رشتہ ہوگا تو صرف ریحان میاں سے ہی ہوگا۔ لکھنو کو دلی سے ملنے سے کوئی روک نہیں سکتا۔‘‘ اماں جان کا لہجہ اٹل تھا اور کرم دین ان کو دیکھتے رہ گئے۔

وہ اماں جان کے کہے سے اختلاف نہیں کرسکتے تھے‘ مگر ان کی آنکھوں میں حیرت واضح تھی‘ آخر اماں جان جانتے بوجھتے ایسا فیصلہ کیوں لے رہی تھیں؟ مگر باوجود چاہنے کے وہ اماں جان کے گھریلو معاملات میں مداخلت نہیں کرسکا اور دل کی بات زبان تلے ہی دبالی اور اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

❁......❁......❁

وقارالحق ایک سرور سے تالاب کے پاس چلتے ہوئے آئے تھے۔ کیا حسن تھا‘ کیا رعنائی تھی‘ وہ دیکھ کر ہوش گنوا آئے تھے۔ بے دھیانی میں قدم اٹھایا تھا‘ انہیں اندازہ نہیں تھا کہ قدم پانی میں پڑنے کو تھا جب ان کے قریبی دوست وجاہت نے ان کا ہاتھ تھام لیا تھا۔

’’خیریت میاں‘ ایسی کیا بے خبری‘ یہ تک نہ دیکھا آگے تالاب ہے؟‘‘ وجاہت نے مسکراتے ہوئے کہا‘ وقارالحق نے ان کو دیکھا اور جیسے خواب سے جاگتے ہوئے مسکرائے۔

’’اٹھا ہوا قدم اگر آگ کی سمت بھی اٹھتا تو ہم قدم کو روکنے کی کوشش نہ کرتے وجاہت‘ یوں بھی ہم ایک آتش سے نبرد آزما ہیں‘ تم نے کبھی آتش سے آتش کو جلتے دیکھا ہے؟‘‘ وہ مسرور سے مسکرائے‘ وجاہت نے مسکراتے ہوئے سر ہلا دیا۔

’’ہم اندازہ کرسکتے ہیں محترم چھوٹے نواب وقارالحق‘ کہانی آپ کے چہرے پر رقم ہے۔ احوال صاف درج ہے ہم حیرت میں ہرگز مبتلا نہیں‘ بس اس بات پر حیران ہیں کہ آپ عشق میں مبتلا ہوئے تو بتایا تک نہیں؟‘‘ وجاہت چھیڑنے لگے۔ وقار مسکرا دیئے اور وجاہت کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔

’’عشق کیا بلا ہے میاں...... اس کی خبر نہیں‘ ہم نہیں جانتے ان الجھی باتوں کے معنی...... بس اتنی خبر ہے پڑھ کر عالم فاضل ہوئے مگر ان کو دیکھ کر سب باتوں کے معنی بھول گئے‘ جانے عشق تھا یا محبت...... نگاہ سمجھی نہیں۔‘‘ وہ شکست خوردہ لہجے میں بولے۔ وجاہت مسکراتے ہوئے سر ہلانے لگے۔

’’بجا فرمایا‘ ایسا عشق کی خرافات میں ہی ممکن ہے...... بہرحال ہیں کون محترمہ......؟ جنہوں نے آپ کو خردمند سے جنونی بنا دیا ہے‘ وہ آپ کو تمام معنی بھی یقیناً بتاسکتی ہیں۔ آپ کہیں تو ہم جا کر پوچھ آئیں؟‘‘ وجاہت نے شرارت سے چھیڑا تو وقار مسکرا دیئے۔

’’جانے دیجیے میاں‘ بات کو عام کرنے میں ثانی نہیں رکھتے آپ‘ ایسا کچھ نہیں ہے۔ عشق کتابوں سے نکل کر باہر نہیں آتا...... ہم ایسی خرافات پر یقین نہیں رکھتے...... مگر کچھ حیران ضرور ہیں۔‘‘ وقارالحق نے کہا۔

’’کیسی حیرت؟‘‘ وجاہت نے پوچھا۔ وقارالحق نے شانے اچکا دیئے تھے۔

’’ہم نہیں جانتے مگر ہم نے ایسا حسن نہ کبھی دیکھا نہ سنا......!‘‘ انہوں نے لاعلمی کا اظہار کیا‘ وجاہت مسکرائے۔

’’محترم آپ گئے کام سے...... عشق نے نکما کردیا آپ کو‘ یقین نہ آئے تو تجربہ کر دیکھیے۔‘‘ وجاہت نے چھیڑا اور وقار نے مسکراتے ہوئے سر انکار میں ہلایا۔

’’ایسے نادان نہیں کہ عشق کی بھول بھلیوں میں گم ہوجائیں‘ ہم نے دنیا دیکھی ہے میاں‘ یہ عشق ہمارے مزاج کو

نہیں باندھ سکتا۔ ہم تو بس حیرت میں مبتلا ہیں‘ ایسا یکتا بھی حسن ہوتا ہے‘ ایسا انوکھا کہ ساکت کردیا؟ ہم گم ہوئے ہیں مگر حسن کے تیور سے...... عشق معاملہ بندی کرنے آیا بھی تو خالی ہاتھ واپس جائے گا۔ ایسے نادان نہیں ہم کہ عشق کے فریب میں آجائیں۔ عشق کو مات کرنا آتا ہے ہمیں۔‘‘ وقار پُریقین لہجے میں بولے اور وجاہت نے سر ہلا دیا۔

❁......❁......❁

فاطمہ کی آنکھ رات کے کسی پہر کھلی تھی کوئی ان کی پیشانی پر ٹھنڈی پٹیاں کرتے ہوئے فکرمند تھا‘ فاطمہ نے بامشکل آنکھ کھول کر دیکھا‘ منظر دھندلا تھا وہ توقع کررہی تھی اماں ہوں گی مگر ابا جان کو دیکھ کر وہ فوراً اٹھ بیٹھی۔

’’کیا ہوا میری بچی‘ لیٹ جاؤ‘ بخار تیز ہے آرام کرنا ضروری ہے۔‘‘ ابا جان نے فکرمندی سے کہا مگر فاطمہ نے ابا جان کا ہاتھ تھام لیا اور ان کی طرف خاموشی سے دیکھنے لگی۔ ابا جان حیران ہوئے۔

’’کیا بات ہے فاطمہ؟‘‘ انہوں نے پوچھا مگر وہ کچھ نہیں بول سکی اور آنکھوں سے آنسو رواں ہوگئے۔

’’آپ سے کچھ کہنا چاہتے ہیں ابا جان‘ ہم سے بہت بڑا گناہ سرزد ہوگیا ہے۔‘‘ فاطمہ نے بنا کسی تمہید کے کہا اور ناظم الدین چونک پڑے۔

’’کیا مطلب‘ کس بابت بات کررہی ہو فاطمہ؟‘‘ انہوں نے پوچھا۔ فاطمہ خاموشی سے نگاہ بدل گئی اور پھر بولی۔

’’آپ ہمیں غلط مت سمجھیے گا ابا جان‘ آپ نے ہمیشہ اپنی اولاد پر اعتبار کیا ہے اور آپ کا اعتماد کرنا ہی ہماری طاقت ہے‘ ہم آپ سے کچھ چھپا نہیں سکتے‘ نہ کبھی کچھ چھپا سکیں گے‘ ہم سے غلطی ہوئی ہے مگر یہ غلطی ایسی سنگین ہے کہ نہیں اس کا تعین آپ کرکے ہماری سزا کا فیصلہ کریں گے۔‘‘ فاطمہ نے کہا اور کچھ کہنے جارہی تھی جب آہٹ ہوئی اور اماں جان کی آواز ابھری۔

’’کیا ہوا ناظم الدین اتنی رات گئے کس سے بات کررہے ہو تم‘ ایسی کیا آفت آگئی‘ کہیں بیٹی چل تو نہیں بسی؟‘‘ ان کے کڑوے لہجے میں حسب توقع بہت طنز گھلا ہوا تھا۔ ابا جان نے فاطمہ کی طرف دیکھتے ہوئے اسے کچھ بھی کہنے سے باز رکھا‘ اسی اثنا میں اماں جان وہاں پہنچ گئیں۔

’’کیا آفت آگئی میاں؟‘‘ اماں جان نے پوچھا۔ ناظم الدین نے ماں کی طرف دیکھا۔

’’فاطمہ کی طبیعت خراب تھی اماں جان...... میں دیکھنے آیا تو بخار تیز تھا سو میں نے مٹکے سے پانی لیا اور ٹھنڈی پٹیاں کرنے لگا۔ اب بخار کچھ کم ہوا ہے تو بچی نے آنکھ کھولی ہے‘ فکر کی کوئی بات نہیں ہے‘ معذرت چاہتا ہوں آپ کے آرام میں خلل واقع ہوا۔ بہتر ہوگا آپ جاکر آرام کیجیے۔‘‘ ناظم الدین نے بہت احترام سے کہا‘ اماں جان نے جانچتی نظروں سے دیکھا۔

’’سب خیریت ہے ناں؟‘‘ اماں جان نے پوچھنا ضروری خیال کیا‘ ناظم الدین صاحب نے سر ہلا دیا۔

’’ایک ضروری معاملے پر بات چیت کرنا ہے آپ سے‘ ان شاء اللہ کل آپ کی خدمت میں حاضر ہوں گا اماں جان آپ آرام کیجیے۔‘‘ ناظم الدین نے کہا تو فاطمہ نے ان کی طرف چونکتے ہوئے دیکھا مگر ابا جان نے کوئی ردعمل ظاہر نہیں کیا‘ اماں جان نے انہیں دیکھا اور پھر فاطمہ پر ایک نگاہ ڈالی اور پلٹ کر واپس قدم اٹھانے لگیں۔ ناظم صاحب نے نظروں ہی نظروں میں فاطمہ کو خاموش رہنے کی تلقین کی‘ شاید وہ اس معاملے کو دانستہ اماں جان کے علم میں نہیں لانا چاہتے تھے‘ تبھی وہ فاطمہ کو خاموش رہنے کا اشارہ دے رہے تھے۔ اگرچہ فاطمہ اپنے اندر اس بات کو

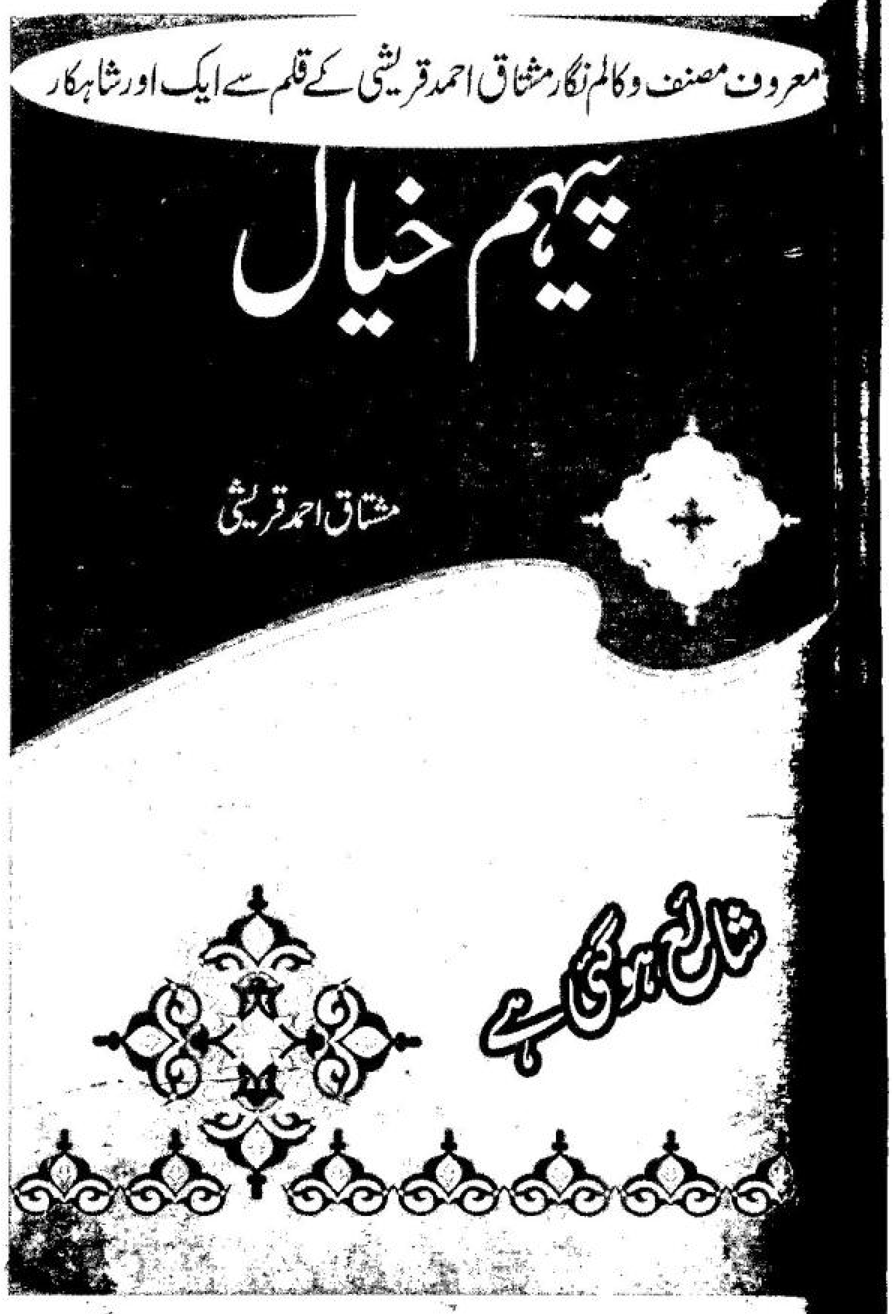

چھپا کر نہیں رکھ سکتی تھی مگر اس نے لبوں پر تالا لگالیا تھا۔

''ہمیں اپنی تربیت پر بھروسہ ہے فاطمہ......'' ابا جان نے بس اتنا کہا اور فاطمہ کے سر پر شفقت بھرا ہاتھ رکھ کر اٹھ کھڑے ہوئے' فاطمہ ان کو دیکھ کر رہ گئی اور آنکھوں سے نمکین سمندر رواں ہوگئے جو ہوا تھا وہ اپنے اندر اسے سمونے میں ناکام تھیں۔ شاید یہ سب ہونے سے قبل اسے ابا جان سے سب کہہ دینا چاہیے تھا۔

❀......❀......❀

اماں جان نے ملازمہ کو فون پر مطلوبہ نمبر ملانے کا اشارہ دیا' ملازم نے فوراً حکم پر عمل پیرا ہوکر ریسیور اماں جان کی طرف بڑھایا۔ اماں جان نے ریسیور کان سے لگالیا۔

''آداب نواب صاحب!''

''تسلیمات! اماں جان' کیسے زحمت کی؟ پیغام بھجوادیا ہوتا ہم خود حاضر ہوجاتے...... آپ نے فون کرنے کی زحمت کیوں کی؟'' نواب صاحب نے ادب سے کہا' اماں جان مسکرادیں۔

''ناظم الدین کیسے ہو میاں' بیٹے سے کم کا درجہ نہیں دیا کبھی مگر اصول اپنی جگہ ہم نے نہر والی زمین کے متعلق فون کیا ہے' ہم اس زمین کی ادائیگی کرنا چاہتے ہیں۔'' اماں جان نے مدعا بیان کیا۔

''جانے دیجیے اماں جان' تحفے کی بھی بھلا قیمت ہوا کرتی ہے؟ وہ زمین آپ کو تحفے کے بطور نذر کی ہے۔ سو ماں سے نذرانہ کی قیمت وصول کرنا ہماری روایت نہیں اماں جان...... آپ نے بیٹا سمجھا ہے ہم نے بھی ہمیشہ آپ کو اماں جان کا ہی درجہ دیا ہے' آپ اماں حضور کی قریبی سہیلی تھیں' ہمیں آپ میں اماں حضور کا چہرہ دکھائی دیتا ہے' برائے کرم ایسی غیروں والی بات کرکے پرایا نہ کیجیے۔'' نواب صاحب نے مسکراتے ہوئے کہا۔ اماں جان مسکرادیں۔

''میاں رشتے داری اور ماں بیٹے کا رشتہ ایک طرف مگر لین دین کی باتوں میں کوئی رشتہ نہیں ہوتا نواب زمان الحق' لین دین ماں بچے میں بھی ہوتا ہے' تم نے ماں کو نذرانہ کردیا' مگر ماں کی طرف سے بھی تحائف جائز سمجھے جانے چاہئیں۔'' اماں جان نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''جانے دیجیے اماں جان' کوئی اور بات کریں' اس بات کو فراموش کردیجیے مگر اس زمین کے علاوہ کوئی معاملہ ہوا تو آپ کی طرف سے ضرور ایسا تحفہ قبول کروں گا۔'' نواب صاحب نے کہا۔

''گستاخی معاف اماں جان...... مگر ہمارے آداب ایسا نہیں سکھاتے۔ ایک بات مزید کرنا تھی مگر اس کے لیے حاضری دینا ضروری ہے' جلد آپ کی خدمت میں حاضر ہوں گا' تب چائے ہمراہ پینے کے ساتھ ایک ضروری بات بھی کروں گا۔'' نواب صاحب نے عرض کیا' اماں جان نے سر ہلادیا۔

''ٹھیک ہے' ہم منتظر رہیں گے۔'' اماں جان نے کہہ کر فون کا سلسلہ منقطع کردیا اور ملازم کی طرف دیکھا۔

''ذرا توقیر کا نمبر ملائیں ان کی بھی خبر لیں۔'' اماں جان نے کہا اور ملازمہ نے فوراً حکم پر عمل کیا۔

❀......❀......❀

حیرت کی بات تو یہ بھی تھی کہ اماں جان نے پڑھائی کے اس عمل میں کوئی خلل واقع نہیں ہونے دیا' معمول کے مطابق چھوٹے نواب صاحب پڑھانے آتے اور فاطمہ اگرچہ بخار سے پھنک رہی تھیں اس کے باوجود اٹھ کر دیوار کے اس طرف آن بیٹھیں' چھوٹے نواب نے ان کی موجودگی محسوس کرکے دیوار کو دیکھا اور نرمی سے گویا ہوئے۔

"ہم سمجھے شاید آپ تشریف نہ لائیں' شکر گزار ہیں اس تشریف آوری کے لیے اور معذرت خواہ ہیں ہم نے آپ کو ضد کرکے بلاوجہ پریشان کیا' اس کا اندازہ ہمیں بعد میں ہوا' ہم نے جو کیا وہ مناسب نہیں تھا۔" وقار الحق اپنی غلطی کھلے دل سے قبول کررہے تھے مگر یہ ازالہ نہیں تھا' ازالے کی گھڑی گزر چکی تھی' جو ہوا تھا اس کا واقعہ نہ ہونا ہی بہترین تدارک تھا۔ وہ جانتی تھی دادی اماں نے جو چپ سادھ رکھی تھی اس کا کوئی تو مطلب نکلنا تھا گویا خاموشی کوئی بھیانک داستان رقم کرنے والی تھی۔ اتنا تو وہ جان گئی تھی' دادی اماں اس معاملے کو نظر انداز کرنے والی نہیں تھیں مگر وہ چھوٹے نواب کو کوئی الزام نہیں دے سکی تھی' اس کی خاموشی محسوس کرکے نواب وقار الحق کو جیسے مزید اپنی غلطی کا احساس ہوا' تبھی بولے۔

"ہم اپنے کیے کا تدارک کرسکتے ہیں۔ ایسا مت سمجھیے گا کہ جو قیامت آپ جھیلیں گی وہ فقط آپ کے لیے نازل ہوگی' اگر ہمارے کسی عمل کے باعث آپ کو کچھ جھیلنا پڑتا ہے تو ہم بھی اس سزا کے مستحق ہوں گے' آپ اکیلے ایسی کوئی سزا نہیں جھیلیں گی۔" نواب وقار الحق نے مضبوط لہجے میں کہا مگر ان کی تسلی سے فاطمہ کو خاطر خواہ فرق نہیں پڑا تھا۔

"ہم اپنے حصے کی سزائیں خود جھیلتے ہیں نواب وقار الحق' سزاؤں میں شراکت داری نہیں ہوتی۔" وہ پُرسکون لہجے میں بولیں۔ نواب وقار الحق نے صندل کی اس بھاری دیوار پر تنے پردے کو دیکھتے ہوئے گویا اس حسین چہرے کو نظروں ہی نظروں میں محسوس کیا تھا' ان کے لہجے سے ان کی آنکھوں کی نمی کا بھرپور احساس ہورہا تھا۔

"اس بات کی خبر کسے ہوئی؟ کیا آپ کی دادی جان کو یا والد محترم کو؟ ہم خود ان سے اس سلسلے میں بات کرنے کو تیار ہیں۔ ہم سے لمحہ بھر کو ملاقات کرکے آپ کی پاکیزگی پر کوئی حرف نہیں آسکتا' آپ کی پاک دامنی کی گواہی ہم خود دینے کو تیار ہیں۔" نواب وقار الحق نے انہیں یقین دلایا۔ فاطمہ نے ملازم کو آتے دیکھا اور مدھم لہجے میں بولیں۔

"پڑھائی کا آغاز نئے باب سے کرنا مناسب ہوگا چھوٹے نواب' پچھلے باب کو بند کردینا مناسب ہوگا" خالدہ بی بی چھوٹے نواب کو چائے یا قہوہ پیش کیجیے۔" اس نے دانستہ ملازم کا ذکر کرکے گویا اطلاع دی تھی کہ اب مزید کوئی بات چیت نہ کی جائے اور نواب وقار الحق اس بات کو اشارہ سمجھ کر مزید کوئی ذکر کیے بنا پڑھائی پر آگئے تھے۔

فاطمہ خالی ذہن اور بخار سے تپتے جسم کے ساتھ وہاں بیٹھی چپ چاپ وقار الحق کو سنتی رہی' سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا مگر دادی جان کے اس کھیل کو جاری رکھنے کا کوئی مقصد تھا' وہ اس عمل سے گویا جلتی پر تیل ڈالنا چاہتی تھیں اور فاطمہ اس بارے میں سوچ کر متفکر تھی کہ وہ عمل کیا ہوگا؟ جتنی خاموشی تھی اس سے ظاہر تھا کہ کوئی قیامت آنے والی ہے مگر وہ چاہ کر بھی اس قیامت کو آنے سے باز نہیں رکھ سکتی تھی' سو اپنے الجھے ہوئے دماغ کو پُرسکون کرنے کے لیے اس نے سر جھٹکا اور لفظوں کو سمجھنے کی سعی کرنے لگی مگر کھلی کتاب میں لکھے حروف سمجھ میں آنے سے قاصر رہے تھے۔

❀......❀......❀

تاج بیگم نے پان بنا کر منہ میں رکھا اور ناظم الدین کو دیکھا۔

"گھر کی عزت کو بچانے کے لیے ایسے ہی بندھ باندھنا ضروری ہے جیسے بہتے دریا کے سامنے روک لگانا۔ ہم نے جو مناسب جانا وہی کیا' ہمارے عمل سے چاہے تم سب اختلافات رکھو میاں مگر عزت سے بڑھ کر کیا ہے؟ سوچو آج گھر کی عزت نے جذبات میں آکر گھر سے باہر قدم رکھا' کل کو جذبات امڈے تو کیا کیا نہیں ہوسکتا اور عزت تو

پھینے کی طرح ہے گئی تو گئی' لاکھ لکیر پیٹو واپس کہاں آتی ہے۔ ایسا نہیں کہ ہمیں اپنی بچی پر یقین نہیں مگر وہ کم سن اور کم عقل ہے' اپنا اچھا برا نہیں سمجھتی مگر ہم بڑے کس لیے ہیں؟ ہمارا فرض بنتا ہے ہم راہنمائی کریں اگر نہ کرسکیں تو اقدامات کریں۔" اماں جان نے مدعا کہنے کو تمہید باندھی اور ناظم الدین ماں کو خاموشی سے سن رہے تھے' کوئی بات تھی فاطمہ بھی بتانا چاہتی تھی' شاید مناسب ہوتا اگر وہ بیٹی سے پہلے سن لیتے...... مگر اماں جان صورت حال کو گھیرنا جانتی تھیں اور ان کو بہانے کے جواز درکار ہوتے تھے۔ وہ اتنا تو اپنی ماں کو سمجھتے تھے اپنی بیٹی کو فضول روایات کی نذر کرنا ان کے لیے یقیناً ممکن نہیں تھا' وہ دقیانوسی نہیں تھے مگر اماں جان کا موقف سن کر وہ خود کو متانت روی کا قائل کرنے میں مشکل محسوس کررہے تھے۔ اماں کے پاس رشتہ پکا کرنے کا معقول جواز تھا کہ فاطمہ نے کوئی ایسا عمل کیا تھا جس کی سزا کے طور پر اس کی سزا واجب ہونا فرض تھا مگر وہ اپنی اولاد کو ایسی کسی سزا کا مستحق نہیں سمجھتے تھے کم از کم تمام معاملات جانے بنا تو بالکل بھی نہیں۔ تبھی آہستگی سے بولے۔

"بقول آپ کے اماں جان فاطمہ کم سن ہے اور کم عقل بھی' سو اس کے لیے ایسی بڑی سزا کا انتخاب کرنا واجب نہیں۔" خواجہ ناظم الدین نے بیٹی کے متعلق موقف مضبوط رکھا' اماں جان دیکھتی رہ گئیں۔

"لیکن میاں تم نہیں جانتے کہ ہوا کیا؟ پہلے سن تو لو پوری بات سنے بنا تم کوئی موقف اختیار نہیں کرسکتے۔ اپنی اماں جان پر بھروسہ نہیں؟" اماں جان نے مضبوط لہجے میں پوچھا' خواجہ ناظم الدین ماں کی مخالفت کم ہی کرتے تھے مگر وہ اتنا تو جانتے تھے کہ اماں جان کو اپنے احکامات کو منوانا خوب اچھے سے آتا تھا۔ مخالفت برائے مخالفت کی عادت پرانی تھی ان کی۔

"پھر مت کہنا اب پچھتائے کیا ہوت جب چڑیاں چگ گئی کھیت؟ ابھی تمام معاملات ہاتھ میں ہیں' عزت بھی گھر کی گھر میں ہی ہے۔ اللہ کا کوئی کرم سمجھو یا احسان' بات پھیلی نہیں۔ آپ کی صاحبزادی گھر کی دہلیز پھلانگ کر چھوٹے نواب سے ملنے چلی گئی تھیں۔ وہ بھی بنا پردہ کیے' خلوت میں ملنے کے معنی سمجھتے ہیں آپ' سیانے کہہ گئے جلوت و خلوت میں کیا پنہاں ہے کوئی کیا جانے؟ خلوت از اغیار باید نے زیار...... ؟ آگے تم خود سمجھ دار ہو۔ یہ بات عام ہوگئی تو سوچو کون رشتہ لے گا؟ بیٹی کو گھر بٹھا کر رکھنا چاہتے ہو؟ عزت کی دھجیاں بکھر گئی تو ہاتھ ملتے رہ جاؤ گے۔ یہ جذبات سیلابی ریلے کی طرح بہتے ہوئے آتے ہیں اور ساتھ متاع حیات بہا لے جاتے ہیں۔ ہم خاندانی حسب نسب رکھنے والے لوگ ہیں' اب عزت کا جنازہ اس طرح تو نکالنے سے رہے۔ جاؤ جا کر پوچھو صاحبزادی سے' کیونکر دہلیز پھلانگی...... سو ہوا تو وہی نا جس کا ڈر تھا؟ خاک سے ڈرے اور خاک خود اڑ کر سر میں آن گری۔ اسی بات کا خوف تھا ناں ہم نے ہی خدشہ ظاہر کیا تھا' اب کہو اماں جان آپ غلط ہیں' سو جوتے اٹھا کر سر پر مارنے کو تیار ہوں گے...... ساری غلطی مان لیں گے۔" اماں جان کو گویا موقع مل گیا تھا' خواجہ صاحب نے گہری سانس خارج کی۔

"ہم اس معاملے سے یکسر بے خبر ہیں اماں جان...... ہم نہیں جانتے کیا ہوا؟ جب تک ہم معاملات کی چھان بین نہ کرلیں' ہم کچھ بھی حتمی طور پر نہیں کہہ سکتے' رہی بات رشتہ پکا کرنے کی تو اس طور رشتے طے نہیں ہوتے' کم از کم اپنی بچی کا رشتہ کسی سزا کے طور پر طے نہیں کرسکتے۔ ہم نے اپنی اولاد کو حق آزادی کا قائل بنایا ہے۔ ان کو عزت اور اس کے معنی خوب سمجھائے ہیں۔ اتنا تو یقین ہے کہ ہماری اولاد ہمارا سر جھکنے نہیں دے سکتی مگر پھر بھی جو ہوا' اس کا حل فاطمہ کا رشتہ پکا کرنا نہیں ہے' وہ ابھی ان باتوں کے لیے بہت چھوٹی ہیں' ریحان میاں جیسے بھی ہیں فی

الحال اس متعلق بات نہیں ہورہی۔ ہم بس اتنا جانتے ہیں کہ ریحان میاں عمر میں بڑے ہیں‘ فاطمہ ان کی عمر کی آدھی ہیں‘ رشتوں میں مناسب عمر کا فرق ذہنی ہم آہنگی اور خوشگوار ازدواجی زندگی کے لیے ضروری ہے‘ ایسا ہم سوچتے ہیں۔ ہم بے جوڑ رشتوں کے قائل نہیں‘ نہ ہی کوئی رشتہ سزا کے طور پر اپنی اولاد پر مسلط کرسکتے ہیں۔ ہم نے بیٹیوں کو جب آزادی دی ہے تو بیٹی کو سزا کا مستحق کیوں سمجھیں؟ اماں جان اولاد اور خصوصاً بچیوں کے آنسو نہیں دیکھے جاتے۔ ہم اپنی اولاد کو آسودہ دیکھنا چاہتے ہیں۔“ خواجہ ناظم الدین نے نرمی سے سر جھکا کر والدہ کو سمجھانا چاہا۔

”چلیے عمر کے اس فرق کو بھی جانے دیجیے مگر فی الحال ہم نہیں سمجھتے کہ فاطمہ کی ایسی ذمے داری سنبھالنے کے لائق ہیں۔ فی الحال اسے پڑھائی کی ضرورت ہے اگر ہم نے اپنے بیٹوں کو تعلیم کے زیور سے آراستہ کیا ہے تو ہمارا فرض بنتا ہے ہم بیٹی سے متعلق بھی اپنی یہ ذمے داری پوری کریں۔ معذرت چاہتے ہیں اماں جان...... مقصداً آپ کی گستاخی یا حکم عدولی نہیں...... بات اصول کی ہے۔“ ناظم الدین اٹھ کھڑے ہوئے۔ اماں جان ان کو دیکھتی رہ گئیں۔

❁......❁......❁

فاطمہ بہت گم صم سی بیٹھی تھی۔ کل سے آج تک وہ مناسب الفاظ میں اپنا مدعا کہنے کی جرأت نہیں کرسکی تھی۔ اسے اپنی صفائی دینے کے لیے الفاظ نہیں مل رہے تھے اور ابا جان کے سامنے تو نگاہ اٹھا کر دیکھنے کی ہمت بھی نہیں تھی۔

”کیا ہوا فاطمہ بچی طبیعت ٹھیک ہے؟“ سخاوت بیگم نے بیٹی کو چپ دیکھ کر پوچھا مگر وہ چپ چاپ دیکھتی رہی‘ پھر جانے کیوں ہاتھ تھام کر اماں جان کو پاس بٹھالیا۔

”امی جان‘ آپ سے ضروری بات کہنا چاہتے ہیں۔“ فاطمہ نے ہمت کر کے کہا۔ سخاوت بیگم نے ان کے سر پر شفقت سے ہاتھ رکھا۔

”میری بچی کیا فکر کھائے جارہی ہے تجھے؟ پڑھائی کو اس قدر سر پر سوار کرلیا ہے؟“ سخاوت بیگم نے الٹا سوال داغ دیا۔ فاطمہ ان کو دیکھتی رہ گئی۔ پھر بنا تمہید باندھے فوراً بولی۔

”ایک غلطی ہوئی ہے ہم سے...... نواب زادے وقار الحق نے ہمیں اتفاق سے پردہ سرک جانے کے باعث دیکھ لیا تھا...... انہوں نے ضد کی کہ وہ ہم سے ملنا چاہتے ہیں‘ چند لمحوں کے لیے آمنے سامنے اور اس کے لیے انہوں نے ہمیں پائیں باغ میں بلایا اور ہم بے حجاب ان سے ملنے چلے گئے‘ جب لوٹ رہے تھے تو اس کی خبر دادی جان کو ہوگئی‘ ہمیں بہت ڈر لگ رہا تھا جانے کیا ہو مگر انہوں نے کوئی ردعمل ظاہر نہیں کیا اور ہماری پڑھائی میں کوئی خلل واقع نہیں ہونے دیا...... ہمیں حیرت ہے مگر ہم اندر ہی اندر کٹے جارہے ہیں کہ والدین کو علم میں لائے بنا اتنا بڑا اقدام اٹھالیا۔ ہم آپ کا اعتبار توڑنا نہیں چاہتے تھے مگر چھوٹے نواب......“ وہ الجھ کر خاموش ہوئی‘ سخاوت بیگم نے بیٹی کو بغور دیکھا۔

”کیا آپ کے اور چھوٹے نواب کے درمیان کوئی معاملہ ہے؟“ انہوں نے جانچتی نظروں سے بیٹی کو دیکھا۔ فاطمہ نے سر اٹھائے بنا سر انکار میں ہلا دیا۔

”بخدا ایسا کچھ نہیں ہے امی جان‘ ہم نے تو چھوٹے نواب کو نگاہ اٹھا کر بھی نہیں دیکھا‘ ہم ان سے ملنے صرف اس سبب سے گئے کہ کہیں وہ ہمیں پڑھانا ترک نہ کردیں۔ اس سے آگے ہمارا ان سے کوئی واسطہ نہیں۔ ان کی ضد نے معاملات کو اس نہج پر لا رکھا کہ ہمیں ان سے ملنا پڑا...... ہم اس غلطی پر پشیمان ہیں اگر آپ اسے ہمارا گناہ سمجھتی ہیں تو ضرور سزا بھی دیں۔ ہم ابا جان کو بھی اس متعلق بتانا چاہتے تھے مگر کسی باعث بات ممکن نہیں ہوسکی۔“ فاطمہ سر جھکا کر

بولی۔ سخاوت بیگم نے بیٹی کا جھکا سر اٹھا کر آنکھوں میں جھانکا اور شاکی نظروں سے دیکھا۔

”فاطمہ...... عزت کے معاملے میں کوئی رعایت نہیں دی جاتی اور کوئی غلطی ہوئی ہے تو کہہ دو ورنہ ہم معاملات کو سنبھال نہیں سکیں گے۔“ سخاوت بیگم کو فکر ہوئی تھی‘ وہ بیٹی کو جانچتی نظروں سے دیکھ رہی تھیں۔

”امی جان‘ آپ کو ہم پر یقین نہیں؟“ فاطمہ کو حیرت ہوئی‘ سخاوت بیگم نے خاموشی سے دیکھا پھر گردن پھیرتے ہوئے بولیں۔

”آپ اپنے ابا جان سے اس متعلق کوئی بات نہیں کریں گی‘ خواجہ ناظم الدین ایک والد ہیں مگر ایک مرد بھی ہیں اور مرد کے دل سے شک کا زہر نہیں نکالا جاسکتا‘ ہم نہیں چاہتے کہ آپ کو مشکلات کا سامنا ہو اب سمجھ میں آیا کہ اماں جان ایسی تیزی سے رشتے کے معاملات کیوں طے کررہی تھیں‘ ان کے علم میں یہ بات ضرور آچکی ہے اور ان کے پاس یہ موقف بھی آگیا ہے کہ جس شے کا خدشہ نہیں تھا وہی بات ہوئی ہے۔“ وہ روانی سے بولیں۔

”لیکن امی جان ہم نے کچھ نہیں کیا‘ ہم نے تو نگاہ اٹھا کر چھوٹے نواب کو دیکھا تک نہیں دادی جان کو اس بات کا یقین کرنا ہوگا اور......“

”فاطمہ...... زمانہ چال چلتا ہے اور آپ کی کمزوری پر نگاہ رکھتا ہے‘ لغزش کو کوئی بھی نام دے لو رہے گی وہ لغزش ہی‘ آپ نے دہلیز پھلانگی‘ بے نقاب چھوٹے نواب صاحب کو ملنے گئیں‘ آپ نے کچھ کیا یا نہیں یا اس ملاقات کا کیا سبب تھا‘ کوئی اس بات کی وضاحت نہیں چاہے گا نہ اس سے آگے کی داستان سننا چاہے گا‘ ان کے لیے یہیں تک کی کہانی خاصی دلچسپ ہوگی کہ آپ بنا چہرہ ڈھانپے اکیلی دہلیز پار کرکے چھوٹے نواب سے ملنے گئیں‘ چاہے اس سے آگے نواب زادے سے آپ کا کوئی واسطہ ہونا ہو‘ آپ نے ایسا قدم لے کر دنیا کو انگلی اٹھانے کا موقع دیا ہے۔“ امی جان نے سمجھایا‘ فاطمہ نے انہیں خاموشی سے دیکھا‘ صرف ایک قدم کے باعث وہ مشکل میں گھر گئی تھیں‘ اس کا اندازہ ان کو ہوگیا تھا۔

❁......❁......❁

اماں جان نے بہو بیگم کو حلوہ پکاتے دیکھا اور قریب چلی آئیں اور قصداً شکر کا ڈبہ کھول کر حلوہ میں شکر انڈیل دی‘ سخاوت بیگم نے ساس کے اس عمل کو حیرت سے دیکھا۔

”اماں جان شکر تو پوری تھی‘ ہم نے خود شکر ڈالی تھی حلوے کے حساب سے مزید کی گنجائش نہیں تھی۔“ سخاوت بیگم نے کہا‘ اماں جان مسکرائیں اور نرمی سے بولیں۔

”رشتوں کی مٹھاس کم ہورہی ہو تو جتنی چاہے شکر انڈیل دو کم ہی لگتی ہے‘ یہی سوچ کر ہم نے کچھ مزید شکر انڈیل دی۔“ اماں جان کے کہنے پر سخاوت بیگم نے انہیں دیکھ کر ان کی بات سے معنی اخذ کرنا چاہے تھے۔ تبھی اماں جان بولیں۔

”آپ بہت سمجھدار خاتون ہیں سخاوت بیگم‘ ہماری سب ہی بہوؤں میں آپ کی دانشوری کے ہم کسی قدر قائل ہیں‘ سو آپ سے توقع رکھتے ہیں کہ آپ کے اقدام اس سمجھ بوجھ کو ضرور ظاہر کریں گے۔“ اماں جان کے کہنے پر سخاوت بیگم نے بغور دیکھا مگر فوری طور پر کچھ کہا نہ مگر اس قدر خاموشی سے حلوہ طشتری میں نکال کر اس پر میوہ جات ڈال کر طشتری کو اماں جان کی طرف بڑھایا‘ اماں جان نے ہاتھ سے حلوہ اٹھا کر منہ میں رکھا اور مسکرادیں۔

''مٹھاس کو برقرار رکھنا خوب جانتی ہیں آپ بہو بیگم...... امید ہے آنے والے وقت میں بھی آپ اس روایت کو برقرار رکھیں گی۔'' اماں جان کے کہنے پر سخاوت بیگم نے سر ہلایا اور آہستگی سے گویا ہوئیں۔

''اماں جان...... ہم سمجھ نہیں پا رہے آپ کن معاملات کو لے کر اس قدر پریشان ہیں' ایسی توقعات وابستہ کر لینے کا کیا مقصد ہے؟'' سخاوت بیگم کے پوچھنے پر اماں جان مسکرائیں۔

''سخاوت بیگم' آپ اس قدر سمجھدار ہیں کہ آپ سے توقعات اس سے بھی کہیں بڑھ کر ہیں' فی الحال کے لیے کچھ معاملات اٹھا رہے ہیں اور آپ کی دانشوری اور سمجھ بوجھ کے باعث آپ کا ساتھ چاہتے ہیں' یوں تو آپ جانتی ہیں کہ فاطمہ کے لیے رشتہ آیا ہے اور جو اقدام فاطمہ سے سرزد ہوا ہے اس کی خبر بھی آپ کو ہو ہی گئی ہوگی' بہر حال ہم اس اقدام کو اچھالنا نہیں چاہتے' فاطمہ ہمارے گھر کی بچی ہے اور ہم اپنے گھر کے معاملات کو دبانا جانتے ہیں۔ اس متعلق کوئی بات ہم نہیں کر رہے' ہم فاطمہ کی پڑھائی کو بھی اس غلطی کے باعث روکنا نہیں چاہتے' ہم نے کوئی خلل واقع نہیں ہونے دیا' نہ ہونے دیں گے ہم ان کی دادی جان ہیں' ہم چاہتے ہیں وہ اپنی والدہ کی طرح اچھی سمجھدار خاتون ثابت ہوں مگر بیٹا جہاں تک رشتے کی بات ہے' ہم اس کے لیے قدم واپس لینا نہیں چاہتے' ہم نے توقیر میاں کو ہاں کر دی ہے اور ہم زبان دے کر واپس لینے کے قائل نہیں۔ فاطمہ اپنی پڑھائی جاری رکھ سکتی ہے' مگر اس رشتے والے معاملے کو دبایا نہیں جا سکتا' ہم چاہتے ہیں دونوں بھائیوں کے درمیان رشتہ گہرا رہے اور ریحان کے ساتھ فاطمہ کا نکاح ہونا اس تعلق کی نئے سرے سے بنیاد رکھ سکتا ہے۔'' اماں جان نے مدعا کہا' سخاوت بیگم نے کچھ بولنے کو لب کھولے تھے۔

''لیکن اماں جان......!'' اماں جان نے ہاتھ اٹھا کر ان کو بولنے سے روک دیا۔

''سخاوت بیگم بیٹی کو جتنا بھی پڑھا لکھا لو آخر کو اسے اگلے گھر بھیجنا ہی ہوتا ہے اور ریحان میاں کا رشتہ معقول ترین ہے۔ چلیے ہم اس بات کی اجازت دیتے ہیں اگر فاطمہ کو وکیل یا ڈاکٹر بھی بننا ہے تو بن جائے مگر اس پڑھائی کے اختتام پر رشتہ ان کا ریحان میاں سے ہی ہوگا' ہم فاطمہ کی پڑھائی کی مخالفت نہیں کریں گے مگر آپ ہماری زبان کی عزت رکھیے۔ ہم بہت سوچ سمجھ کر یہ نکتہ آپ کے سامنے رکھ رہے ہیں۔'' اماں جان نے کہا اور ہاتھ بڑھا کر شفقت سے سخاوت بیگم کے سر پر رکھا اور پھر مزید کچھ کہے بغیر باورچی خانے سے باہر نکل گئیں۔ سخاوت بیگم ان کو دیکھتی رہ گئیں۔

❀......❀......❀

چھوٹے نواب پڑھائی کے لیے تشریف لائے تو ملازمہ نے ان کو بہت عزت سے بٹھایا اور مطلع کیا۔

''چھوٹے نواب چھوٹی بی بی کی طبیعت قدرے ناساز ہے' آج پڑھائی کے لیے نہیں آپائیں گی۔ زحمت کے لیے ہم معذرت خواہ ہیں مگر آپ کو بنا پڑھائے واپس جانا پڑے گا۔'' ملازمہ نے احترام سے کہا۔ چھوٹے نواب تشویش میں مبتلا ہوئے۔

''فاطمہ کی طبیعت زیادہ خراب ہے کیا ہم ان کی عیادت کر سکتے ہیں؟'' چھوٹے نواب نے پوچھا' ملازمہ نے اِدھر اُدھر دیکھا اور پھر تسلی کر کے بہت احتیاط اور رازداری سے گویا ہوئی۔

''اماں جان نے فاطمہ بی بی کا رشتہ طے کر دیا ہے اور یہ ان کی سزا ہے جو قدم انہوں نے آپ سے ملنے کے لیے

اٹھایا تھا' وہ رشتہ کسی بھی طرح سے ان کے لائق نہیں' ایسا سننے میں آیا ہے' ہم ملازمین اس سے زیادہ زبان نہیں کھول سکتے۔ آپ کو اس سے زیادہ اگر کچھ پوچھنا ہو تو آپ فاطمہ بی بی سے کل بات چیت کر سکتے ہیں' میں چلتی ہوں۔'' ملازمہ کہہ کر فوراً رخصت لے کر بھاگ کھڑی ہوئی' چھوٹے نواب دیکھتے رہ گئے تھے۔

❀......❀......❀

''حویلی میں کچھ خاص معاملات چل رہے ہیں کرم دین چاچا؟ کافی گمبھیرتا نے ماحول کو گھیرا ہوا ہے اور آپ بھی خاصے خاموش دکھائی دیتے ہیں۔'' رجت سنگھ نے پوچھا۔ کرم دین نے انہیں چونک کر دیکھا۔

''آپ کو کیسے خبر ہوئی' میرا مطلب ہے آپ نے کیسے اخذ کر لیا؟'' کرم دین یک دم حیران ہو کر بولے اور پھر بات سنبھالی۔ کرم دین کے اس بوکھلاہٹ پر رجت سنگھ انہیں بغور دیکھنے لگا۔ تبھی کرم دین نفی میں سر ہلاتے ہوئے بولے۔

''ایسا کچھ نہیں ہے مگر اماں جان کے کاروباری معاملات سنبھالتا ہوں' جب بھی وہ پوچھ گچھ کے لیے حکم کرتی ہیں حاضر ہو جاتا ہوں' اس سے زیادہ کی خبر نہیں' اس سے زیادہ کی خبر رکھنے کی ہم ملازمین کو اجازت بھی نہیں ہے' تم کیوں پوچھ رہے ہو رجت سنگھ تمہارا اس طرف دھیان کس طرح گیا؟'' کرم دین نے نپے تلے لہجے میں پوچھا۔ رجت سنگھ نے سر نفی میں ہلایا۔

''ایسی کوئی خاص بات نہیں چاچا کرم دین' آپ کو اماں جان نے حویلی بلوایا تھا اور پھر آپ خاصے کھوئے کھوئے سے دکھائی دیئے میں سمجھا شاید کوئی تشویش کی بات ہے سو یونہی پوچھ لیا۔'' رجت سنگھ نے ٹال دیا' کرم دین نے رجت سنگھ کو جانچتے ہوئے دیکھا۔

''رجت سنگھ ہم ملازمین کو اپنی توجہ صرف کام پر مرکوز رکھنی چاہیے' اس سے زیادہ کی فکر کرنے کی ہمیں ضرورت نہیں نہ ہمیں ان کے نجی معاملات میں دخل دینا چاہیے۔'' کرم دین نے سختی سے کہا اور رجت سنگھ نے آہستگی سے سر ہلا دیا مگر اسے اتنی خبر ضرور ہو گئی تھی کہ ضرور کوئی معاملہ چل رہا تھا جس کے متعلق غالباً کرم دین چاچا کو خبر تھی مگر وہ نہیں چاہتے تھے کہ اس کی خبر اور کسی کو ہو' اس نے مزید کریدنا مناسب خیال نہیں کیا اور خاموشی سے سر جھکا کر فائل دیکھنے لگا۔

❀......❀......❀

توقیر الدین نے بیگم کو دیکھا اور آہستگی سے بولے۔

''ہم سوچ رہے تھے ایک چکر دلی کا لگا لیں' فون پر بات کرنا آدھی ملاقات سہی مگر دوبدو ملنا بات کرنا اور معنی رکھتا ہے۔ آپ کا کیا خیال ہے؟'' توقیر نے بیگم کو دیکھا۔ شوکت بیگم نے پُرخیال انداز میں خاوند کو دیکھا۔

''بات تو مناسب ہے' آپ ایک بار اپنے بھائی صاحب اور اماں جان سے بات کر لیں تو ہم جا کر آپ کی بھتیجی کو انگوٹھی پہنا آتے ہیں۔ رشتے کی بات پکی ہوگئی تو ہمیں بھی سکون رہے گا' زبانی کلامی باتوں کا کیا اعتبار...... جانے کب کوئی مکر جائے......'' شوکت بیگم دور کی کوڑی لائی تھیں۔ توقیر صاحب نے سر ہلایا' تبھی دروازے پر کھٹکا ہوا اور شور اٹھا' توقیر صاحب نے اٹھ کر دیکھا کوئی دروازہ پیٹ رہا تھا...... توقیر صاحب نے دروازہ کھولا' دو چار نوجوان ریحان میاں کو سنبھالے کھڑے تھے اور ریحان الدین ہوش و خرد سے بیگانہ غالباً راہ گیروں کے کاندھوں پر جھول

رہے تھے۔

”چچا جان آپ کے صاحبزادے نشے میں دھت سرراہ گرے پڑے تھے‘ ہم نے دیکھا تو اٹھا لائے۔“ توقیر صاحب نے ان کو راستہ دیا‘ وہ ریحان الدین کو تخت پر لٹا کر باہر نکل گئے‘ توقیر صاحب نے ریحان کو دیکھا۔

”میاں کہیں تو اپنے ابا جان کی عزت رہنے دو‘ آپ نے تو رسوا کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی‘ باپ دادا کا نام ڈبو دیا‘ کچھ اخلاقی اقدار کا بھی خیال رکھیے‘ آپ تو حدود پھلانگتے جارہے ہیں۔“ انہوں نے اپنے طور پر ڈانٹ ڈپٹ کرکے فرض پورا کیا تھا مگر ریحان نے بے ہوشی کی حالت میں اس ڈانٹ پھٹکار کو قطعاً نہیں سنا تھا۔

❀......❀......❀

”ہم پڑھنا نہیں چاہتے امی جان‘ آپ چھوٹے نواب کو منع کردیجیے وہ ہمیں پڑھانے نہ آیا کریں۔“ فاطمہ نے فیصلہ کن انداز میں کہا‘ سخاوت بیگم ان کو دیکھ کر رہ گئیں پھر آہستگی سے گویا ہوئیں۔

”فاطمہ ہم نہیں چاہتے آپ اپنے خوابوں کا قتل کریں‘ آپ کو اگر پڑھنے کا موقع مل رہا ہے تو آپ ضرور پڑھیے۔“ سخاوت بیگم نے سمجھایا مگر فاطمہ نے سر نفی میں ہلا دیا۔

”خوابوں کی قیمت عزت سے تجاوز کرنے لگے تو خوابوں کو زندہ رکھنا واجب نہیں امی جان...... ہم پڑھائی جاری رکھنا نہیں چاہتے۔“ فاطمہ مضبوط لہجے میں گویا ہوئی۔ سخاوت بیگم نے انہیں کسی قدر حیرت سے دیکھا۔

”فاطمہ آپ بھول رہی ہیں کہ فیصلے کا اختیار آپ کے پاس نہیں‘ آپ نے ایک پڑھے لکھے گھرانے میں آنکھ کھولی ہے مگر اس روایتی ماحول میں بہت سی باتوں کے سرے روایات سے جڑے ہیں کل اماں جان سے بات ہوئی‘ وہ چاہتی ہیں آپ پڑھائی جاری رکھیں۔“ امی جان نے مطلع کیا۔

”مگر ہم پڑھنا نہیں چاہتے امی جان‘ ہم یکسوئی سے پڑھائی کرنے کے قابل نہیں رہے۔ ہم نے ایسی خواہش ظاہر کی تھی مگر اب ہم محسوس کررہے ہیں پڑھائی ایسی بڑی چیز نہیں۔“ وہ الجھے ہوئے انداز میں بولی۔

”آپ خود کو سزا دینے کی کوشش کررہی ہیں فاطمہ؟“ سخاوت بیگم نے ان کی طرف دیکھا۔ فاطمہ خاموش رہی‘ تبھی سخاوت بیگم ان کی طرف دیکھتی ہوئی طنز سے مسکرائیں۔

”سزا کے متعلق ایک انتہائی قدم سے قبل سوچ لیا جائے تو اس سزا کی ضرورت باقی نہیں رہتی فاطمہ‘ اب اس غور و خوض کا وقت گزر چکا ہے اور آپ کے متعلق سزا کا فیصلہ آپ لینے کی اجازت نہیں رکھتیں۔“ وہ کہہ کر پلٹنے لگیں تھیں جب فاطمہ نے تڑپ کر پکارا۔

”امی جان کیا ہمارا گناہ اس قدر بڑا ہے؟“ سخاوت بیگم نے مڑ کر دیکھا اور نفی میں سر ہلا دیا۔

”ہم نہیں جانتے فاطمہ۔“ وہ جیسے بے بس دکھائی دیں۔

”آپ کو ہمارا یقین نہیں؟“ فاطمہ تڑپ کر بولی۔

”بات یقین و گمان سے گزر گئی ہے فاطمہ...... آپ اس نہج کے متعلق شاید آگاہ بھی نہیں......“ وہ مدھم لہجے میں بولیں۔

”امی جان آپ ہم پر شک کررہی ہیں؟ کیا زندگی میں یہ مقام بھی آنا تھا؟“ فاطمہ کے لیے یہ باعث حیرت تھا کہ سخاوت بیگم ان کی طرفداری نہیں کررہی تھیں۔ سخاوت بیگم نے خاموشی سے انہیں دیکھا۔

”کچھ معاملات میں ہمیں لوگوں کی سننی پڑتی ہے فاطمہ‘ آپ پاکیزہ اور پاک دامن بھی ہوں گی تو اس بات کو ثابت نہیں کرسکیں گی‘ ہم آپ کی والدہ ضرور ہیں مگر ہم آپ سے ہم خیال ہوں‘ ایسا ضروری نہیں۔ لوگ کہتے ہیں جلوت اور خلوت کے متعلق قیاس آرائیاں ممکن نہیں‘ جو خلوت میں ہوتا ہے اس کے متعلق ہمیں خبر نہیں ہوتی۔“ امی جان کی بات سن کر فاطمہ ساکت رہ گئی‘ گویا امی جان کو یقین نہیں تھا اور یہ بات سوہان روح تھی۔ امی جان پلٹ کر باہر نکل گئیں اور فاطمہ دیکھتی رہ گئی‘ آنکھیں آنسوؤں سے بھرنے لگی تھیں۔

❀......❀......❀

کرم دین نے کھوئے بیٹھے رجت سنگھ کو دیکھا‘ بظاہر وہ کھاتے کی کتاب پر جھکا ہوا تھا مگر درحقیقت اس کا ذہن منتشر دکھائی دے رہا تھا کرم دین نے اسے بغور دیکھا۔

”کیا بات ہے رجت سنگھ‘ سب ٹھیک ہے ناں؟“ کرم دین نے پوچھا مگر رجت سنگھ متوجہ نہیں ہوا تب کرم دین نے تشویش سے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھا اور رجت سنگھ چونکتے ہوئے دیکھنے لگا۔

”آں...... ہاں...... کرم دین چاچا سب...... سب ٹھیک ہے۔“ رجت سنگھ نے کہا کرم دین نے خاموشی سے اسے دیکھا‘ جب وہ وضاحت دیتے ہوئے گویا ہوا۔

”پتہ نہیں چاچا دل کچھ پریشان سا ہے‘ جیسے کوئی الجھن سی ہے‘ کیا الجھن ہے؟ یہ سمجھ نہیں آرہا...... مگر دل عجیب ویران سا لگ رہا ہے‘ جیسے میرے وجود کا کوئی حصہ بہت مشکل میں ہے اور کٹھن مراحل سے گزر رہا ہے۔“ رجت سنگھ نے کہا تو کرم دین نے اسے دیکھا۔

”طبیعت ٹھیک نہیں لگتی تیری‘ چھٹی لے کر آرام کرلے‘ ٹھیک ہوجائے گا تو واپس کام پر آجانا...... میں تیری تنخواہ میں سے رقم نہیں کاٹوں گا‘ اتنی رعایت دے سکتا ہوں۔“ کرم دین نے کہا تو رجت سنگھ نفی میں سر ہلانے لگا‘ تب کرم دین نے جیسے اس کا بغور جائزہ لیتے ہوئے کہا۔

”ایسے شہزادوں جیسی زندگی جینے والے کو بنا تعیشات کے زندگی گزارنا پڑے گی تو ایسا تو ہوگا ناں؟ کہاں حویلی کے ٹھاٹھ باٹھ...... کہاں دفتر کے ساتھ چھوٹا سا ملحقہ کمرہ اور ٹوٹی چارپائی‘ میری مان تو اپنے والد سے ناراضگی بھول کر واپس لوٹ جا معافی مانگ لے جو ہوا سو ہوا‘ پیدا کرنے والے سے کون خفا رہتا ہے؟ اور باپ ضرور معاف کردے گا‘ بیٹے ہو تم‘ وہ تو یقیناً منتظر ہوں گے کہ تم ایک بار واپس لوٹو۔“ کرم دین نے نرمی سے سمجھایا مگر رجت خاموش رہا۔

”نوابی کو غریبی راس نہیں آتی بیٹا...... اتنے نام مرتبے والے خاندان سے تعلق ہے تیرا خود کو ایسے مٹی میں مت رول...... یہ نوکری تیری قابلیت کے لائق نہیں‘ جتنا تو یہاں کام کرکے کماتا ہے اتنا یا اس سے دوگنا تو تیرے ملازم کماتے ہیں پھر چھوٹی چھوٹی ناراضگیاں کہاں اور کس گھر میں نہیں ہوتیں؟“ کرم دین نے سمجھایا اور رجت سنگھ مسکرا دیا۔

”خاک اور راکھ کی ایک ہی کہانی ہے کرم دین چاچا‘ جانا دونوں کو ایک ہی مٹی میں ہوتا ہے...... سو کہاں کے ٹھاٹھ باٹھ اور کہاں کی نوابی‘ انسان کو اپنے رب کی حقیقت سمجھ میں آجائے تو ناک پر نہ کوئی غرور رہے گا نا کوئی شکن پیشانی پر...... ہم اس مولیٰ کے راز نہیں سمجھتے‘ تبھی تو سکون کی تلاش میں بھٹکتے پھرتے ہیں...... اور سکون کہاں ہے یہ لحد میں پہنچنے تک سمجھ نہیں آتا......“ وہ تاسف سے بولا اور کرم دین نے سر ہلا دیا۔

"پڑھے لکھے ہونے کا فائدہ ہوتا ہے بندہ گیان کی باتیں بہت اچھے سے کرنے لگتا ہے مگر اس گیان کو عام ہونے میں فاصلے بڑھتے چلے جاتے ہیں بیٹا...... تخت اور تختے کی کہانی اتنی آسانی سے سمجھ میں آنے والی ہوتی تو دنیا میں نہ جنگ و جدل ہوتے نہ کہیں کوئی لڑائی ہوتی' مگر بندہ کم عقل ہوتا ہے دنیا میں رہنے کا سامان ڈھونڈتا ہے اور آخرت کی فکر کرنا بھول جاتا ہے مگر سب پڑا رہ جاتا ہے جب قاصد آتا ہے......" کرم دین نے کہا۔

"میں اس مال و دولت کی فکر میں نہیں جیتا چاچا کرم دین' یہ دنیا میں رہ جانے والی چیزیں ہیں ان کو کبھی اہمیت نہیں دی' مجھے بے چینی اس بات کی نہیں کہ میں اس پُرآرائش زندگی کا حصہ نہیں' یہ جو بے چینی ہے' سمجھ میں آنے والی نہیں' میں اس بے قراری کے معنی سمجھ نہیں پا رہا' یہی شے مجھے مزید پریشان کررہی ہے اور یہ میری خود کی تکلیف ہے یا میں کسی اور کا درد محسوس کررہا ہوں؟ یہ بات بھی سمجھ نہیں آرہی۔ بظاہر میں مطمئن ہوں' میں گھر چھوڑ کر کسی پچھتاوے میں مبتلا نہیں' ٹھیک ہے' ماتا پتا کی یاد آتی ہے مگر یہ وہ تکلیف نہیں۔ ایسا لگتا ہے جیسے کوئی میرے اندر مجھے تیز دھار آلے سے کاٹ رہا ہو' جیسے میرے جسم کا وہ حصہ انتہائی کرب میں مبتلا ہو مگر میں چھوتا ہوں تو مجھے بظاہر کسی تکلیف کا احساس نہیں ہوتا مگر کہیں کوئی پوشیدہ درد ہے جو چین نہیں لینے دے رہا......" رجت سنگھ مدھم اور کرب میں ڈوبے لہجے میں بولا تو کرم دین اسے دیکھتا رہ گیا۔

❀......❀......❀

فاطمہ کی آنکھوں سے آنسو ٹوٹ کر گرے تھے' خاموشی میں کوئی آواز سنائی نہیں دی مگر فاطمہ کو اپنا آپ کسی طغیانی کے اندر ڈولتا دکھائی دیا تھا۔ جیسے وہ درد کے عمیق دریا میں ڈوب کر ابھر رہی ہو مگر کنارہ نہیں تھا۔ اس نے کئی بار سوچا تھا ابا جان سے بات کرے مگر ہمت نہیں ہوئی۔ جس طرح امی جان نے ردعمل دیا تھا اس پر اس کا کچھ کہنے کا حوصلہ ہی نہیں ہوا تھا۔ اسے انتہائی دکھ و رنج ہوا تھا جب امی جان کے الفاظ سنے تھے۔ کوئی اور کہتا تو اسے اس درجہ تکلیف نہ ہوتی...... مگر امی جان اس پر اعتبار نہیں کررہی تھیں' بات اس کے کردار کی آئی تھی اور اس کا دامن بنا کسی گناہ کے داغدار ہوگیا تھا۔ فقط ایک ملاقات کو قدم اٹھے تھے اس کے اور رسوائی اس کا مقدر بن گئی تھی۔ اس کے کانوں میں دادی جان کی آواز پڑی تھی جو کہہ رہی تھیں۔

"بیٹی کی عزت تو آبگینے جیسی ہوتی ہے' ایک بار ٹوٹی تو واپس جڑنے کا کوئی سدباب ممکن نہیں...... اور بات منہ سے نکلی تو گویا شہر سے باہر ہوئی۔ ایک بار بدنامی بیٹی کے حصے میں آجائے تو پھر کوئی ڈھنگ کا رشتہ ملنا سمجھو ناممکن ہوجاتا ہے۔ اللہ کسی بچی کے ساتھ ایسا نہ کرے کہ اس کی جھولی میں بدنامی کا سکہ نہ گرے۔" اماں جان نے جانے کس سے تذکرہ کیا تھا۔ فاطمہ اپنی بدنامی پر اشک بہانے لگی تھی۔ نمکین سمندر تھا جو آنکھوں سے رواں تھا...... وہ خود کو اور اس گھڑی کو ملامت کررہی تھی' چھوٹے نواب کا قصور نہ تھا' وہ کوئی بھی فرمائش کرتے' مگر اصل بات اس کی تھی کہ وہ مانتی ہے کہ نہیں اور اس نے چھوٹے نواب کی بات مان کر اپنی شامت کو آواز دی تھی۔ گویا اپنے دامن پر داغ اپنے ہاتھوں لگا لیا تھا' کیا سر اٹھا کر چلا کرتی تھی' کیا غرور تھا اسے خود پر ناز تھا۔ سر اٹھا کر چلنے کا زعم اس کے اعتماد اور وقار کو جیسے بڑھاتا تھا۔ وہ حق سے ضد کرتی تھی' حق سے مانگتی تھی' اپنی بات منواتی تھی اور اب اس کا سر جھک گیا تھا۔ ایسی شرمندگی کہ زمین پھٹے اور وہ اس میں سما جائے' بنا کچھ غلطی کے...... بنا کسی غلط اقدام کے اس نے خود کو سب کی نظروں سے گرا لیا تھا۔ آسمان کی بلندی سے گرا شاید سنبھل جائے ممکن ہے' مگر نظروں سے گرا تا عمر سر نہیں اٹھا سکتا...... ایک

ابن صفی کا نیا رخ

معروف صحافی، کالم نگار، مصنف، مفسر
مشتاق احمد قریشی کا ایک اور شاہکار
جاسوسی ادب کے سب سے بڑے نام
ابن صفی
کا وہ رخ جس سے ان کے قارئین نا آشنا ہیں

کسی پریشانی اور زحمت سے بچنے کے لیے
آج سے اپنی کاپی آنچل ادارے سے بک کرالیں۔
0300-8264242

شائع ہو گئی ہے

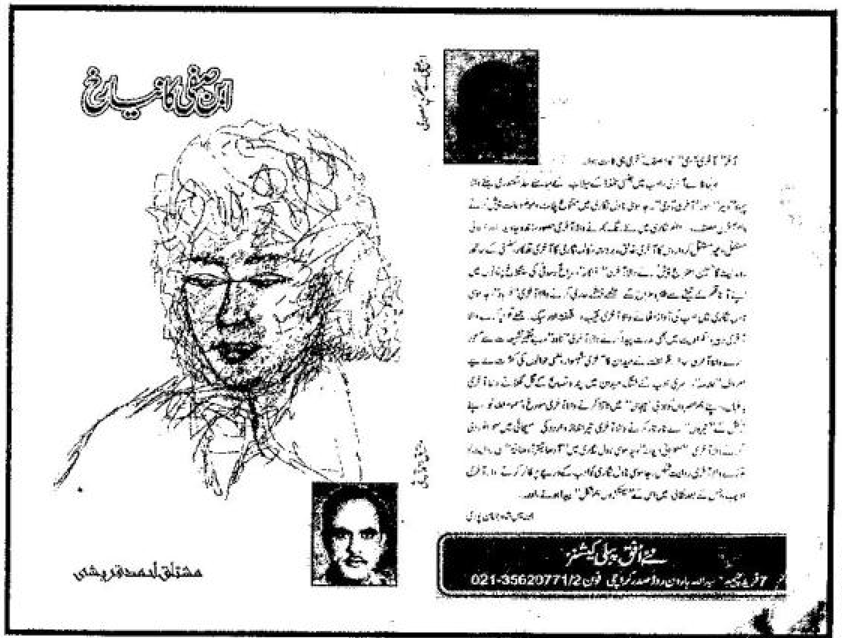

لڑکی کی عزت اس کے لیے کس قدر اہم ہوتی ہے اور اس نے اس عزت کا جنازہ نکال دیا تھا اس سے سنگین غلطی ہوئی تھی اور اس کا سدباب کوئی نہ تھا' وہ خود کو کوس رہی تھی' نہ محبت تھی' نہ مجبوری' پھر اس نے کیا سوچ کر ایسا قدم اٹھایا تھا؟ صرف پڑھائی کا سلسلہ نہ رکے اور سلسلہ تو واقعی نہ رکا تھا' چھوٹے نواب متواتر پڑھانے آ رہے تھے بس دیکھنے کی خواہش ظاہر کی تھی' دیکھ لیا تھا...... مگر وہ لمحہ اس کی زندگی کو سیاہ بختی میں بدل گیا تھا اگر یہ سازش تھی تو باکمال طریقے سے تیار کی گئی تھی اور اگر یہ کوئی منصوبہ سازی تھی تو اسے بہت عمدگی سے عملی جامہ پہنایا گیا تھا مگر بات پھر بھی گھوم کر اس پر ختم ہوتی تھی کہ ہر سازش ناکام ہوسکتی تھی' ہر عمل دھرا رہ جاتا تھا اگر وہ اس ملاقات کو رد کر دیتی' اس کے پاس سوائے پچھتاوے کے اور کچھ نہیں رہا تھا' آنسو اس ملال کو کم نہیں کر سکتے تھے' نہ یہ اس دکھ کو کوئی مرہم دے سکتے تھے اس نے اپنے ایک قدم سے اپنا سر جھکا لیا تھا۔

❀......❀......❀

''ابا حضور...... آپ سے ایک بات کرنا چاہتے تھے ہم۔'' چھوٹے نواب وقار الحق نے کہا' زمان الحق نے انہیں سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

''کیا معاملہ ہے' آپ اتنے پریشان کیوں دکھائی دے رہے ہیں؟'' نواب صاحب نے پوچھا۔ قار الحق نے سر نفی میں ہلا دیا۔

''نہیں' ایسی بات نہیں' مگر......'' وہ کہتے ہوئے رکے تھے۔

''مگر کیا مطلب؟'' والد محترم نے پوچھا' تبھی وقار الحق خاموش ہو کر ان کے سامنے بیٹھ گئے اور گہری سانس لیتے ہوئے بولے۔

''ہم خواجہ ناظم الدین چچا کی صاحبزادی کو پڑھانے کے حق میں نہیں تھے مگر آپ نے اصرار کیا تھا مگر......'' وقار الحق نے بات ادھوری چھوڑی اور والد محترم نے متفکر سا ہو کر سپوت کو دیکھا۔

''کھل کر کہیے معاملہ کیا ہے' کہنا کیا چاہتے ہیں آپ؟'' نواب صاحب نے پوچھا تو جب وقار الحق گویا ہوئے۔

''ہم نادانستگی میں ایک خواہش کر بیٹھے تھے' فاطمہ بی بی سے ملنے کی' دراصل اتفاقاً ان کی ایک جھلک دیکھ لی تھی اور ہم ان کے حسن کو دیکھنے کے لیے بے قرار ہو اٹھے تھے۔ ہم نے ضد کر کے ان کو پائیں باغ میں بلوایا اور فقط ایک جھلک دیکھنے کی گستاخی کی...... اور اس گستاخی نے کسی کی زندگی مشکل میں ڈال دی' ہم بہت پچھتاوے میں مبتلا ہیں' افسوس سے ہاتھ مل رہے ہیں' تاج بیگم نے ہمیں فاطمہ بی بی کو پڑھانے سے نہیں روکا مگر فاطمہ بی بی کو اس ایک قدم کے باعث بہت بے عزتی کا سامنا کرنا پڑا ہے' ہمیں اس کا ملال ہے مگر ہم اس کا ازالہ کیسے کر سکتے ہیں؟'' وقار الحق نے والد محترم کے سامنے مدعا رکھا' وہ الجھ کر اسے دیکھنے لگے۔

''ہم سمجھ نہیں سکے آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟'' نواب صاحب کچھ نتیجہ اخذ نہ کرتے ہوئے بولے۔ ''ہم واقعی سمجھ نہیں سکے کہ آپ اب ہم سے کیا چاہتے ہیں؟ آپ تاج بیگم کے مزاج سے واقف تھے اور ان کے اس پہلو کو بھی خوب سمجھتے تھے' آپ کو ایسی کسی خواہش کا اظہار کر کے فاطمہ بی بی کو مشکل میں ڈالنا ہی نہیں چاہیے تھا۔ ہم نے آپ کو پڑھانے کی صلاح دی تھی ایسی خواہشات کی کیا وجہ نکلتی تھی؟ کیا آپ کو اتنی سمجھ بوجھ نہیں تھی کہ فاطمہ بی بی اس سے مشکل میں گھر سکتی ہیں؟'' نواب صاحب نے صاحبزادے کو آڑے ہاتھوں لیا۔ وقار الحق نے سر جھکا کر نفی میں سر

ہلایا۔

''ہم لمحہ بھر کو بھول گئے تھے کہ ان کے گھر کا ماحول اور مزاج کس قدر رقیانوس...... ہمارا مطلب ہے ایسا کوئی آزاد خیال نہیں' مگر ہم نواب ٹھہرے...... اب نواب خون کچھ تو جوش مارتا ہے' مانتے ہیں غلطی ہوئی ہے ہم سے مگر اب کیا کریں؟ اگرچہ فاطمہ بی بی نے ہم سے کوئی شکایت نہیں کی مگر...... ہم محسوس کر سکتے ہیں ایک لڑکی ایسی بدنامی ہونے پر کیا محسوس کر سکتی ہے۔'' وہ سر جھکا کر کسی پچھتاوے کے تحت مدھم لہجے میں بولے' نواب صاحب نے انہیں بغور دیکھا۔

''کیا عشق کا کوئی معاملہ ہے واردات دل؟'' نواب صاحب نے سپوت کو دیکھا' وقار الحق نے سر انکار میں ہلایا۔

''ابا حضور ایسا کوئی معاملہ نہیں' ہم تو فاطمہ بی بی کو جانتے تک نہیں۔''

''تو پھر ان کو دیکھنے اور ملاقات کرنے کی آپ کو کیا پڑی تھی' کیا وہ عمل مناسب تھا' کیا آپ کو کسی لڑکی کو اس کی عزت داؤ پر لگانے کا حق تھا' کیا آپ کے لیے ان کی عزت ایک مذاق تھی؟'' نواب صاحب نے بیٹے کو آڑے ہاتھوں لیا۔ وقار الحق سر جھکائے تابعداری سے بیٹھے رہے۔

''اب ہم سے کیا چاہتے ہیں' ہم اس سلسلے میں اور کیا بات کریں تاج بیگم سے؟ وہ ایک کائیاں خاتون ہیں' آپ کو فاطمہ بی بی کو مشکل میں نہیں ڈالنا چاہیے تھا۔ ہم نے فاطمہ بی بی کے ساتھ اچھا نہیں کیا......'' نواب صاحب نے کہا اور وقار الحق خاموشی سے والد کو دیکھنے لگے۔ پھر نرمی سے بولے۔

''کیا تاج بیگم ایسی بے جا سختی ختم نہیں کر سکتیں؟'' ان کے پوچھنے پر نواب صاحب نے انہیں گھورا۔

''یہ سوال آپ کو ہم سے نہیں تاج بیگم سے کرنا چاہیے۔'' نواب صاحب نے گھورا' وقار الحق شرمندہ ہو گئے۔

''ہم تاج بیگم کی طبیعت کا کیا کریں اب؟'' وقار الحق الجھ کر بولے۔ نواب صاحب نے انہیں گھورا۔

''آپ نے صورت حال کو اختیار سے باہر کیا ہے اب آپ ہی اس کا کوئی حل ڈھونڈیے۔''

''لیکن ابا حضور ہم کیا کریں' اس کا سدباب کیسے کریں؟ ہم تاج بیگم سے بات کریں گے تو وہ ہمارا سر دو کانوں کے بیچ میں کر دیں گی' ان کے کڑوے مزاج سے ہم نہیں نبٹ سکتے...... وہ معاملے کو کیا سے کیا بنا دیتی ہیں۔ یہ نہ ہو ہم ان سے معاملے کو سلجھانے کی بات کریں اور وہ اس معاملے کو کوئی اور رنگ دے دیں۔ ان کے رویے سے ہمیں تو خوف آنے لگا ہے' موصوفہ آت کی پرکالہ سے کم نہیں ہیں۔'' وقار الحق نے کہا اور نواب صاحب ان کو تنبیہ کرتی نظروں سے دیکھنے لگے۔

''وہ آپ کی بزرگ ہیں اور آپ کو ایسا رویہ رکھنا روا نہیں رکھنا چاہیے۔ بہر حال بہتر ہوگا آپ ان سے بات نہ کیجیے یہی مناسب ہوگا۔ ہم دیکھتے ہیں کیا کرنا ہے لیکن آپ جانتے ہیں تاج بیگم کسی کی سنتی نہیں ہیں' سو ان سے بات کرنے کا کوئی فائدہ دکھائی نہیں دیتا' کہیں وہ یہ کہہ کر ہمارا منہ ہی بند نہ کر دیں کہ ہم ان کے اندرونی اور نجی معاملات پر بات کرنے والے کون ہوتے ہیں؟'' نواب صاحب بولے تو وقار الحق نے سر انکار میں ہلایا۔

''بہتر ہوگا آپ ان سے بات نہ کریں ابا حضور...... ہم آپ کی عزت کو داؤ پر نہیں لگا سکتے...... بہتر ہے ہم خود یہ خطرہ مول لے لیں مگر ہماری سمجھ میں یہ بات نہیں آ رہی ان سے کہیں کیا؟'' وقار الحق نے کہا' تبھی نواب صاحب کچھ سوچتے ہوئے بولے۔

”کیا آپ کو فاطمہ بی بی سے کوئی انسیت یا لگاؤ ہے؟“ وقارالحق سمجھ نہیں پائے تھے کہ نواب صاحب نے یہ سوال کیوں پوچھا مگر وہ چونکے تھے...... انہوں نے آہستگی سے انکار میں سر ہلانے میں عافیت جانی۔

”ایسا کوئی معاملہ نہیں ہے ابا حضور...... ہم مبتلائے عشق نہیں ہیں۔ جو ہوا وہ بس انتہائے شوق ہے اور کچھ نہیں...... ان کو دیکھنے کے شوق میں مبتلا تھے اور اس سے زیادہ کچھ نہیں۔“ وقارالحق نے شانے بے فکری سے اچکائے تبھی نواب صاحب گویا ہوئے۔

”سو اگر تاج بیگم کوئی شرط درمیان میں رکھیں تو ہم آپ کا ذکر خیر نہ کریں‘ کوئی وعدہ نہ کریں؟“ نواب صاحب نے جیسے حفظ ماتقدم کے طور پر پوچھا۔

”ہم سمجھے نہیں ابا حضور...... آپ کا کیا مطلب ہے؟“ وقارالحق نے کہا...... نواب صاحب نے کچھ دیر خاموشی سادھے رکھی پھر گویا ہوئے۔

”تاج بیگم اپنی طرز کی انوکھی خاتون ہیں...... دوسروں کو امتحان میں ڈال کر ان کو لطف آتا ہے‘ کچھ اذہان ایسے بھی ہوتے ہیں جو دوسروں کا سکون تہس نہس کر کے خوشی محسوس کرتے ہیں‘ ان کے نجی معاملات پر بات کرنا ایسے ہی ہے جیسے کہا جائے آ بیل مجھے مار...... سو ہم ہر نقطے کو ملحوظ نظر رکھ رہے ہیں‘ ہم نہیں جانتے ہم کس مدعے پر اور کیا بات کریں گے...... مگر ہم فاطمہ بی بی کو ضرور وہی مرتبہ اور مقام دلانا چاہیں گے جس کی وہ اہل ہیں اگر ہم کوئی وعدہ کر بیٹھیں تو آپ ہمیں الزام نہیں دیجیے گا۔“ نواب صاحب نے کہا اور چھوٹے نواب وقارالحق والد محترم کو دیکھتے رہ گئے۔

❁......❁......❁

”دل کی ٹھنڈ میں گھر کا سامان بھی جھونک دیا جائے تو کم ہے‘ ایسی غضب کی ٹھنڈ ہے اس بار کہ اللہ کی پناہ......“ تاج بیگم نے ہاتھ تاپتے ہوئے کہا۔ کرم دین نے سر ہلایا۔

”بجا فرمایا آپ نے اماں جان...... مگر جاڑے سے بچنے کے لیے گھر کے سامان کو ایندھن بنا لینا دانش مندی نہیں۔“ وہ جتاتے ہوئے نرم لہجے میں بولے۔ تاج بیگم ان کو دیکھنے لگیں۔

”کہنا کیا چاہتے ہو کرم دین؟ بہت بڑی باتیں کہنے لگے ہو لین دین اور حساب کرتے عقل زیادہ آ گئی ہے کیا کہ ہم آپ کی نظر میں بے توقیر ہو گئے یا کم فہم ثابت ہو گئے؟“ اماں جان نے گھورا‘ کرم دین نے کانوں کو ہاتھ لگایا۔

”معاف کیجیے اماں جان‘ ہماری ایسی مجال کہ ہم ایسا کہیں یا سوچیں‘ ہم تو برملا تذکرہ کر رہے تھے‘ یونہی بات چلی تو ہم نے بات کہہ دی‘ آپ کی عزت ہمارے لیے زیادہ قابل احترام ہے۔ آپ کو والدہ کی جگہ دی ہے ہم ایسی گستاخی کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتے۔“ کرم دین نے کہا تو اماں جان قدرے پُرسکون ہو کر انہیں دیکھنے لگیں۔ کرم دین نے کچھ کہنا چاہا تھا جب اماں جان نے ان کو چپ رہنے کو کہا۔

”کرم دین‘ جھاڑ جتنے بھی بڑے ہو جائیں یا جس تیزی سے بھی جگہ گھیر لیں‘ ان میں شیشم کے درخت والی بات نہیں ہوتی۔“ اماں جان نے جتایا تو کرم دین مسکرا دیا۔

”ہم آپ کے ملازم ہیں اماں جان‘ محترم ابا جان نے جو عزت دی آپ نے بھی وہی عزت دی اور ہمیں خوشی ہے ابا جان کی وفات کے بعد بھی آپ نے ہمیں اس ملازمت پر رکھا‘ آپ جس درجہ اعتبار کرتی ہیں وہ ہمارے لیے

بہت معنی رکھتا ہے‘ سچ پوچھیں تو اتنے برسوں میں ہمیں احساس تک نہیں ہوا کہ ہم خواجہ خاندان کے ملازم ہیں۔ آپ نے جو عزت دی ہم تو خود کو اس گھر کا فرد ہی سمجھنے لگے‘ یہی سوچ کر ہم قدرے مخلصی سے کچھ بھی کہہ دیتے ہیں مگر ہمارا مطلب اس گھر کے نجی معاملات میں ناک گھسیڑنا ہرگز نہیں ہوتا۔“ کرم دین نے کہا‘ اماں جان نے سر ہلا دیا۔

”ٹھیک ہے‘ جانتے ہیں ہم‘ مگر اس ریحان میاں کے متعلق اپنا منہ بند ہی رکھنا...... خواجہ ناظم الدین کچھ پوچھیں تو آپ کا جواب ہاں ہاں یا نہیں نہیں سے زیادہ نہیں ہونا چاہیے‘ آپ نے جو بھی چھان بین اپنے طور پر کی ہے‘ اس کی معلومات صرف آپ تک ہی رہیں تو مناسب ہوگا‘ یاد رکھیے‘ اس سے زیادہ کی خبر اگر ناظم الدین کو ہوئی تو ہم سے برا کوئی نہیں ہوگا۔“ اماں جان نے کہا اور کرم دین نے سر ہلا دیا‘ وہ وفادار ملازم تھے‘ سو اس باعث ان کو زبان بندی لازم رکھنا تھی‘ مگر وہ خود بیٹی کے باپ تھے اور کسی طور فاطمہ سے ناانصافی ہوتے نہیں دیکھ سکتے تھے‘ ان کی دختر دلشاد بی بی فاطمہ بی بی کی ہم عمر تھیں اور بچپن سے انہی کے ہمراہ اسکول جاتی تھیں۔ سو ان کو فاطمہ اپنی دختر کی طرح ہی عزیز تھیں‘ وہ ان کی زندگی خراب ہوتے نہیں دیکھ سکتے تھے‘ مگر وہ منہ بھی نہیں کھول سکتے تھے۔ عجیب جان مشکل میں پھنسی تھی مگر اماں جان سے مخالفت مول لینے کا مطلب وہ جانتے تھے۔ سو خاموشی میں ہی عافیت جانی تھی۔

اماں جان مسکراتی ہوئی حقے کے کش لینے لگیں تو وہ اٹھ کھڑے ہوئے‘ صحن سے گزرتے ہوئے نظر فاطمہ پر پڑی تو وہ جانے کیوں رک گئے‘ وہ افسردہ سی بیٹھی تھیں‘ عموماً وہ کرم دین کو دیکھ کر سلام کیا کرتی تھیں مگر اس شام فاطمہ نے یہ روایت برقرار نہیں رکھی تب جانے کیوں کرم دین نے پاس رک کر فاطمہ کے سر پر ہاتھ رکھ دیا۔ فاطمہ چونکتے ہوئے دیکھنے لگی‘ کرم دین کچھ بول نہیں سکے تھے‘ پلٹ کر دیکھا اماں جان انہیں بغور دیکھ رہی تھیں‘ وہ پلٹ کر بنا کچھ کہے آگے بڑھ گئے‘ فاطمہ ان کو دیکھتی رہ گئی تھی۔

❁......❁......❁

”آج توقیر بھائی سے بات ہوئی تھی ہم تو حیران رہ گئے‘ انہوں نے کئی برسوں بعد فون کیا۔“ خواجہ ناظم الدین نے ذکر کیا‘ سخاوت بیگم ان کو دیکھنے لگیں۔ تب ہی خواجہ صاحب بولے۔

”وہ خوش تھے کہ ہم دو بھائیوں میں رشتہ جڑنے جا رہا ہے‘ وہ خوش اور پُرامید بھی تھے...... ہمیں بھائی صاحب سے بات کر کے اچھا لگا مگر جانے کیوں عجیب سے انجانے شکوے کہیں اندر سر اٹھانے لگے...... وہ ریحان میاں کی قابلیت کے متعلق بات چیت کرتے رہے‘ ان کی کامیابی اور سادگی کے قصے سناتے رہے‘ ہم چپ چاپ سنتے رہے‘ انہوں نے کہا وہ رشتہ پکا کرنے کی رسم کرنے آنا چاہتے ہیں‘ ہم کوئی واضح جواب نہیں دے سکے۔“ خواجہ صاحب کہہ کر خاموش ہو گئے۔ سخاوت بیگم ان کو خاموشی سے دیکھنے لگیں‘ پھر مدھم لہجے میں بولیں۔

”آپ کو کیا لگتا ہے‘ کیا ریحان میاں ہماری فاطمہ کے لیے بہترین انتخاب ثابت ہوں گے؟“ سخاوت بیگم کے کہنے پر خواجہ صاحب خاموش ہوئے‘ پھر آہستگی سے سر نفی میں ہلایا۔

”سچ پوچھیں تو ہم نہیں جانتے بیگم مگر اماں جان کے سامنے ہم نے نکتہ اٹھایا تھا‘ کئی پہلو سامنے رکھے تھے مگر آج بھیا سے بات کر کے جیسے وہ تمام خدشے جاتے رہے‘ توقیر بھائی صاحب رو رہے تھے کہ وہ ملازمت اور مصروفیات زندگی کے باعث دور ہو گئے‘ دور جا بسے‘ ان کو اس بات کا قلق تھا‘ مگر ہم سمجھ نہیں پائے‘ ہم خاموش کیوں رہے‘ شاید ہم نے توقیر بھائی صاحب سے عرصہ دراز بعد بات کی ہے‘ شاید ایک رشتے کے باعث ہم جذبات میں گھر گئے‘ شاید ہم

بھائی کی محبت میں باقی خدشات فراموش کر گئے' بہرحال ہم نے کوئی حتمی فیصلہ نہیں کیا' ان معاملات میں کوئی جلدی کرنا مناسب نہیں ہوگا...... آپ اپنی رائے دے سکتی ہیں۔'' خواجہ صاحب نے بیگم سے کہا' وہ خاموشی سے دیکھنے لگیں۔

''آپ اتنی خاموش کیوں ہیں؟'' ناظم الدین نے پوچھا۔

''کیا ہم ایک رشتے کو محض سزا بنا کر اپنی دختر کے کاندھوں پر لاد رہے ہیں...... یا اسے دانستہ بتا رہے ہیں کہ کوئی غلط قدم اٹھا لینے پر سزا ایسے دی جاتی ہے؟'' سخاوت بیگم نے کہا' خواجہ صاحب نے سرنفی میں ہلایا۔

''وہ سمجھ بوجھ کی عمر میں نہیں ہیں سخاوت بیگم' کم سن ہیں' ہم ان سے کیا توقع رکھ سکتے ہیں؟ اگرچہ ان سے کوئی کوتاہی یا غلطی ہوئی بھی ہے' تو ہم اس کی سزا ان کو دے کر کیا ان کو سیکھ دیں گے یا مزید باغی بنا دیں گے...... جو بھی ہوا' جو بھی آپ سے یا اماں سے سنا ہمیں غصہ ہے' ہم فاطمہ سے بات چیت نہیں کر رہے مگر وہ ہماری بیٹی ہے' ہم اپنی بیٹی کو اپنا حصہ سمجھتے ہیں۔ ان کی غلطی پر ان کو ناسور سمجھ کر جسم سے الگ بہرحال نہیں کر سکتے......'' خواجہ صاحب نے سمجھداری سے کہا۔ سخاوت بیگم خاموشی سے انہیں دیکھتی رہیں پھر آہستگی سے بولیں۔

''فی الحال ان معاملات پر بات چیت نہیں ہو سکتی' اس رشتے کو ٹال دیجیے' ہم کوئی پیش رفت نہیں چاہتے' اماں جان کے دباؤ کو آپ ہی کم کر سکتے ہیں ہم یہی مشورہ دیں گے کہ اس معاملے کو فی الحال کسی حتمی فیصلے کے بنا رہنے دیجیے۔'' بیگم نے کہا اور خواجہ صاحب دیکھتے رہ گئے تھے۔

❀......❀......❀

''اماں جان کیسے مزاج ہیں؟'' نواب صاحب نے مسکراتے ہوئے احوال پوچھا۔ اماں جان نے انہیں مسکراتے ہوئے بیٹھنے کا اشارہ کیا اور بولیں۔

''خیریت...... آج آپ نے کیسے زحمت کی؟'' اماں جان نے آنے کا سبب پوچھا' نواب صاحب مسکرا دیے۔

''اماں جان آپ سے ایسی انسیت ہے کہ جب تک آپ کے روبرو حاضر ہو کر سلام نہ کر لیں ہمیں بھی چین نہیں آتا......'' نواب صاحب مسکرائے۔ اماں جان قصداً مسکرائیں اور ان کے سامنے براجمان ہو کر انہیں دیکھا۔

''ایسے تو آپ بچپن سے ہیں' جانتے ہیں آپ کو...... آپ کی اماں جان اکثر متفکر ہو جایا کرتی تھیں جب آپ ہماری طرف آن نکلتے تھے۔'' اماں جان نے مسکراتے ہوئے انہیں دیکھا۔ ''بچپن سے شرارتی واقع ہوئے ہیں آپ۔'' اماں جان کے کہنے پر نواب صاحب مسکرائے۔

''جی بس ایسا ہی ہے اماں جان...... آپ کو دیکھ کر ہمیشہ ابا حضور کے الفاظ سماعتوں میں گونجتے محسوس ہوتے کہ ستارے تو بہت سے ہیں مگر آسمان پر ماہتاب ایک ہی ہے اور تاج بیگم حسن کے آسمان کا ایسا ہی چمکتا ہوا تابناک چاند ہیں جس کی ضیاع کبھی گہنا نہیں سکتی۔ ہم بہت کم سن اور چھوٹے تھے مگر احساس ہوتا ہے وہ جو کہتے تھے درست کہتے تھے۔'' نواب صاحب اور اماں جان مسکرا دیں۔

''جانے دیجیے زمان الحق آپ کے ابا جان کے مزاج کی رنگینی سے کون واقف نہیں...... ہم نے کبھی ان کی باتوں پر کان نہیں دھرے بہرحال...... آپ نہر والی زمین کے دام کھرے نہ کر کے اچھا نہیں کر رہے۔ ہمیں ایسے تحائف لینے کا شوق نہیں مگر آپ ہمارے لیے ناظم الدین کی طرح ہیں مگر ماں کے ہاتھ سے بچوں کے لیے کچھ نکلے یہی

مناسب ہے۔'' اماں جان نے وضاحت کی تو نواب صاحب نے سر ہلا دیا اور آہستگی سے بولے۔

''بجا فرماتی ہیں آپ مگر بچے بھی ماں کو تحائف دے سکتے ہیں' اس کی ممانعت نہیں ہے۔'' نواب صاحب نے کہا اور مسکرائے۔ ''ابا حضور کی روح بہت تڑپے گی اگر ہم آپ سے اس زمین کے دام کھرے کریں گے۔'' نواب صاحب نے از راہ مذاق کہا تو اماں جان مسکرا دیں۔

''اللہ پاک آپ کے ابا حضور کی روح کو سکون میں رکھے مگر محترم بات اصولوں کی ہے بہرحال قصہ مختصر ہم نے سوچا ہے ہم اس زمین پر درس گاہ تعمیر کروائیں گے' ہماری پوتی فاطمہ کے نام پر وہ درس گاہ ہوگی' ان کو پڑھائی کا بہت جنون ہے' ہم ان کی پسندیدہ ہستیوں کو مدعو کر کے ان سے اس درسگاہ کی بنیاد رکھوائیں گے۔'' اماں جان نے کہا تو وہ چونکے۔

''ارے فاطمہ بی بی سے یاد آیا' چھوٹے نواب سے بات ہوئی تھی وہ بتا رہے تھے فاطمہ بی بی خاصی ذہین فطین ہیں۔ وہ ان کی ذہانت سے اس قدر متاثر ہوئے کہ ان سے روبرو ملاقات کرنے کی ٹھانی......اور......'' وہ بول رہے تھے جب اماں جان نے ہاتھ اٹھا کر ان کو بولنے سے باز رکھا اور آہستگی سے بولیں۔

''نواب صاحب' اپنے سپوت کی بات جانے دیجیے' آپ...... اتنے نہ سمجھ یا طفل مکتب نہیں ہیں ہم کہ بات کی تہہ تک نہ پہنچیں۔ وہ جو معاملہ بھی تھا ہم اس پر بات کرنا گوارہ نہیں کرتے۔'' اماں جان نے حتمی انداز اختیار کیا۔ نواب صاحب دیکھتے رہ گئے۔ پھر نرمی سے بولے۔

''چھوٹے نواب نا سمجھ ہیں' ان کا مقصد کچھ غلط نہیں تھا۔ انہوں نے کسی غلط خیال یا نیت سے ملاقات نہیں کی اور......''

''ارے میاں' خلوت میں کیسی جلوت ہوتی ہے اس کی بات رہنے ہی دیجیے۔ ہم گھر کی عزت کے لیے چپ ہیں تو کیا بات نکالو گے اب؟ آپ کے خاندان سے پرانے مراسم ہیں' اس کی لاج رکھ رہے ہیں اور دوسری بات اپنے گھر کی عزت کو بھی اچھالنا نہیں چاہتے' بات تو کہتی ہے تو مجھے زبان سے نکال میں تجھے شہر سے باہر پہنچاتی ہوں' بس سمجھ لیجیے کہ عزت کے ہاتھوں ہونٹ سیے بیٹھے ہیں اور آپ اس بات کو سمجھ ہی نہیں رہے۔'' اماں جان نے اچھا خاصا ڈپٹ دیا' نواب زمان الحق ان کے مزاج سے واقف تھے تبھی نرمی سے گویا ہوئے۔

''ہم جانتے ہیں آپ کیا کہنا چاہتی ہیں اماں جان۔ ہم کوئی دو کنبے نہیں ہیں' اتنی پرانی جان پہچان فقط راہ و رسم نہیں کہلاتی رشتے داری بن جاتی ہے آپ کی عزت ہماری عزت ہے اور......''

''ہماری عزت آپ کی عزت ہے تو پھر فضول کی باتیں کیوں کر رہے ہیں۔ مدعا پر بات کیوں نہیں کرتے' فاطمہ بی بی کو اپنی عزت کیوں نہیں بنا لیتے؟'' اماں جان گھاگ خاتون تھیں' جانے کیا سوچ رکھا تھا انہوں نے کہا اور نواب صاحب ساکت سے دیکھنے لگے۔ وہ فاطمہ کا وقار بحال کرنے آئے تھے تبھی نرمی سے بولے۔

''ہم اسی سلسلے میں بات کرنے آئے ہیں۔ آپ کو لگتا ہے اس ایک ملاقات سے اس خاندان کی عزت پر حرف آیا ہے تو ہم ازالہ کرنے کو تیار ہیں۔ ہم فاطمہ بی بی کو وہ وقار اور مان اسی عزت کے ساتھ لوٹانے کو تیار ہیں۔ ہم نواب زادے وقار الحق کا نکاح فاطمہ بی بی سے کرنے کو تیار ہیں۔'' نواب صاحب نے کہا اور اماں بیگم انتہائی اطمینان اور پُرسکون انداز میں ان کی طرف دیکھنے لگیں۔

’’محترم نواب زمان الحق یہ ازالہ نہیں ہے ازالہ تو تب ہو جب آپ فاطمہ بی بی کو اپنے نکاح میں لیں......‘‘ اور زمان الحق کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی۔ وہ انتہائی حیرت سے انگشت بدنداں ان کی طرف دیکھنے لگے۔

’’اماں جان آپ جانتی ہیں آپ کیا کہہ رہی ہیں؟ ہم خواجہ صاحب کے دوست ہیں‘ آپ ہماری عمر جانتی ہیں‘ یہ کیا کہہ رہی ہیں آپ؟‘‘ نواب زمان الحق حیرت کے سمندر میں غوطے کھاتے ہوئے بولے۔ اماں جان انتہائی اطمینان سے مسکرا دیں۔

’’اے میاں جانے دو...... سنا نہیں وہ مثل ہے کہ مرد اور گھوڑا بھی کبھی بوڑھے ہوئے ہیں؟ خیر سے اب بھی جوان ہو‘ اس میں کیا قباحت ہے؟ اگر رشتہ کرنا ہے تو اسی صورت میں ہوسکتا ہے‘ اس کے علاوہ کوئی موقف قبول نہیں ہوگا۔ تمہیں اس نکاح کو نہیں کرنا تو بھول جاؤ اور اس مدعے پر آئندہ کوئی بات مت کرنا۔‘‘ اماں جان نے دوٹوک انداز میں کہا۔

’’اماں جان ہم فاطمہ بی بی کی عزت بحال کرنا چاہتے ہیں‘ ہمارے گھر کی عزت بن کر وہ وہی عزت اور مقام پائیں گی جس کی وہ حق دار ہیں۔‘‘ نواب صاحب نے سمجھانا چاہا۔

’’کیا آپ کی بیگم بن کر فاطمہ بی بی وہ عزت اور مرتبہ نہیں پاسکتیں؟‘‘ اماں جان نے ان کو سوالیہ نظروں سے گھورا۔ وہ سٹپٹا کر رہ گئے۔

اماں جان کے ذہن میں کیا چل رہا تھا وہ سمجھ نہیں پائے تھے مگر ان کے ذہن میں یقیناً کوئی جامع منصوبہ تھا۔ وہ منصوبہ سازی پر انتہائی مہارت رکھتی تھیں اور وہ اس نقطے پر بالکل سوچ کر نہیں آئے تھے کہ وہ ایسا کوئی نقطہ اٹھا سکتی ہیں۔ اس باعث وہ شدید حیرت میں مبتلا تھے اور اماں جان کا سکون اس بات کی علامت تھا کہ ان کا دماغ اپنی منصوبہ سازی پر نازاں ہے۔

’’نواب زمان الحق‘ فاطمہ بی بی کے رشتے کی بات ہوگی تو صرف اس صورت میں کہ آپ اسے بطور بیگم قبول کریں۔ اس سے آگے کی ہر راہ بند ہے۔ آپ کے سپوت وقار الحق کا رشتہ ہمیں قبول نہیں۔ آپ تشریف لے جاسکتے ہیں۔‘‘ اماں جان نے دوٹوک انداز میں کہا۔ نواب صاحب کچھ کہنے کے قابل نہیں رہے تھے۔ وہ خاموشی سے اٹھے اور چل دیئے‘ اماں جان اطمینان وسکون سے مسکرانے لگیں۔

❁......❁......❁

’’دلشاد ہم نے ایسی صورت حال کے بارے میں کبھی نہیں سوچا تھا۔ ہم تو کچھ نہ کر کے بھی ذلیل وخوار ہوگئے۔ سر اٹھانے کے قابل نہیں رہے‘ خود کو کوستے ہیں کہ ایسا کیوں کیا مگر تب ہمارے سر پر فقط پڑھائی کا بھوت سوار تھا‘ اس پڑھائی کو جاری رکھنے کے چکر میں ہم نے اپنی ہی عزت کا جنازہ نکال دیا۔ اس سے تو بہتر تھا ہم پڑھائی کو خیر باد کہہ کر ان محترم نواب زادے کو چلتا کردیتے۔‘‘ فاطمہ نے سر پر ہاتھ رکھ کر افسوس کیا‘ دلشاد نے ہاتھ بڑھا کر ان کے آنسو پونچھے۔

’’ہمیں افسوس ہے فاطمہ یہ سب ہوا مگر آپ سے غلطی تو بہر حال ہوئی ہے۔ آپ جانتی تھیں دادی جان ایسا مزاج رکھتی ہیں تو آپ کو پڑھائی کو جاری رکھنے کے متعلق سوچنا نہیں چاہیے تھا۔‘‘ دلشاد نے سمجھایا۔

’’یہی غلطی ہوئی ہم سے‘ ہم نے اپنا سر تو جھکایا‘ اپنے ابا جان اور امی جان کو بھی شرمندہ کردیا...... ان کے دل پر کیا

گزر رہی ہوگی‘ ہم تو آنسو بہا رہے ہیں‘ اتنی ہمت نہیں کہ ابا جان یا امی جان سے بات کریں یا ان کو قائل کریں کہ ہماری خطا نہیں۔‘‘ فاطمہ نے کہا۔ دلشاد نے افسوس سے انہیں دیکھا اور پھر اردگرد نگاہ ڈال کر تسلی کی کہ کوئی آس پاس تو نہیں پھر رازداری سے جھک کر بولیں۔

’’کیا آپ کو خبر ہے کہ آپ کا رشتہ ایک انتہائی غیر موضوع انسان کے ساتھ جوڑا جارہا ہے؟ آپ کے چچا جان کے صاحبزادے اول درجے کے جواری اور نشے باز ہیں جن سے آپ کو منسوب کیا جارہا ہے‘ ابا جان نے اس معاملے میں جو تحقیقات کیں آپ کی دادی جان ان کو زبان کھولنے کی اجازت نہیں دیتیں اور آپ کے ابا جان اس سے واقف نہیں...... ریحان میاں آپ کے لائق نہیں مگر آپ کیا کرسکیں گی؟‘‘ دلشاد نے کہا اور فاطمہ حیران رہ گئی۔

’’ابا جان بھی اس معاملے سے واقف ہیں؟‘‘ وہ بے یقینی سے سوال کرگئی۔

’’شاید...... ہم نہیں جانتے مگر آپ کو آپ کی اس ایک غلطی کی سزا اس رشتے کی صورت مل رہی ہے۔ آپ کے گلے میں ایسا ڈھول ڈالا جارہا ہے جسے ساری زندگی آپ کو بجانا ہوگا۔‘‘ دلشاد نے بتایا تو فاطمہ انگشت بدنداں سی ان کو دیکھتی رہی۔

’’ہمیں ہماری غلطی کی سزا ملنا چاہیے‘ ہم اسی لائق ہیں دلشاد‘ ہم نے اپنے پیروں پر خود کلہاڑی ماری ہے۔ اس پڑھنے کی خواہش نے کہیں کا نہیں رکھا ہمیں‘ سچ کہتے ہیں یہ خواہشیں ایسے ہی خوار کرتی ہیں۔ ہم بھی خلاء میں معلق ہوکر رہ گئے ہیں۔ پڑھنے کی خواہش لے ڈوبی ہمیں‘ محترمہ فاطمہ جناح بننا چاہتے تھے‘ ہم تو ان کے قدموں کی دھول بھی نہیں تھے‘ کیا خواب دیکھ لیے آزادی کے لیے کام کرنا چاہتے تھے‘ مسلم لیگی خواتین سے متاثر تھے‘ ان کی طرح ہم بھی اس جدوجہد میں حصہ لینا چاہتے تھے‘ ہم ان کا مقابلہ کہاں کرسکتے تھے؟‘‘ فاطمہ افسوس سے بولی‘ دلشاد نے فاطمہ کو تسلی دینے کے لیے ان کے شانے پر ہاتھ رکھا۔

’’آپ کے خواب بڑے نہیں تھے‘ فاطمہ مگر زمین زرخیز نہیں تھی اور آب وہوا سازگار نہیں تھی۔‘‘ وہ افسوس کرتی ہوئی بولی اور فاطمہ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ دلشاد نے ہاتھ بڑھا کر ان کی آنکھوں سے آنسوؤں کو پونچھا۔

’’شاید آپ کو اپنی دادی جان سے مخالفت مول لینا نہیں چاہیے تھی۔ اس پڑھنے کی خواہش کو تیاگ دینا مناسب ترین فیصلہ ہوتا۔‘‘ دلشاد نے کہا اور فاطمہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی تھیں۔

(ان شاء اللہ باقی آئندہ شمارے میں)

تخلیق کار

ماورا طلحہ

اس سے ماننا ہی نہیں دل میں تہیہ کرلیں
وہ خود آئے تو بہت سرد رویہ کرلیں
ایک ہی بار ہو گھر راکھ جان تو چھوٹے
آگ کم ہے تو ہوا اور مہیا کرلیں

درد اس کی آنکھوں سے ابل رہا تھا اور اگر اس کا بس چلتا تو وہ نہیں روئیں سے درد کا لاوا بہاتی مگر اب سب بے سود تھا، وہ آگ کے دریا میں کود جائے یا آسمان کو چھوتے پربت سے چھلانگ لگادے۔ اس کو خلاصی کا اذن نہیں مل سکتا۔ وہ لفظوں کی قید میں آچکی تھی، لفظ کسی جلاد کی طرح اس پر مسلط ہو چکے تھے اور وہ بے بس چڑیا کی طرح فقط پھڑ پھڑا رہی تھی۔ سوکھے درخت کی طرح وہ بھی گرنے والی تھی جس کی جڑیں ہاتھوں سے کھوکھلی کردی جائیں۔ وہ اپنی زخمی یادداشت اور بدبو دار جسم کو لیے ٹیلے پر بیٹھ جاتی اور خاک اٹھا کر یوں سر میں ڈالتی کہ جیسے اس خاک تلے وہ اپنا بدبودار ماضی چھپالے گی......

لیکن وہ ماضی کو مٹا نہیں سکی اور نہ ہی بھلا سکی تھی، اسی لیے اب وہ خود کو بھی چھپا دینا چاہتی تھی، کسی فالتو چیز کی طرح گٹر میں پھینک دینا چاہتی تھی مگر اس سے منسلک ہر چیز اتنی تعفن زدہ ہو چکی تھی کہ گندگی کے ڈھیر بھی شرما جائیں، اس بات کا احساس اس کے درد کو اور شدید کردیتا تھا۔

"کوئی سنتا ہے یہاں؟ جاؤ کہیں سے میری آزادی کا پروانہ لے آؤ، یہیں کسی بستی میں میری رہائی کی دستاویز ہیں، انہیں ڈھونڈ لاؤ...... کوئی تو جاؤ ان سفید دلوں کے مالکوں کے پاس اور میری قید کو ختم کروادو۔" درد زبان تک آتا تو وہ پاگلوں کی طرح ہم کر درد کا ترانہ سناتی، اس کا ترانہ انسانوں کے کانوں میں پگھلے ہوئے سیسے کی مانند اترتا اور مخلوق نفرت سے کانوں پر ہاتھ رکھ لیتی، جب کئی طویل لمحوں کے بعد اس کی صدائیں بے اثر لوٹ آتیں تو جھکی کمر والی عورت کی آنکھیں لہو بہانے لگتیں۔

ساری عمر وہ آگ کے دریا پر چلتی رہی تھی، اگر اب وہ آگ اس کو جلا کر راکھ کر رہی تھی تو کیونکر کوئی اس آگ کو بجھانے میں اس کی مدد کرتا۔ اسے آسمان کی بلندیوں کو چھونا تھا تو اس اتنی اونچائی کے حصول پر اسے آسمانی مخلوق سے پھٹکار مل رہا تھا تو کیوں کوئی اس ذلت میں اس کا ہاتھ بٹاتا۔ یہ سب اس نے خود بویا تھا اور کئی سال لگاتار محنت سے سینچا تھا تو کیسے ہوسکتا ہے کہ اس کا بویا کوئی اور کاٹے...... "لفظ" ایسی فصل ہے جس کو بونے والا نہ بھی کاٹے تب بھی وہ اس تک پلٹ کر آتی ہے۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ وہ اپنے لفظ وصول کرنے سے انکار ہو جائے کیونکہ اب سب اس کو لوٹایا جانا تھا...... اس کی مرضی اور منشا کے بغیر۔

❁......❁......❁

سلطان نگر میں واقع سفید پتھروں سے بنی اونچی مسجد کے میناروں سے جب حکم ربی سنایا جاتا تو سارے محلے کے افراد دلوں میں عقیدت لیے اونچی مسجد کی سمت چل پڑتے تھے۔

"مولوی صادق علی" سلطان نگر کی ہر دلعزیز شخصیت تھے۔ ان کی اذان محلے میں سکون، کیف و سرور پیدا کرتی تھی اور ان کا مفکرانہ انداز اور تدبر و حکمت سے پُر مشورے محلے کے کئی گھروں کو ٹوٹنے سے بچائے ہوئے تھے۔ وہ ایسا گھنا شجر تھے کہ جس کے سائے تلے سلطان نگر دھوپ کی تپش سے محفوظ تھا۔ مسجد میں نماز کے بعد ان کا قیام ہوتا اور لوگ جوق در جوق اپنے مسائل لیے چلے آتے، بچوں کے مسائل سے لے کر دلوں کو لگی دیمک کا دکھ سنایا جاتا اور ان کا وعظ بہتے ہوئے دریا کی مانند سب پیاسے دلوں کو سیراب کر جاتا تھا۔ ان کا تدبر گرمی میں چلنے والی پُرسکون ہوا کی طرح دل کے سارے اندیشے و تفکرات دور کردیتا تھا۔ ان کا پُرسکون سفید چہرہ اور چہرے کو حصار میں لیے ہوئے سفید داڑھی "مولوی صادق علی" کو فرشتوں سی پاکیزگی دیتی تھی۔

وہ انہی صادق علی کی اکلوتی بیٹی تھی منتوں، مرادوں اور دعاؤں کے ذخیرے سے اٹھایا گیا انعام تھی۔ وہ ایسے گھر میں بھیجی گئی کہ جس سے سو قدم کے فاصلے پر لوگ نظریں جھکا لیتے تھے۔ جس گھر کے سربراہ کی لوگ مثالیں دیتے اور جو گھر نور میں نہایا محسوس ہوتا تھا۔ عبادت کرنے والے ہاتھوں نے اسے تھاما اور ذکر کرنے والی زبان نے اسے "عزت" جیسے پیارے نام سے نوازا تھا۔ اپنے جیسی پاکیزگی، طہارت اور عہد وحدانیت کی روشنی اس میں ڈالتے ہوئے وہ یہ بھول گئے کہ انسان کی سب سے بڑی آزمائش اولاد ہے۔ وہ یہ بات فراموش کر گئے کہ بدکار میں سے نیکی کے رکھوالے اور بدکاروں میں سے نیکوکار پیدا کیے جاتے ہیں۔ وہ ان انبیاء کا دکھ یاد نہیں رکھ سکے تھے، جن کا کنبہ تباہی کے دہانے پر کھڑا رہا اور بار بار ہدایت کے بلاوے پر بھی منکر بنا رہا اور آخر اس گڑھے میں گر گیا۔ انہوں نے اکلوتی اولاد کو عزت کی چادر میں لپیٹ کر رکھا، اس کے لیے خوشیوں اور ہدایت کی دعائیں مانگتے رہے مگر وہ یہ بھول گئے کہ کچھ دعائیں قبول نہیں ہوتیں، کچھ عرضیاں بند لفافوں میں مقررہ وقت کا انتظار کرتی ہیں۔ اس کی چھوٹی چھوٹی فرمائشیں پوری کرتے عین بڑھاپے میں اس کی بڑی فرمائش سے ہار گئے تھے۔ اسے عزت سے نوازنے والے اس کے ہاتھوں بے عزت ہوگئے تھے۔

"اپنے نام کا پاس رکھ لو اور یوں وقت آخر ہمیں ذلیل نہ

کرو۔" جس کی آواز سلطان نگر میں سکوت طاری کردیتی تھی اس کی آواز بیٹی کے سامنے لڑکھڑا گئی تھی۔

"اپنی پسند کی شادی کوئی حرام نہیں، میرا مذہب اور معاشرہ مجھے اس کی اجازت دیتے ہیں۔" اس کی گردن کر دفر سے تنی ہوئی تھی۔

"مذہب کو اپنے رنگ میں نہ ڈھالو، مذہب پسند کی اجازت دیتا ہے مگر غیر مسلم کی نہیں۔" قرآن پڑھنے والے کا دل کانپ رہا تھا۔

"میں نے اجازت نہیں مانگی بلکہ آگاہ کررہی ہوں۔" وہ مذہب کی نافرمان ہورہی تھی۔

"منہ ڈالنا ہے تو کسی صاف جگہ کا انتخاب کرو، گندگی اور غلاظت میں کیوں اتر رہی ہو؟ آگ پر چلنے کی آرزو نہ کرو، ایک دن اسی آگ میں جل جاؤ گی اور کوئی ہاتھ تھامنے والا نہیں ہوگا۔" ماں کے عہدے پر فائز عورت بولی تھی۔

"میں آسمانوں کو چھونا چاہتی ہوں اور اگر اس کے لیے مجھے ان ہواؤں اور بادلوں سے لڑنا پڑے تو میں لڑوں گی۔" سامان سمیٹتے ہاتھ اور تیزی سے چلنے لگے تھے۔

"تجھے میرے اس درد کا واسطہ جو تیری تخلیق کے لیے میں نے برداشت کیا، میری اس تکلیف کا احساس کرلے جو تجھے تیرے پیروں پر کھڑا کرنے کے لیے میں نے اٹھائی، ان راتوں کی قسم جن کی سحر تجھے سنبھالنے میں ہوئی، ان بے کیف دنوں کے عوض جو تیری بیماری میں میرے گزر گئے میری اس اجڑی زندگی پر ترس کھالے جو تیری تخلیق سے پہلے میں نے گزاری، میرے مرتبے کی اتنی توہین نہ کر کہ عورتیں تخلیق کے عمل سے گزرنے کی بجائے اجڑی کوکھ پسند کریں۔" ایک بجلی تھی جو آسمان پر کڑکی تھی، ایک قہر تھا جو زمین پر ٹوٹا تھا۔ ابلیس نے تمسخر سے آسمان کی سمت دیکھا اور ملائکہ بھی دم بخود رہ گئے۔

"آپ جن باتوں کا واسطہ دے رہی ہیں وہ سراسر آپ کی پسند تھی، تخلیق کا درد نہ برداشت کرتیں اور بھی بہت سارے طریقے ہیں اور میں ایسی لڑکیوں میں سے نہیں ہوں جو والدین کے فرض کو احسان سمجھ کر اپنی خوشیاں قربان کردیتی ہیں، میں وہ نہیں جو کہ قسموں پہ زندگی وار دے، میرے لیے میرے جذبات زیادہ اہم ہیں۔" ایک جھٹکے سے ہاتھ چھڑواتی وہ عزت کا دروازہ پار کرگئی تھی۔ ذلت کی دنیا نے باہیں کھول کر اس کا استقبال کیا تھا۔

تخلیق کا اعزاز رکھنے والی بوڑھی عورت خزاں رسیدہ پتے کی طرح زمین پر بیٹھ گئی، اس کا رتبہ چھین گیا تھا، وہ ایسی ملکہ تھی کہ جس سے اس کا تخت چھین کر جلاوطن کردیا گیا ہو۔ ان عزت والوں کا دل چاہا زمین پھٹے اور وہ اس میں منہ چھپا کر ہوئے دھنس جائیں۔ ماں کی کوکھ کا درد ادھورا رہ گیا اور باپ کا اونچا عزت والا شملہ خاک پر آ گرا تھا۔

اسی شام سفید پتھروں والی اونچی مسجد میں نیک لوگوں کی جدائی کا اعلان ہوا تھا۔ سلطان نگر کے باسیوں نے احترام سے دو عزت داروں کا جنازہ اٹھایا اور کوئی ذلت کی بدبو ان کے پاس نہیں آئی۔ اونچی مسجد کے پیچھے قائم شہر خاموشاں میں انہیں دفن کردیا گیا تھا۔ ایک داستان تھی جو ختم ہوئی، ایک نوحہ تھا جس نے سلطان نگر کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا، ایک عہد تھا جو ختم ہوا اور ایک کارواں تھا جسے منزل نہ مل سکی تھی۔ عزت داروں کی کہانی لوگوں کے ذہن پر نقش ہوگئی تھی مگر ذلت ابھی زبان زد عام تھی۔ لفظوں کی فصل پکنے میں ابھی وقت لگنا تھا مگر اس فصل کا دانہ برابر وزن کا ہوتا ہے۔ یہ ازل سے قانون فطرت ہے اور ابد تک قائم رہے گا۔ زمانہ سفر پر رہتا ہے اور لوٹ کر اس مقام تک ضرور آتا ہے جہاں سے اس نے رخت سفر باندھا ہو، سب کچھ عیاں ہوتا ہے مگر کچھ وقت لگتا ہے۔

***

اس کی آہ و بکا جاری تھی، رو رو کر اس کا گلا سوکھ گیا تھا، گلے میں نفرتوں کے کانٹے اگ آئے تھے۔ وہ چیختی چلاتی مگر کوئی اس کی فریاد سننے نہیں آتا تھا۔ قدرت کی ہر چیز نے نفرت کا لبادہ اوڑھ لیا تھا۔ آسمان اس کے لیے قہر بن گیا تھا، جس آسمان پر وہ اڑنا چاہتی تھی اسی آسمان سے اس کے لیے پتھر برستے تھے زمین پر کیڑوں کی طرح رینگنے سے اسے الجھن تھی اور اب وہ اسی زمین پر پناہ چاہتی تھی۔ گھر کی چار دیواری میں اسے الجھن محسوس ہوتی تو وہ گلیوں میں نکل آتی، لوگ دیکھتے تو نگاہ پھیر لیتے، ہر نگاہ میں اس کے لیے حقارت ہوتی تھی۔ اس کا ہر سوال خالی لوٹ آتا تھا اور نظر کرم کی خواہش پر دھتکار ملتی تھی۔

"کوئی تو مجھے بتاؤ میرا قصور کیا ہے۔" وہ چیخ کر ہر گزرنے والے سے سوال کرتی، نگاہ آسمان کی سمت اٹھاتی تو تخلیق کا واسطہ دیتی، عورت نظر آتی اور لمحے کے ہزارویں حصے میں سارے قصور مجسم شکل میں اس کے سامنے آ کھڑے ہوتے۔

"میں جانتی ہوں میرا قصور مگر اب مجھے سزا بتادو۔" اس کی آواز خود کلامی میں ڈھل جاتی اور سب کھڑے تاسف سے دیکھتے رہتے۔

"اے دشت خاکی تو بھی سن، مجھے سزا مل گئی ہے، مجھے تخلیق کا درد نہیں دیا گیا، مجھے راتوں کا جاگنا نصیب نہیں ہوا، بوڑھی عورت نے کہا تھا کہ اس مبارک درد کی توہین نہ کر کہ کوکھیں اجڑی رہ جائیں، تو اے زمین تو ہی اب سن لے...... سزا مل گئی ہے۔" وہ زمین سے راز و نیاز میں مصروف تھی کہ زمین نے بھی غصے سے انگڑائی لی اور اپنے کان بند کرلیے تھے۔

***

وہ کوڑھ زدہ عورت تھی، آبادی میں اس کی کوئی جگہ نہیں تھی۔ مٹی کا ٹیلہ اس کی رہائش گاہ بن گیا اور مٹی کے ذرے اس کے ہمدم۔ تنہائی نے اس کو صحرا کا واحد پودا بنادیا تھا۔

"سن اے بدنصیب عورت۔" پکار پر اس نے سر اٹھایا کالے لبادے میں ملبوس عورت اسے اپنی پکار کا جواب محسوس ہوئی، اس کے ترانوں کا آخری قطع لگی تھی۔

"کیا تمہیں میرا درد سنائی دیا؟ کیا تم میری رہائی کی نوید لائی ہو؟ تمہارے پاس میرے لفظوں کا توڑ ہے؟" اس نے کوڑھ زدہ ہاتھوں سے سوالات کیے۔

"نہیں ایسا کچھ نہیں ہے۔" کالے لبادے میں لپٹی عورت نے نفی میں سر ہلایا۔

"تو پھر کیوں آئی ہو، یہاں بس وہ آئے جو اس بدبودار فصل کو مجھ سے دور کردے۔" اس کا درد پھر بہنے لگا۔

"تمہاری صور جیسی آواز ہماری سماعتوں پر گراں گزرتی ہے، اس لیے یہ التجائیں وہاں کرو جہاں سے تمہیں جواب لوٹایا جائے۔" مترنم آواز نے اس کے آنسوؤں پر بند باندھ دیا تھا۔

"دنیا کا کون ایسا خطہ ہے جہاں مجھے پناہ مل جائے، جہاں میری سزا کا اختتام ہو، کون ہے جو اس گند کو اسی ٹیلے میں دبا دے۔" اس کی بے تابی حد سے سوا تھی۔

"اس سے التجا کرو جس نے تمہیں تخلیق کیا ہے۔" جیسے کا چابک اس کے منہ پر مارا گیا۔

"میں نے تخلیق کاروں کو ماردیا، زہریلی ناگن کی طرح انہیں ڈس لیا، وہ میری التجائیں نہیں سن سکتے...... وہ عزت والے لوگ تھے، ذلت کی دہائی نہیں دے سکتے۔" اس کی زبان پر کانٹے اگ آئے تھے۔

"وہ صرف ایک ذریعہ تھے، اصل تخلیق کار وہ ہے جسے کبھی موت نہیں، زندگی اور موت جس کی محتاج ہے، تم اپنے زخم اس کے سامنے عیاں کرو۔" وہ اسے نیا راستہ دکھا رہی تھی۔

"کیا اس در سے مجھے معافی کی نوید ملے گی؟ کیا وہاں سے کالے پانیوں کی سزا ختم ہونے کی امید ہے۔" اس نے آس سے پوچھا۔

"ہاں ضرور ملے گی...... وہ ذلت کو عزت میں بدلنے پر قادر ہے، وہ ستر ماؤں سے زیادہ پیار کرتا ہے، وہ تمہارے نوحے ضرور سنے گا کیونکہ اس کی سماعتیں بے نیاز ہیں۔"

"وہ مجھے کہاں ملے گا۔" اس نے بات کے اختتام پر عجلت سے پوچھا۔

"تمہارے دل میں موجود شہ رگ سے قریب ہے وہ۔" کالے لبادے میں ملبوس وجود ٹیلے سے اتر گیا۔

بوڑھی عورت نے آنکھیں بند کیں اور نئے سرے سے درد سے رونے لگی، ارد گرد سے بے نیاز ہوکر گناہوں کا اعتراف کرنے لگی؛ ٹیلے پر ابھرنے والا سورج بھی اب اس کے نوحوں پر ترس کھاتا اور رات کا ویرانہ بھی اس کا درد محسوس کرتا، زمین والے بھی اس کی ذلت بھول رہے تھے۔

"اے معافی کا اذن دینے والے تخلیق کرنے والوں کے تخلیق کار، سب کہتے ہیں تو ستر ماؤں سے زیادہ پیار کرتا ہے، اے مالک میری ذلت ختم کردے غلاظت کا ڈھیر مجھ سے دور کردے، اے آسمان والے اگر تو سنتا ہے تو جواب دے، میری آہ و بکا کو حنا کردے اپنی تخلیق کو اہل زمین کے سامنے اور تماشہ نہ بنا، پس پردہ سزا سے نواز دے، میرے لفظ مجھ تک لوٹ آئے ہیں اب ان کو رخصتی کا حکم دے۔" سلطان نگر کے باسی ٹیلے سے ایسی التجائیں روز سنتے تھے اور قہر ربی سے کانپ جاتے تھے۔ ایک عرصہ یہ آہیں سنتے گزر گیا اور پھر ہر سو خاموشی چھا گئی؛ فضائیں ان نوحوں کی بازگشت سے آزاد ہوگئیں، مٹی کے ٹیلے سے ذلت کا بوجھ ہٹ گیا؛ سماعتیں ذلت کی داستان سے محروم ہوگئیں۔

خلقت ٹیلے کی طرف الٹ آئی، مٹی کے ذرے سکون سے ٹیلے پر قائم تھے مگر وہ وجود نہیں تھا جو عبرت کا نشان تھا، شاید اسے معافی مل گئی تھی۔ دور اونچی مسجد کے پیچھے شہر خاموشاں میں مدفن دو عزت والوں کو سکون آ گیا تھا۔

تم میری ہو

عائشہ نور محمد

اداس دل کی ویرانیوں میں بکھر گئے ہیں خواب سارے
یہ میری بستی سے کون گزرا، نکھر گئے ہیں گلاب سارے
نہ جانے کتنی شکایتیں تھیں، نہ جانے کتنے گلے تھے تم سے
جو تم کو دیکھا تو بھول بیٹھے سوال سارے جواب سارے

"فبای الآء ربکما تکذبن"

"میرے رب مجھے اپنی نعمتوں پر شکر کرنے والا بنا اور میری دعا کو اپنی بارگاہ میں قبول فرما۔" ہر بار سورۃ رحمٰن کی تلاوت کرتے ہوئے اس آیت کو پڑھتے ہوئے اس کا دل بے ساختہ دعا کرتا تھا' اس نے قرآن پاک بند کر کے سینے سے لگایا اور اردگرد دیکھنے لگی۔ ابھی سورج نہیں نکلا تھا لیکن اجالا ہو چکا تھا سورج نکلتا بھی تو پتا نہ چلتا کیونکہ دھند بے انتہا تھی۔ یہ دسمبر کا مہینہ اور برف باری کا موسم تھا' یہ کاغان کے ایک گاؤں کا پہاڑی علاقہ تھا یہاں زیادہ تر فارم ہاؤس بنے ہوئے تھے جہاں رونق ہمیشہ گرمیوں میں ہوتی تھی۔ وہ یہاں دو سال پہلے آئی تھی اس پہاڑ کے درمیانی حصے پر اس کے چاچو کا فارم ہاؤس تھا اور کافی بلندی پر صرف ایک گھر تھا' اسی گھر کے باعث یہاں بہت فاصلے تک کوئی گھر آباد نہ تھا کیونکہ لوگوں کا خیال تھا کہ وہ گھر آسیب زدہ ہے' جب وہ یہاں آئی تو اس کے آٹھ دن بعد پہلی بار وہ آدھے گھنٹے کی مسافت طے کر کے چوٹی پر آئی تھی اور اب جبکہ اسے یہاں آئے دو سال ہو چکے تھے تو وہ یہ مسافت پانچ منٹ میں بھی طے کر لیتی تھی ان پتھروں پر چلنے کی اسے عادت ہو چکی تھی' وہ دھیرے دھیرے نیچے اترتی رہی لکڑی کی باؤنڈری وال سے اندر آ کر جونہی اس نے گھر کے اندر قدم رکھا ٹھٹک کر رک گئی' اسے امید نہ تھی کہ وہ اٹھ چکے ہوں گے۔

"جانتی ہو آج یہاں درجہ حرارت کیا ریکارڈ کیا گیا ہے؟ مجھے پتا ہے وہ تمہارا پکنک پوائنٹ ہے مگر بندہ ٹائم بھی تو دیکھے۔" وہ خفا ہوئے۔

"پلیز چاچو...... کچھ نہیں ہوتا۔" بے فکری سے جواب دیتے اس نے چائے کا پانی چولہے پر رکھا۔

"لیکن وہ گھر جانتی ہو ناں اس کے متعلق کیا کیا مشہور ہے۔"

"اُفوہ آپ کب سے ان واہیات باتوں پر یقین کرنے لگے۔" وہ چڑی۔

"یقین کرتا تو تم وہاں کبھی نہیں جاتیں۔" وہ بھی چڑ کر بولے تب وہ مسکرائی۔

"آپ بہت اچھے اور نیک انسان ہیں' اللہ تعالیٰ پر یقین رکھتے ہیں۔ جانتے ہیں زندگی اور موت اللہ کی طرف سے ہے اور یہ آسیب وغیرہ کچھ نہیں ہوتے۔" وہ چائے کپوں میں ڈال کر لے آئی' ان کا کپ ان کے سامنے رکھ کر وہ اپنے کمرے کی طرف آ گئی اور چائے پیتے ہی سو گئی۔ آٹھ بجے اٹھی اور چاچو کو بھی اٹھایا' ناشتا بنا کے چاچو کے ساتھ ناشتا کر کے وہ صفائی کرنے لگی جبکہ چاچو اپنے کلینک چلے گئے اور صفائی کے بعد وہ اپنی پکنک کی تیاری کرنے لگی اور تھوڑا بہت سامان لے کر وہ واپس اسی جگہ آ گئی جہاں کچھ دیر پہلے آنے کی وجہ سے چاچو نے سوال اٹھایا تھا۔

"کتنا خوب صورت گھر ہے پتا نہیں آباد کیوں نہیں ہوتا۔" اس پہاڑ پر اور اس کے اردگرد تقریباً ہزار پندرہ سو لوگ آباد ہوں گے لیکن وہ آبادی نشیب میں تھی یہ پہاڑ آباد نہیں تھا۔ لوگوں کا خیال تھا یہ گھر آسیب زدہ ہے' گاؤں کے لوگوں نے یہاں بڑی عجیب عجیب سی چیزیں دیکھی تھیں اب تو عرصہ گزرا یہاں کوئی آتا بھی نہیں تھا البتہ شہر سے آنے والے ضرور یہاں آتے تھے۔

وہ یہاں دو سال سے تھی مگر اس نے کبھی کچھ نہ دیکھا اور نہ ہی محسوس کیا تھا' یوں بھی وہ ایک پڑھی لکھی باشعور ڈاکٹر تھی' ان چیزوں کے وجود سے انکاری نہیں تھی مگر یہ طے تھا کہ اس گھر میں کوئی آسیب نہیں تھا۔

"بس......" وہ کتاب پر نظریں جمائے ہوئے تھی موبائل کی آواز پر چونکی۔

"سعدیہ آئی ہے اپنی شادی کا بلاوا دینے تم سے بات کرنا چاہتی ہے۔" اس نے ایک گہرا سانس لیا' سعدیہ چاچو کے کلینک کی نرس تھی۔

"السلام علیکم! سعدیہ کیسی ہو؟"

"وعلیکم السلام! میں ٹھیک ہوں آپ کیسی ہیں؟"

"فٹ فاٹ۔" وہ مسکرائی۔

"اللہ آپ کو اور فٹ فاٹ رکھے' میں نے آپ کو اس

لیے فون کیا ہے کہ میں اپنی شادی کا کارڈ لائی ہوں ڈاکٹر صاحب معذرت کررہے ہیں لیکن آپ کو آنا ہوگا۔"

"چاچو کیوں منع کررہے ہیں؟" میں حیران ہوئی۔

"ان کا خیال ہے کہ آدمی کو بارات اور ولیمے میں شرکت کرنی ہوتی ہے' یہ مہندی مایوں وغیرہ لڑکیوں کے لیے ہے۔" سعدیہ ہنسی تو وہ بھی مسکرادی۔

"اوکے' ان شاء اللہ ہم ضرور آئیں گے تمہاری شادی میں' کب ہے شادی؟"

"شادی تو ہفتہ کو ہے لیکن میں بدھ کو مایوں بیٹھ رہی ہوں اور آپ بدھ سے آجائیں۔"

وہ جانتی تھی کہ چاچو نے ہی سعدیہ سے زبردستی اسے بلانے کے لیے کہا ہوگا سعدیہ سے اس کی کافی دوستی تھی مگر اس طرح اس کے گھر جاکر رہنا اچھا نہ لگ رہا تھا مگر چاچو چاہتے تھے کہ وہ بھی لوگوں کے درمیان رہا کرے' ہر وقت کی تنہائی سے کہیں وہ پاگل نہ ہوجائے' وہ چاہتے تھے کہ وہ روزان کے ساتھ کلینک آئے مگر وہ اس بات کے لیے قطعی تیار نہ تھی۔

❁......❁......❁

"سعدیہ سے آپ نے کیوں نہیں کہا' میں بھی بارات والے دن ہی آؤں گی۔" وہ جونہی گھر میں داخل ہوئے وہ خفگی سے بولی۔

"بھئی وہ ضد کررہی تھی۔" وہ صوفے پر بیٹھ کر اپنے جوتے اتارنے لگے۔

"چاچو آپ کو پتا تو ہے مجھے عجیب فیل ہوتا ہے اتنے لوگوں کے بیچ اور......"

"اکیلے رہنے کی اتنی عادت مت ڈالو میری بچی۔" انہوں نے اتنی افسردگی سے کہا کہ ایک پل کے لیے وہ چپ رہ گئی۔

"پلیز چاچو...... میں ٹھیک ہوں۔" وہ نہیں چاہتی تھی کہ پھر کوئی مصیبت کھڑی ہو' لڑکیوں کو اپنے حسن پر ناز ہوتا ہے' مگر اسے ڈر لگتا تھا خود سے' اپنے حسن سے' اس کا بس چلتا تو وہ اپنا حسین چہرہ بگاڑ لیتی' وہ ایسا نہیں کرسکتی تھی تبھی اس نے علیحدگی اختیار کرلی تھی۔

"بس اب تم تیاری کرو میں نے اس سے وعدہ کرلیا ہے کہ تم آؤ گی۔" انہوں نے کہا تو وہ لب بھینچ کر رہ گئی اور تیسرے دن ناچاہتے ہوئے بھی اسے سعدیہ کے گھر جانا پڑا' اس کے رشتہ داروں سے پورا گھر بھرا ہوا تھا' گھر کی بزرگ خواتین کو سلام کرکے ان کی دعائیں لے کر وہ سعدیہ کے پاس چلی آئی۔ یہاں زنان خانے اور مردان خانے الگ الگ تھے' وہ کافی ریلیکس فیل کررہی تھی کچھ دیر بعد سعدیہ کے سسرال والے آگئے اس نے سعدیہ کی مایوں کی رسم کو بہت انجوائے کیا حالانکہ وہ سب سے الگ کھڑی تھی۔ سعدیہ کی بہن کے مجبور کرنے پر وہ رسم کرکے سعدیہ کی دادی کے پاس آبیٹھی تھی وہ اپنی پوتی کی شادی پر بے حد خوش تھیں۔ دوسرے دن وہ لوگ صبح دس بجے لڑکے والوں کے گھر کے لیے روانہ ہوئے' برف باری کے باعث ٹھنڈ بے حد بڑھ گئی تھی۔ اس نے ویلوٹ کے سوٹ پر اوورکوٹ پہنا تھا' سعدیہ اور اس کی کزنز کے کہنے پر اس نے بال شانوں پر پھیلا لیے تھے۔

"واؤ آپ کے بال بہت لمبے اور خوب صورت ہیں' آپ تو بہت کیئر کرتی ہوں گی۔" سعدیہ کی ایک کزن کے کہنے پر وہ چونکی' کچھ سال پہلے اس کے بال شولڈر سے ذرا نیچے تھے اس کے بال بڑی تیزی سے بڑھتے تھے۔ ماما ہر ماہ اس کے بالوں کی کٹنگ کرواتی تھیں' ماما کے بعد تو اسے اپنی جان کی پروانہ تھی پھر بھلا بالوں کا خیال کہاں رکھتی اور اب اس کے بال کمر سے بھی نیچے آرہے تھے۔

وہ چپ چاپ گاڑی میں آبیٹھی شیشے بند ہونے کے باوجود اسے محسوس ہورہا تھا ہوا کہیں سے کانوں میں داخل ہورہی ہے' اس نے فوراً اوورکوٹ کی جیب سے کیپ اور دستانے نکال کر پہن لیے۔

"دو سال سے یہاں ہیں پھر بھی سردی کی عادی نہیں ہوئیں آپ۔" سعدیہ کی بہن نادیہ نے مسکرا کر اسے دیکھا وہ خود اور بہت سے لوگ ہلکی پھلکی جیکٹ میں تھے۔

"میں کسی کی بھی عادی نہیں ہوتی۔" اسے کوئی یک دم یاد آیا تھا' وہ لب بھینچ کر کھڑکی کے باہر دیکھنے لگی۔ گاڑی کے اندر لڑکیوں نے بہت شور شرابہ کررکھا تھا لیکن اس کے اندر تنہائی بڑھتی جارہی تھی وہ اردگرد سے بالکل بے نیاز ہوگئی تھی۔

"آؤچ......" گاڑی کو اچانک سے جھٹکا لگا اور وہ رک گئی لیکن ان سب کی چیخیں بے ساختہ تھیں۔

"یا اللہ رحم۔" سب ہی خواتین دعائیں کرنے لگیں پھر پچھلی طرف کا دروازہ کھلا اور ایک لڑکا اندر آیا۔

"گاڑی خراب ہوگئی ہے' ہم لوگ کچھ کرتے ہیں آپ لوگ پریشان مت ہوں۔"

"جی بیٹا۔" سعدیہ کی امی نے جواب دیا وہ لڑکا سعدیہ کی خالہ کا بیٹا تھا' باقی مرد حضرات الگ گاڑی میں تھے ان کے ساتھ ڈرائیور کے علاوہ دو ہی مرد تھے ایک سعدیہ کا بھائی اور دوسرا یہ کزن۔

"واؤ دیکھو تو سب کتنا خوب صورت منظر ہے۔" لڑکیوں نے کھڑکیوں کے پردے کھینچے تو جیسے مبہوت رہ گئیں' وہ سب اس وقت ایک پہاڑ کی نشیب میں موجود تھے اوپر پہاڑ پر جنگل آباد تھا اور اس کے درمیان ایک آبشار بہہ رہی تھی۔

"چلو جب تک گاڑی صحیح نہیں ہوتی ہم لوگ گھوم پھر کے آتے ہیں۔" کسی لڑکی نے کہا اور وہ سب تیار ہوگئیں۔

"سب لوگ اتنا پریشان ہیں اور تم لوگوں کو گھومنے پھرنے کی پڑی ہے۔" سعدیہ کی پھوپو نے سب کو ڈانٹا۔

"میں لالہ سے کہتی ہوں وہ ہمیں گھمانے لے جائیں گے۔" سعدیہ کی خالہ کی بیٹی نے کہا اور اس کے برابر بیٹھی نادیہ نے باہر کھڑے اپنے کزن کو پکارا' وہ چونک کر پلٹا پھر ان کے قریب آگیا۔

"لالہ...... ہم یہ جگہ دیکھنا چاہتے ہیں جبکہ سب بڑے منع کررہے ہیں۔" نادیہ نے منہ بسورا تو وہ ذرا سا مسکرایا۔

"موورے میں ان سب کو یہ جگہ گھما کر لاتا ہوں۔" سب لڑکیاں اس کے اشارے پر اٹھ کھڑی ہوئیں اور ایک ایک کرکے نیچے اتر گئیں۔

"آپ نہیں جائیں گی۔" وہ جو اپنے ہی خیالوں میں گم تھی چونک کر مڑی وہ اس سے ایک سیٹ کے فاصلے پر کھڑا تھا اس نے نفی میں سر ہلایا اور پھر باہر دیکھنے لگی۔

"آپ زندگی کو بھرپور طریقے سے کیوں نہیں گزارتیں' انجوائے کیا کریں۔ ابھی خود پر زندگی کا وہ حصہ کیوں طاری کرلیا ہے جس میں زندگی ہمیں گزارتی ہے۔" اس نے دوبارہ حیرت سے مڑ کر اس شخص کو دیکھا جس کا وہ نام تک نہیں جانتی تھی۔

"آپ کیسے میرے بارے میں یہ رائے دے سکتے ہیں' آپ مجھے جانتے ہی کتنا ہیں۔"

"ہمارے گھر کی بزرگ خواتین اکثر آپ کا ذکر کرتی ہیں۔" اس کے لبوں پر شریری مسکراہٹ تھی وہ کچھ کہہ نہ سکی۔

"آپ ان کے ساتھ جائیں' آپ جیسی سمجھ دار اور بردبار شخصیت کا ان کے ساتھ ہونا ضروری ہے۔"

"آپ جا تو رہے ہیں کافی ہے۔" کہہ کر وہ کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی لڑکیاں پہاڑ پر چڑھ چکی تھیں۔

"میں نیچے ہوں کسی گاڑی سے ہیلپ لوں گا۔" کہہ کر وہ اتر گیا اور عین اس کی نظر کے سامنے کھڑا ہوگیا' وہ غصے سے منہ پھیر کر اندر دیکھنے لگی۔

"ارے بیٹا تم نہیں گئیں؟" سعدیہ کی امی کی اچانک اس پر نظر پڑی۔

"نہیں آنٹی میرا دل نہیں چاہ رہا تھا۔"

"ایسے نہیں کہتے بیٹا' ابھی تمہاری عمر ہی کیا ہے' جاؤ سب کے ساتھ گھومو پھرو۔" اس کی خالہ محبت سے بولیں۔

وہ ناچار اٹھی اور دروازے تک آئی تو تیز ہوا کے جھونکے نے اس کا استقبال کیا' بال اور دوپٹہ دونوں ہوا کے سنگ اڑے تھے اس نے صرف دوپٹہ سنبھالا تھا۔ اس کی نظر گاڑی سے ٹیک لگائے اسفند پر پڑی اس کے لبوں پر شریری مسکراہٹ تھی وہ پیر پٹختے ہوئے گاڑی سے اتری

اور تیزی سے روڈ کراس کیا مگر ابھی وہ سڑک کے وسط میں تھی کہ نجانے کہاں سے ایک جیپ نمودار ہوئی۔

"اُف......" وہ آگے پیچھے ہونے کے بجائے وہیں آنکھیں بند کرکے کھڑی ہوگئی' جیپ والے نے بمشکل ہی بریک لگا کر اسے بچایا تھا۔ اگلے پل اس نے آنکھیں کھولیں خود کو سلامت پاکر اس نے اپنے اڑتے ہوئے بالوں کو سمیٹا اور روڈ کراس کرکے پہاڑ پر آگئی۔ جیپ رینگنے کے انداز میں چل رہی تھی شاید اس کا ڈرائیور ابھی تک نارمل نہ ہوسکا تھا اسفند جو پریشان ہوا تھا اب مسکرا کر اسے جاتا دیکھ رہا تھا۔

"لالہ...... اس جیپ والے سے لفٹ لے رہے ہیں۔" وہ اوپر آچکی تھی جب اس نے اسفند کی بہن کی آواز سنی مگر اس نے مڑ کر نہ دیکھا اسفند اس کے ساتھ جاکر ایک مکینک لے آیا اور تین گھنٹے کے سفر کو پانچ گھنٹے میں مکمل کرکے وہ لوگ دلہا کے گھر پہنچ گئے۔ ان کی گاڑی اندر پنڈال میں جاکر رکی تھی جہاں صرف خواتین تھیں وہاں ان کا شاندار استقبال ہوا وہ ایک طرف جاکر بیٹھ گئی۔

"آپ کو امی بلا رہی ہیں' وہ آپ کو رسم دکھانا چاہتی ہیں۔"

"نادیہ پلیز میں یہیں ٹھیک ہوں۔" نادیہ اس سے ضد کرتی مگر بھلا ہو اس کی کزن کا جس نے آواز دی وہ "میں آتی ہوں" کہہ کر چلی گئی تو اس نے ایک گہرا سانس لیا۔

"آپ کون ہیں؟" اس نے چونک کر سائیڈ پر بیٹھی لڑکی کو دیکھا۔

"دلہن کی طرف سے ہوں۔"

"آپ ان کی رشتہ دار تو نہیں لگتیں۔"

"دلہن میری دوست ہے۔"

"فضول' میں آپ کو دیکھ رہی تھی مجھے آپ کہیں سے بھی ان لوگوں کے جیسی نہیں لگ رہی تھیں یقیناً آپ کراچی' لاہور یا پھر اسلام آباد سے ہوں گی۔" لڑکی کے اتنے ٹھیک قیاس پر وہ دھیرے سے مسکرا دی۔

"لیکن سعدیہ سے آپ کی دوستی کیسے ہوئی؟"

"وہ میرے چاچو کے کلینک میں کام کرتی ہے۔"

"ڈاکٹر تیمور سبحانی۔ آپ ان کی بھتیجی ہیں؟" لڑکی نے چونک کر کہا تو وہ حیران ہوئی۔

"آپ چاچو کو جانتی ہیں؟"

"جی' میرے بچے اگر گاؤں آکر بیمار ہوجائیں تو ... ڈاکٹر تیمور سبحانی کے پاس آتی ہوں' انہوں نے بتایا تھا ... ان کی بھتیجی بھی ڈاکٹر ہے کیا آپ ہی وہ بھتیجی ہیں؟"

"جی۔"

"میں وہاں آئی تو میں آپ کے گھر ضرور آؤں گی۔"

"جی ضرور۔" وہ مسکرا دی پھر وہاں سے واپسی تک ... اس کے ساتھ رہی۔ تیسرے دن بارات اور چوتھے ... ولیمے کی تقریب سے فارغ ہوکر وہ صبح فجر کے وقت ... اٹھا کر کھڑی ہوگئی۔

"ارے بیٹا دن تو نکلنے دو۔" سعدیہ کی امی اس کی ... بازی پر پریشان ہوئیں۔

"آنٹی میں چلی جاؤں گی کوئی دور تھوڑی جانا ہے۔"

"بیٹا پہاڑ کے اوپر چڑھنا ہوتا ہے اسی لیے ... چلنا ورنہ راستہ بہت لمبا ہے اور اس وقت تو اندھیرا ... ہے میں تمہیں اکیلا کیسے بھیج سکتی ہوں۔"

"آنٹی کوئی مسئلہ نہیں ہوگا آپ جانتی تو ہیں۔" ... بضد ہوئی۔

"ان پہاڑوں کی عادی میں تم سے زیادہ ہوں پھر بھی ... میں یہ پسند نہیں کروں گی کہ نادیہ کو اتنی صبح کہیں بھیجوں ... تم تو میری بیٹی ہو۔"

"مجھے ان پہاڑوں کی عادت نہیں ہوئی' مجھے کسی چیز کی ... عادت نہیں ہوتی۔" اس نے سوچا۔

"میں چھوڑ آتا ہوں۔" اسفند نماز ادا کرکے اسی وقت آیا تھا۔

"جاؤ اسفند کے ساتھ چلی جاؤ۔" انہیں معلوم تھا کہ ... اب رکے گی نہیں۔

"میں چلی جاؤں گی۔" وہ اس کے ساتھ جانا ہی نہیں چاہتی تھی مگر آنٹی اس کی سنے بغیر اندر چلی گئیں۔

"میں لڑکیوں کا اکیلے آنا جانا پسند نہیں کرتا۔" وہ اس کا بیگ اٹھا کر آگے چل پڑا۔

"اور میں کسی اجنبی کے ساتھ آنا جانا پسند نہیں کرتی۔" اس نے آگے بڑھ کر اپنا بیگ اس سے چھیننے کے انداز میں لیا اور اس کے ایک قدم آگے چلنے لگی۔

"ساتھ چلیں گی تو جان بھی لیں گی۔" اس کے لہجے میں کئی معنی پنہاں تھے وہ لب بھینچ کر رہ گئی اس کے لیے شاید کوئی نئی مصیبت کھڑی ہونے والی تھی۔

"میں آرمی میں کیپٹن ہوں' دعا کیجیے گا ترقی ہوجائے۔" وہ کچھ بھی بولے بنا چلتی رہی باقی راستے وہ چپ رہا۔

"اندر آئیں۔" اس نے لکڑی کی اس باؤنڈری وال کا دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔

"آنا تو ہے لیکن ابھی نہیں۔" وہ مسکرا کر شوخ نظروں سے اسے دیکھتا پلٹ گیا' اسے لگا جیسے فضا اب پُرسکون ہوئی ہو ایک گہرا سانس سینے سے خارج کرکے وہ خود کو ہلکا پھلکا محسوس کررہی تھی کہ اچانک ایک آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی۔

"تو یہ وقت ہے آپ کے ظاہر ہونے کا۔" وہ چونک کر پلٹی اور سن رہ گئی وہ شخص اس کے اتنے قریب کھڑا تھا کہ اس کا اڑتا دوپٹہ اس شخص کا چہرہ ڈھانپے ہوئے تھا۔

"میں ایک انسان ہوں' امریکہ سے آیا ہوں۔" اس شخص نے اس کا دوپٹہ اپنے چہرے سے سمیٹتے ہوئے اپنی مٹھی میں قید کرلیا۔

"آسیب وغیرہ پر یقین نہ رکھنے کے باوجود میں یہ سمجھتا تھا کہ آسیب کوئی بدشکل روح ہوتی ہے مگر......" وہ رک کر اسے بغور دیکھنے لگا۔ "آپ تو کوئی حور یا پری لگ رہی ہیں' ویسے آپ لوگوں کو ڈرا کر یہاں اکیلی رہتی ہیں یا پوری فیملی ہے۔ پہلے مجھے لگتا تھا کہ آسیب وغیرہ کو سردی گرمی نہیں لگتی ہوگی مگر آپ تو اتنے گرم کپڑوں میں ہیں۔ مجھے تو آپ لوگوں کے بارے میں یہ بھی معلوم ہے کہ آپ ... کا خون بہت شوق سے پیتے ہیں ویسے آپ کون سا بلڈ

آنچل کی جانب سے ایک اور آنچل

امید اور ناامیدی کے درمیان پرورش پاتی حسین داستانیں

ماہنامہ حجاب کراچی

شائع ہوگیا ہے

محبت' نفرت کی آمیزش سے مزین ناقابل فراموش کہانیاں

میرے خواب زندہ ہیں

محبت و بے وفائی مرد کا شیوا ہے، وہ اس میں کسی مقام تک جاسکتا ہے، نادیہ فاطمہ رضوی کی خوب صورت تحریر

شب آرزو تیری چاہ میں

محبت وجذبات اور خودسری کا اثر لیے ایک پراثر دلکش تحریر نائلہ طارق کے قلم کا ایک نیا انداز، ایک نئی کہانی

عشق دی بازی

خاندانی رسم ورواج کس طرح لڑکیوں کو باغی کرتا ہے ریحانہ آفتاب کے نوک قلم سے نکلی ایک خوب صورت تحریر

اس کے علاوہ دنیا ادب کے نئے ستارے ہر ماہ اس میں شامل ہیں

خوب صورت اشعار منتخب غزلوں اور اقتباسات پر مبنی مستقل سلسلے

Infoohijab@gmail.com

021-35620771/2

0300-8264242

گروپ پیتی ہیں۔"

"آپ کون ہیں؟" وہ بمشکل بولنے کے قابل ہوئی۔

"سریلے نغموں جیسی آپ کی آواز ہے ویسے میرا نام وریام کپور ہے میں امریکہ سے یہاں گھومنے پھرنے آیا ہوں سارا دن تو گھومنے پھرنے میں گزر جائے گا رات کو گھر آؤں گا پلیز آپ سے ریکوئسٹ ہے کہ رات کو ذرا بھی کھٹ پٹ مت کیجیے گا میں مکمل خاموشی میں سونے کا عادی ہوں اور آپ بھی اطمینان رکھیں میں آپ کو ہرگز تنگ نہیں کروں گا ویسے آپ کا نام کیا ہے کیا آپ کی طرح اور بھی آسیب ہیں یہاں وہ کب ظاہر ہوتے ہیں؟"

وہ بے حد اشتیاق سے پوچھ رہا تھا وہ یک دم سائیڈ سے نکل کر بھاگتی ہوئی نیچے کی طرف آنے لگی۔

"ارے ارے...... سنیں تو...... آپ کے ظاہر ہونے کا وقت یہی ہے ناں۔" وہ اس کے پیچھے زور سے چیخا۔ وہ تیز تیز قدموں سے گھر کی طرف آئی کہ دروازہ کھلا دیکھ کر چونک گئی۔

"دروازہ کیوں کھول رکھا ہے آپ نے۔"

"مجھے پتا تھا تمہارے نازل ہونے کا وقت ہوگیا ہے۔" چاچو مسکرائے۔

"میں انسان ہوں آیا جایا کرتی ہوں یہ ظاہر ہونا نازل ہونا کیا ہے؟" وہ بری طرح چڑ گئی۔

"کیا ہوا مرچیں کیوں چبا رہی ہو؟" چاچو حیران ہوئے۔

"پتا نہیں وہ اوپر کون پاگل آ گیا ہے مجھے آسیب سمجھ رہا ہے اللہ کرے آسیب اسے اتنا تنگ کریں وہ آج ہی بھاگ جائے۔" اس نے باقاعدہ ہاتھ اٹھا کر دعا کی۔

"وریام کی بات کر رہی ہو وہ پچھلے چار دن سے یہیں ہے۔" چاچو ہنسے۔ "بڑا اچھا ہنس مکھ اور ملنسار ہے امریکہ سے آیا ہے اپنے دوست کے ساتھ چھ مہینے یہاں رہے گا اگر اس کا جانے کا دل ہوا تو اس کا دوست اس کے ساتھ جائے گا جبکہ اس کے دوست کا خیال ہے کہ یہاں اس کا دل ایسا لگے گا کہ وہ کبھی جانے کا نام نہیں لے گا۔"

"یہ پاگل امریکہ سے آیا ہے لگتا تو نہیں۔" اس نے منہ بنایا۔

"وہ جانتا ہے تم میری بھتیجی ہو۔" چاچو مسکرائے۔

"کیسے؟" وہ چونکی۔

"روز آتا ہے وہ یہاں میرے ساتھ گپ شپ کرتا ہے اور لاؤنج میں ہماری تصویریں ہیں سو اس نے تمہیں دیکھا ہوا ہے۔" چاچو مسکرائے اور اس کا خون کھول اٹھا۔

"یہ جان کر بھی کہ میں کون ہوں اس نے مجھ سے اس قدر گھٹیا باتیں کی۔"

"کیا کہا؟" چاچو چونکے۔

"ایڈیٹ مجھ سے کہہ رہا تھا کہ کیا یہ وقت ہے آپ کے ظاہر ہونے کا اسٹوپڈ کہیں کا مجھ سے پوچھ رہا تھا میں کون سا بلڈ گروپ پیتی ہوں اور نان سینس مجھے بتا رہا تھا کہ میں مکمل خاموشی میں سونے کا عادی ہوں رات کو کھٹ پٹ نہیں کیجیے گا۔" چاچو اس کی بات سن کر کھلکھلا کر ہنس دیے۔

"چاچو بہت مزہ آ رہا ہے اس کی باتیں سن کر۔" وہ بری طرح تپ گئی۔

"آؤ آؤ وریام۔" چاچو کی آواز پر اس نے پلٹ کر دیکھا وہ دروازے پر کھڑا مسکرا رہا تھا۔

"بھئی کیا کہہ دیا تم نے میری بیٹی کو وہ بہت غصہ ہو رہی ہے۔"

"آئی ایم سوری میں تو یونہی مذاق کر رہا تھا۔" اس کے چہرے پر صاف لکھا تھا کہ وہ اپنے اس مذاق کو بے حد انجوائے کر رہا ہے۔

"اس سے ملو یہ ہے وریام کپور اور وریام یہ میری بھتیجی ہے اوزگل۔" چاچو نے بیک وقت دونوں کو مخاطب کیا۔

"ہیلو بہت خوشی ہوئی آپ سے مل کر۔" وریام مسکرایا لیکن وہ اندر تک سلگ گئی جواباً کچھ کہنے کے بجائے اسے گھورتی رہی۔

"آؤ بیٹھو وریام اتنی ٹھنڈ میں ہم اوزگل کے ہاتھ کی چائے پیتے ہیں۔" چاچو نے کہا تو وہ اطمینان سے بیٹھ گیا

اوراس نے پلٹ کر چاچو کو گھور کے دیکھا اور پیر پٹخ کر اندر چلی گئی۔

"وہ شاید برا مان گئی ہیں مجھے ایسے نہیں کرنا چاہیے تھا۔"

"وہ تمہاری باتوں کا نہیں تمہاری آمد کا برا مان گئی ہے۔" ان کے لہجے میں دکھ اتر آیا۔

"میرے آنے کا......!" وہ بری طرح چونکا۔

"ہاں اصل میں اسے تنہا رہنے کی عادت ہے اور اس کا ساتھی وہ پکنک اسپاٹ ہے جہاں اب تمہارا ڈیرہ ہے۔"

"ارے وہ لوگوں کے بجائے جگہ سے محبت کرتی ہیں۔" وہ حیران رہ گیا تو چاچو افسردگی سے مسکرائے۔

"وہ ہمیشہ سے یہیں ہیں؟"

"نہیں دو سال پہلے ہی ہم یہاں آئے ہیں۔"

"اچھا۔" وہ لمحہ بھر کو رکا۔ "آپ ان سے کہہ دیں میں جلد ہی یہاں سے چلا جاؤں گا۔" وہ انہیں وضاحت کے ساتھ یقین دلا رہا تھا کہ وہ یہاں سے چلا جائے گا' وہ دھیرے سے مسکرائے۔

"ڈونٹ وری وریام وہ اب تمہارا گھر ہے تم کسی کی بھی وجہ سے کبھی اس گھر کو مت چھوڑنا۔" انہوں نے کہا تو وہ مسکرا دیا۔

"آپ کی چائے نہیں آئے گی میں چلتا ہوں۔"

"ارے بیٹھو ناں۔"

"نہیں پلیز رہنے دیں میں چائے اتنی صبح پیوں گا بھی نہیں۔" وہ چلا گیا اور وہ آٹھ بجے اپنے روم سے نکلی تو چاچو نے خفگی سے اسے دیکھا۔

"یہ کیا حرکت تھی اوزگل' وہ بچہ کتنی دیر بیٹھا رہا۔" وہ جواباً خاموشی سے ناشتا تیار کرتی رہی' ٹیبل پر لگایا ہی تھا کہ دروازہ پر ہوتی دستک پر وہ چونک گئی' اتنی صبح ان کے گھر آج تک کوئی نہ آیا تھا۔ چاچو نے اٹھ کر دروازہ کھولا تو وہ وریام کپور کو دیکھ کر حیران رہ گئی اسے لگا تھا وہ اب کبھی ان کے گھر نہیں آئے گا۔

"میں نے سوچا اتنی ٹھنڈ میں اچھی سی چائے پی جائے۔" وہ شرارتی سے انداز میں اس کی جانب دیکھ کر مسکرایا اس کا جی چاہا چائے کی کیتلی اٹھا کر اس کے منہ پر دے مارے وہ اطمینان سے چیئر گھسیٹ کر بیٹھ گیا تو چاچو نے اوزگل کا کپ اس کے آگے کر دیا اور وہ بدتمیزی کی حدیں پار کرتا اس کے آگے رکھا پراٹھا بھی اٹھا چکا تھا۔ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ ہمیشہ سے ان لوگوں کے ساتھ رہتا آیا ہو وہ جل کر کوئلہ ہو گئی اندر تک' ناشتا کر کے وہ اور چاچو چلے گئے اور وہ بولائی سی پورے گھر میں پھرتی رہی جیسے کسی نے اسے قید کر دیا ہو وہ کرسی اٹھا کر باہر صحن میں لے آئی مگر اس کا دل تھا کہ کہیں نہیں لگ رہا تھا یوں لگ رہا تھا جیسے وہ سچ مچ قید کر دی گئی ہو۔

اسے اپنی تنہائیوں سے محبت تھی اور اب اسے لگ رہا تھا کوئی زبردستی اس کے اور تنہائی کے بیچ آنے کی کوشش کر رہا ہے' پہلے اسفند اور اب یہ وریام جو مستقل اس کے سر پر تلوار بن کر لٹک رہا تھا۔

"اللہ مجھے نہیں رہنا لوگوں کے بیچ میں۔" وہ یک دم رونے لگی' بہت دیر تک رونے سے اس کے دل کا بوجھ ہلکا ہوا۔ وہ وریام کے گھر بہت دیر تک رہی لیکن وریام نہیں آیا اور وہ شام کو اس کے گھر بھی نہیں آیا حالانکہ وہ شام کو اس کی منتظر تھی۔ وریام نجانے کہاں تھا جو اس روز کے بعد سامنے نہیں آیا اور چاچو نے بھی اس کا ذکر نہیں کیا تھا۔

"تم آج کل کی نوجوان نسل اپنے بڑوں کی بات پر بالکل کان نہیں دھرتے۔" چاچو بولتے ہوئے اندر آئے تو وہ چونکی۔

"کیوں میں نے آپ کی کون سی بات نہیں مانی؟"

"ارے یہ میں وریام سے کہہ رہا ہوں' دیکھو تو ذرا اسے کتنا تیز بخار ہو رہا ہے' اتنی بار کہا ہے یہ کاغان ہے گرم کپڑے پہن کر گھومنے کی زحمت کرو مگر اس کا خیال ہے وہ امریکہ سے آیا ہے وہاں بھی اتنی ہی ٹھنڈ ہے مگر دیکھو ہو گیا ناں بیمار اور اب ضد کر رہا ہے کہ میں اسے یہاں نہ لاؤں بھئی اوپر جا کر دیکھ بھال کرنا مجھ بوڑھے ڈاکٹر کے بس کی بات نہیں ہے۔" اور وہ لب بھینچے وریام کپور کو دیکھ رہی تھی

...ب گرا تب گرا" والی حالت میں تھا چاچو اسے اپنے کمرے میں لے گئے کچھ دیر بعد اسے آرڈر کیا کہ وہ کچھ ہلکی سی غذا لے آئے۔ وہ چپ چاپ کچن میں چلی گئی اس کے لیے کھانا تیار کر کے وہ ٹرے میں رکھ کر چاچو کے کمرے میں آئی چاچو نے زبردستی وریام کو کھلایا اور دوا دی تو کچھ دیر بعد وہ سو گیا۔ دوسرے دن کا سورج بھی غروب ہو گیا۔

"چاچو اس کے دوست کو بلائیں وہ اسے کسی بڑے ہسپتال لے جائیں۔" چاچو تو پریشان تھے لیکن وہ پہلی بار پریشان ہوئی' چاچو لب بھینچ کر رہ گئے اس کی حالت واقعی خراب تھی وہ اپنے کمرے میں چلی گئی اور رات کو اس کی آنکھ کھلی تو اسے چاچو کا خیال آیا وہ کل بھی ساری رات وریام کی وجہ سے نہیں سوئے تھے' وہ چاچو کے کمرے کی طرف نکل آئی۔

"انکل پلیز آپ سو جائیں مجھے اچھا نہیں لگ رہا اس طرح آپ میرے لیے جاگ رہے ہیں۔"

"میں تم سے کہہ رہا ہوں ناں' تم آرام سے لیٹے رہو نہ زیادہ باتیں کرو اور نہ اٹھ کر بیٹھو۔" وہ ایک گہرا سانس لے کر پلٹ آئی' صبح بخار کا زور ٹوٹ چکا تھا' اس نے ناشتا تیار کیا چاچو نے وریام کو ناشتا کروا کے دوائی کھلائی۔

"وریام...... تم آرام کرو میں ذرا کلینک کا چکر لگا کر آتا ہوں۔"

"انکل میں اوپر جا رہا ہوں' جب آپ آئیں گے تو آپ سے چیک اپ کروانے آ جاؤں گا۔"

"ابھی تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں' آج کے دن تم یہیں رہو کل چلے جانا۔"

"نہیں انکل پلیز' مجھے بالکل اچھا نہیں لگ رہا اس طرح آپ کے گھر رہنا۔"

"یہ کیا بات ہوئی بیٹا' مجھے بہت برا لگ رہا ہے۔"

"سوری انکل مگر پلیز آپ مجھے سمجھنے کی کوشش کریں۔" وہ شرمندہ ہوا۔

"او کے تم چلے جاؤ گھر' مگر صرف آرام کرنا تمہارے لیے کھانا ہم لے آئیں گے۔"

"انکل پلیز۔"

"دیکھو وریام' میں بھی سمجھ سکتا ہوں تمہیں یوں اس طرح ایک اجنبی گھر میں رہنا اچھا نہیں لگ رہا مگر ابھی تمہاری طبیعت اتنی ٹھیک نہیں' بے شک ہم ایک دوسرے کو زیادہ نہیں جانتے مگر انسانیت بھی تو کوئی چیز ہے۔ اب تم جاؤ اور آرام کرو۔"

"آپ کے اتنے بڑے احسان پر تو میں آپ کی فیس بھی نہیں پوچھ سکتا لیکن میں کسی کام آ سکوں تو پلیز مجھے اپنا سمجھ کر ضرور کہیے گا۔"

"ضرور بیٹا۔" چاچو نے مسکرا کر کہا اور دونوں باہر نکل گئے' آج وہ اپنے پکنک پوائنٹ پر نہیں جا سکتی تھی سو پورے گھر میں بولائی بولائی پھرنے لگی ایک بجے چاچو کا فون آیا۔

"وریام کی طبیعت کیسی ہے؟"

"مجھے کیا پتا۔" وہ حیران ہوئی۔

"کیا...... تم نے اس کے لیے کھانا نہیں پکایا' اسے دوائی نہیں کھلائی؟" چاچو اس سے بھی زیادہ حیران ہوئے۔

"لیکن آپ نے مجھ سے یہ سب کب کہا تھا۔"

"اللہ کا واسطہ ہے اوزگل' مت بھولو کہ تم ایک انسان ہو اور ایک انسان دوسرے انسان کے کام آتا ہے اور وہ بھی بغیر کہے سنے۔" چاچو نے قدرے جھنجھلا کر کہا۔

"او کے میں کھانا تیار کرتی ہوں۔" وہ ان کے غصے سے خائف ہوئی۔

"اسے کھلا بھی دینا مہربانی ہو گی۔"

"آپ کب آئیں گے؟" وہ منمنائی۔

"میں جلد ہی آ جاتا مگر ایک بچہ لایا گیا ہے جو پہاڑ سے گرنے کی وجہ سے کافی زخمی ہے اس کی بینڈیج کر کے فارغ ہوا ہوں اور ابھی اسی بچے کے پاس رہوں گا۔"

"جی ٹھیک ہے۔" اس نے فون بند کیا کچن میں آ کر اس کے لیے دودھ گرم کر کے تھرماس میں ڈالا اور بریڈ کے

ساتھ اس کی دوائیاں لے کر اوپر آ گئی۔ اس نے دروازہ بجانے کے لیے ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ دروازہ کھل گیا اور اس کی صورت دیکھتے ہی وہ سلگ اٹھی۔

"وہاں چاچو آپ کے لیے اتنے پریشان ہیں کہ آپ کی طبیعت کیسی ہے اور آپ......"

"رئیلی میں اب تک کمبل میں تھا بس بھوک لگی تو میں کچن کی طرف آ گیا' کھڑکی سے آپ پر نظر پڑی تو میں دروازہ کھولنے آ گیا۔" وہ شرمندہ ہوا کیونکہ وہ بغیر کسی گرم کپڑے کے تھا۔

"آپ کا کھانا اور دوائی۔" اس نے باسکٹ اس کی طرف بڑھائی۔ اس کا یہ کہنا کہ وہ بھوک لگنے پر کچن میں آیا تھا اوزگل کو شرمندہ کر گیا۔

"پلیز اندر آئیں۔" اس نے مروتاً کہا لیکن وہ اس خیال میں چلی آئی کہ وہ خود کچھ نہیں کر سکے گا اندر آ کر وہ چونک گئی وہ "ہٹ" اندر سے بڑا شاندار سیٹ تھا اس نے ٹیبل پر باسکٹ رکھ کر تھرماس نکالا اور مگ میں دودھ ڈال کر اور بریڈ پر مکھن لگا کر اس کے آگے رکھا' وریام نے ایک گہرا سانس لیا۔

"مجھے معلوم نہ تھا کہ آپ کا کھانا مجھے پکانا ہے۔" وہ کھڑی ہوئی۔

"میں معذرت خواہ ہوں' آپ کو میری وجہ سے زحمت ہوئی۔" وہ چہرے پر ناگواری سجائے وہاں سے پلٹ آئی۔ چاچو واپس آئے تو وریام ان کے ساتھ تھا' وہ کچن میں کھانا پکا رہی تھی چاچو اور وہ لاؤنج میں بیٹھ گئے اس نے چائے پکائی اور ان کے لیے لے گئی۔

"بیٹھو اوزگل۔"

"مجھے ابھی روٹی پکانی ہے۔"

"بیٹا ہم پچاس افراد نہیں ہیں جس کے لیے ابھی سے روٹی پکانی پڑے' بیٹھو وریام کی طبیعت آج بہتر ہے بے چارہ سارا دن اکیلا چپ رہا آؤ باتیں کرتے ہیں اس سے۔ پتا ہے بڑے مزے کی باتیں کرتا ہے یہ لڑکا۔" چاچو بولے اس دوران وہ اس کے چہرے پر بدلتے ہر رنگ کو بڑے غور سے دیکھ رہا تھا' جی میں آیا پلٹ جائے مگر جیسی بداخلاقی کا مظاہرہ وہ دوپہر میں کر چکی تھی اب چاچو کے سامنے نہیں کر سکتی تھی سو بیٹھ گئی۔ چاچو اس سے دیگر موضوعات پر بات کرتے رہے۔

صبح فجر کے وقت وہ اوپر آ گئی اور بہت دیر وہاں بیٹھ کر قرآن پاک کی تلاوت کرتی رہی جب سورج کے طلوع ہونے کا وقت ہوا تو وہ یک دم رک گئی اور قرآن پاک بند کر کے سینے سے لگایا اور جونہی جانے کے لیے پلٹی بری طرح چونک گئی وریام کپور اس سے ذرا فاصلے پر کھڑا تھا اس نے ناگواری سے اسے دیکھا اور پھر ایک طرف ہو کر چلی گئی۔ صبح چاچو ناشتا کر کے چلے گئے تو اس نے اپنا سامان اٹھایا اور پھر سے وہاں آ گئی' آج برف باری نہیں ہو رہی تھی مگر سردی شدید تھی۔

"ہائے۔" اسے وہاں ایک گھنٹہ ہو چکا تھا' اس نے چونک کر سر اٹھایا وریام کھڑا تھا۔

"کافی پلیز۔" اس نے ہاتھ میں پکڑا ایک مگ اس کی طرف بڑھایا اس نے نظریں ہاتھ میں پکڑی کتاب پر جمائیں' وہ چند لمحے اسے خاموشی سے دیکھتا رہا اوزگل کی لمحہ بہ لمحہ رنگت بدلتی رہی' ناگواری' غصہ' جھنجھلاہٹ وہ چیز تھی جو اس کے چہرے پر نمایاں نہ تھی۔ وہ سب تکلیف میں تھی۔

"اوزگل......"

"شٹ اپ...... جسٹ شٹ اپ...... چلے جاؤ یہاں سے تم' نہیں رہنا مجھے تم لوگوں کے بیچ۔ مت آؤ لوگ میری زندگی میں' مجھے میرے ساتھ رہنے دو۔ مت ستاؤ مجھے' تنہا چھوڑ دو مجھے...... چلے جاؤ یہاں سے تم۔" وہ یک دم ہسٹریک سی ہو گئی وریام کپور کو جھٹکا لگا۔

"اوزگل...... اوزگل پلیز ریلیکس...... یہ لیں پانی لیں۔" اس نے اس کی باسکٹ سے پانی کی بوتل نکال کر اس کی طرف بڑھائی' وہ لب بھینچے ہوئے تھا۔ اسے یہی لگ رہا تھا کہ اس لڑکی کے ساتھ کوئی نہ کوئی نفسیاتی پرابلم ضرور ہے' اس کا ماضی یقیناً کچھ ایسا تھا جس کی وجہ سے وہ تنہا تھی لیکن وہ وریام کپور' وہ ایسا کب تھا جتنے دن وہ اوزگل کو نظر نہیں آیا تھا اتنے دن وہ اپنے ہٹ میں رہ کر اسے دیکھتا رہا تھا' وہ ایسا کب تھا نظر باز' ویسے بھی اس کی اپنی زندگی میں مسائل بہت تھے لیکن اوزگل نے اسے اس کے محور سے کھینچ لیا تھا جسا اوزگل سے پہلی ملاقات پر اسے اپنے مذہب کے ساتھ جنموں والے عقیدے پر یقین آ گیا تھا وہ لڑکی اسے اس کے پچھلے جنم کی یادوں میں کھینچ رہی تھی مگر خود وہ لڑکی اس کی شکل برداشت کرنے کو تیار نہ تھی۔

"دفع ہو جاؤ' نہیں چاہیے مجھے تمہاری ہمدردی۔" اس نے جھٹکے سے بوتل والا ہاتھ جھٹکا اور اٹھ کھڑی ہوئی کیونکہ اسے لگا وہ ڈھیٹ بندہ وہاں سے نہیں جائے گا وہ وہاں سے بھاگ جانا چاہتی تھی' وہ تیزی سے مڑی۔

"تمہارا آج ورتھ ہے کیا؟" اس کی بات پر وہ حقیقتاً اچھل پڑی۔

"مائی فٹ۔" وریام کے چہرے کا رنگ تیزی سے بدلا وہ مڑ کر اپنا سامان وہیں چھوڑ کر بھاگتی ہوئی نیچے آ گئی گھر آ کر وہ بہت دیر تک سن سی رہی اور پھر بے اختیار رونے لگی۔ یہ کیا ہو گیا تھا وہ ایسی کیوں ہو گئی' کیا وہ نفسیاتی ہو گئی' تنہائی کی عادی ہو گئی مگر وہ تو کبھی کسی چیز کی عادی نہیں ہوئی۔ بہت وقت تو نہیں گزرا اس بات کو جب وہ بھی ہنس مکھ اور ملنسار ہوتی تھی اپنی عمر کے بیس سال اس نے لوگوں کے درمیان گزارے تھے صرف چند دنوں میں اس نے انسانوں کے ایسے ایسے روپ دیکھے کہ اسے انسانوں سے نفرت ہو گئی۔ وہ تنہا تھی اور آگے بھی زندگی تنہا گزارنا چاہتی تھی۔

❁......✿......❁

"کون ہے؟" دوسرے دن چاچو کے جانے کے بعد وہ صفائی کر رہی تھی کہ دروازے پر دستک ہوئی۔

"وریام کپور۔" دروازے کی طرف بڑھتا اس کا ہاتھ ساکت ہوا پھر اس نے ایک گہرا سانس لے کر دروازہ کھولا۔ وہ سامنے نہیں تھا' وہ چونکی وہ دروازے کی سائیڈ پر ٹیک لگائے دونوں ہاتھ سینے پر باندھے نجانے کہاں دیکھ رہا تھا۔

"جی...... فر...... فرمائیں۔" وہ چاہ کر بھی لہجے میں روانی نہ لا سکی۔

"وہ پکنک اسپاٹ کل سے آپ کی آمد کا منتظر ہے۔" اس نے اس کی طرف بغور دیکھا اس کا چہرہ اس کے اندر کی کوئی خبر نہ دے رہا تھا' اسے برا لگا یا نہیں کچھ بھی تو معلوم نہیں ہو رہا تھا اس کے چہرے سے' اتنا نارمل کہ کچھ بھی اندازہ کرنا مشکل تھا۔

"چلیں۔" وریام نے ابھی تک اس پر نظر نہیں ڈالی تھی اس نے سوچا آر یا پار جو بھی ہو کم از کم ہو جائے۔ یہ کچھ ہو جانے کا خوف اسے مار ڈالے گا' وہ اندر سے اپنا اوور کوٹ پہن کر باہر نکل آئی۔

"میں معذرت خواہ ہوں آپ سے' مجھے اس طرح آپ کے مذہبی رکن کے متعلق کہنے کا حق نہیں تھا مگر میں بہت...... اصل میں......" وریام کا چہرہ ہنوز نارمل تھا۔

"شاید اسے برا ہی نہیں لگا اور میں خوامخواہ پرسوں سے اتنی پریشان ہوں۔" اس نے سوچا' وہ لوگ اوپر آ گئے اور وہ قدرے چونکی کیونکہ وہ ایک فولڈر کرسی لائی تھی اور اب یہاں دو فولڈر کرسیاں اور درمیان میں ایک میز تھی جس پر اس کی پکنک باسکٹ بھی رکھی تھی۔

"اوزگل اس کا تو کوئی لمبا پروگرام لگتا ہے۔" وہ لب بھینچ کر رہ گئی' اس وقت اسے یہ یاد نہیں تھا کہ وہ اس کے اور اس کی تنہائی کے بیچ آ گیا ہے اس وقت اسے صرف یہ خوف تھا کہ وہ مذہب سے متعلق جانے کیا کیا کہے گا۔

"بیٹھیں۔" وہ اس کی چیئر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اپنی چیئر پر بیٹھ گیا وہ ایک پل کو کھڑی رہی پھر بیٹھ گئی اس نے تھرماس میں سے کافی مگوں میں انڈیلی۔

"پلیز کافی۔" پرسوں وہ اپنی تنہائی کے لیے اس سے لڑ پڑی تھی' آج اس کی کافی کا مگ اپنے مذہب کے لیے اٹھا لیا۔ اب کسی لمحہ کا موقع وہ اسے دینا نہیں چاہتی تھی کہ وہ اس کے مذہب کے متعلق کچھ کہہ سکے لیکن مگ اٹھا کر وہ

پچھتائی کیونکہ اس کے بدن میں جو لرزہ طاری تھا وہ اس مگ کی وجہ سے واضح ہو رہا تھا اس کے ہاتھوں میں وہ مگ لرز رہا تھا' وریام کپور نے اس کے کپکپاتے ہاتھوں کو بغور دیکھا۔

''ورتھ ہمارے مذہب میں بڑا مقدس سمجھا جاتا ہے اس کے لیے آپ نے جو الفاظ کہے وہ نہایت ہی برے تھے۔ میں چاہوں تو ایسے ہی نازیبا الفاظ آپ کے مذہب کے متعلق بھی استعمال کرسکتا ہوں لیکن......'' وہ لمحہ بھر کو رکا' اوزگل کی سانس ساکن کرگیا۔ ''لیکن پھر ہم دونوں کے بیچ فرق کیا رہے گا' کچھ بھی نہیں۔'' وہ یقیناً اپنے مذہب کو بہتر سمجھتا تھا' اس کا جی تو چاہا کہ اس کا سر پھاڑ دے پھر اسے بتائے کہ کون سا مذہب افضل ہے اور ان دونوں کے بیچ کتنا فرق ہے لیکن مذہب اسلام صبر و تحمل' بردباری' محبت اور انکساری سے پھیلا تھا ایسی اعلیٰ اقدار تھیں اسلام میں کہ لوگ جوق در جوق اس مذہب کی طرف دوڑے آئے تھے۔

''اصل میں یہ جو ورتھ ہوتا ہے یہ شادی شدہ عورتیں اپنے شوہروں کی لمبی عمر کے لیے رکھتی ہیں اور یہ قصہ پتا ہے کیا؟''

''مجھے معلوم ہے۔'' اس نے یکلخت وریام کپور کی بات کاٹ دی مزید سننے کی اس میں تاب نہ تھی۔

''ہمارا مذہبی معاملہ تمہیں معلوم ہے۔'' وریام کپور حیران ہوا تو اس نے نظریں اٹھائیں وہ نظر آتا تھا تو اسے بے پناہ اذیت سہنی پڑتی تھی اوزگل کو جتنی اذیت اور تکلیف کا سامنا تھا وہ بیان نہیں کی جاسکتی تھی وہ فوراً ہی ''آپ'' سے ''تم'' پر آ گیا تھا۔

''بہت سال پہلے میں ڈراموں اور فلموں کی بہت شوقین تھی۔'' اس نے کافی کا سپ لیتے ہوئے بھی وریام کپور پر سے نظر نہیں ہٹائی یہ چہرہ بہت خوب صورت تھا اوزگل کو اعتراف کرنا پڑا۔

''اوہ......'' وہ مسکرایا۔ ''ہاں' ہمارا کلچر اور مذہب بہت سے لوگوں کو شوق سے ہماری طرف لے آتا ہے۔'' وریام کپور کی نگاہوں میں ایک مقناطیسی کشش تھی جو دیکھنے والے کو باندھ لیتی تھی لوگ اسے دیکھتے اور پھر کھو جاتے تھے لیکن سامنے بیٹھی لڑکی کافی کے سپ لیتے ہوئے اسے دیکھ ضرور رہی تھی لیکن کھوئی نہیں تھی۔

''کافی کے لیے شکریہ۔'' اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتا کافی کا مگ رکھ کر وہ کھڑی ہوگئی۔ اپنی کرسی فولڈ کرکے اس نے اپنی ٹوکری اٹھائی اور پلٹ گئی وریام کپور کو لگا اب وہ کبھی اسے مل نہیں پائے گا یہ ان کی پہلی اور آخری ملاقات تھی۔

❁......❀......❁

''ہیلو وریام...... کہاں ہو؟''

''جہاں ہوں وہاں مجھے اپنی کوئی خبر نہیں پریا۔'' وہ کھڑکی میں کھڑا رات کو صبح میں بدلتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔

''تمہیں تو بہت عرصے سے اپنی خبر نہیں ہے۔'' دوسری طرف سے مسکرا کر کہا گیا یہ کس طرف اشارہ تھا وہ جانتا تھا۔ ''لیکن وریام مجھ سے تو تم کبھی بے خبر نہیں رہے۔'' لہجے میں اب اداسی در آئی۔

''مجھے ابھی خود کو کھوجنا ہے پریا...... ایسا کہہ کر شرمندہ مت کیا کرو۔'' وہ بہت دیر بعد اداسی سے بولا دوسری جانب موجود شخص کو بھی احساس ہوا کہ جو ہوتا ہے وہ وریام کپور کے بس میں نہیں ہوتا یہ نصیبوں کی بات ہے کوئی پاکر کھو دیتا ہے کوئی کھو کر پالیتا ہے۔

❁......❀......❁

''کیسی ہیں آپ؟'' وہ دوپہر کے ساڑھے بارہ بجے لکڑی کی باؤنڈری وال کو اوپر سے پھلانگ کر اندر آیا' وہ رات ہونے والی برف باری کو سیڑھیوں پر سے صاف کررہی تھی۔

''فائن۔'' اس نے اپنا کام جاری رکھا' وہ آگے بڑھ کر گیلری میں رکھی چیئر پر بیٹھ گیا۔

''رہنے دیجیے' اتنی محنت مت کریں ابھی مزید برف باری ہوگی۔'' اس نے اپنے دونوں ہاتھ مسلتے ہوئے کہا۔ وہ جواب دیئے بغیر اپنے کام میں مصروف رہی۔

''پتا ہے میں صبح کہاں گیا تھا' شیو جی کا مندر ڈھونڈنے مگر شیو جی کا تو کیا یہاں مجھے کوئی بھی مندر نہیں ملا۔'' اس نے نظریں اٹھا کر اسے دیکھا اس نے وریام کپور جیسا خوب صورت شخص کبھی دیکھا ہی نہیں تھا یقیناً جب لوگ اسے دیکھتے ہوں گے تو نظریں ہٹانا بھول جاتے ہوں گے۔

''میں شیو جی کو مانتا ہوں وہ ہمارے مہا دیو ہیں۔'' وریام کپور کو اپنی خوب صورتی کا پورا احساس تھا۔ وہ مسکرا کر اپنی خوب صورتی کا خراج وصول کرتا تھا مگر سامنے بیٹھی لڑکی کے ساتھ عجیب معاملہ تھا جب وہ اسے دیکھتی تھی تب وریام کو جھجک محسوس ہوتی اور جب وہ نظریں جھکا لیتی تو اسے بے چینی ہوتی تھی۔

''مجھے معلوم ہے۔'' اس نے حتی الامکان اپنی بے زاری کو چھپایا اور پھر سے اپنا کام کرنے لگی۔ وہ لڑکی پتا نہیں خود خوب صورت تھی یا نہیں لیکن اس کی آواز وریام کپور کو اندر تک سکون بخشتی تھی وہ چاہتا تھا کہ وہ بولے اور وریام کپور کا اندر سیراب ہوتا رہے مگر کیسے بولے گی وہ بے تکان' وہ کون سی بات ہوگی جو اس لڑکی کو بولنے پر مجبور کرے گی۔ وہ خاموشی سے اسے برف صاف کرتے دیکھتا رہا اور پھر وہ ہنس پڑا تو اوزگل نے چونک کر اسے حیرانگی سے دیکھا۔

''میں کتنا بے وقوف ہوں۔'' وہ ہنستا ہوا اٹھ کر وہاں سے چل دیا اور برف صاف کرتی بظاہر بے نیاز لیکن اندر سے اذیتوں کی دلدل میں دھنسی اوزگل نے گھٹنوں پر سر رکھ کر رونا شروع کردیا تھا۔

❁......❀......❁

''پتا ہے اوزگل' میں نے بہت سے مذہبوں کا مطالعہ کیا ہے بہت مصروفیت کے باعث میں بہت زیادہ تو پڑھ نہیں پایا لیکن تمہارے مذہب کی کتاب قرآن میں نے پڑھی ہے شاید اس کی چند لائنیں ہی پڑھی ہوں گی مگر مجھے بہت الجھن ہوئی اسے پڑھ کر۔'' گرم گرم چائے کے گھونٹ لیتی اوزگل کی نظریں یک ٹک اسے دیکھ رہی تھیں' اصولاً تو اسے پوچھ لینا چاہیے تھا کہ کیسی الجھن مگر وہ جانتی تھی کہ وہ نہ بھی پوچھے تب بھی وہ بتائے گا سو چپ رہی۔

''اس میں لکھا تھا کہ اللہ ایک ہے' اس کا کوئی شریک نہیں نہ وہ کسی کا بیٹا نہ وہ کسی کا باپ۔'' وہ یقیناً سورۃ اخلاص کا مفہوم بیان کررہا تھا۔ ''میری سمجھ میں یہ آیا ہی نہیں کہ وہ ایک ہے اس کا کوئی ساتھی نہیں ہے تو پھر اتنی بڑی دنیا...... کیا وہ اکیلا سنبھال رہا ہے؟ مطلب کوئی اکیلا کیسے سب کچھ کرسکتا ہے پھر اس کا کوئی بیٹا نہیں وہ کسی کا باپ نہیں سوائے تمہارے مذہب کے کسی اور مذہب میں یہ تصور ہی نہیں کہ اس دنیا کا پالن ہار کوئی ایک اکیلا ہے اس کا کوئی ساتھی نہیں۔ دنیا کا ہر مذہب بڑا ہو یا چھوٹا یہی کہتا ہے کہ اس کے بہت سے ساتھی ہیں' بیٹے ہیں' وہ کیسا دکھتا ہے کیسا نظر آتا ہے اس کا جسم کیسا ہے اور تم لوگ تو خدا کے جسم کو ہی نہیں مانتے ہو ناں تم لوگ خدا کو جیسا مانتے ہو وہ عقل سے بالاتر ہے۔'' اس نے چائے کا کپ رکھ دیا' اس کی آنکھوں میں نمی اتر آئی خود پر قابو رکھنے کے لیے اس نے نظریں جھکا لیں' وہ وریام کپور تھا اور اس کی آزمائش بھی' بہت بڑی آزمائش۔

''وریام...... اللہ کو ایسا ہی ہونا تھا ہماری سوچ کی پہنچ سے دور' ہماری عقل سے ماورا' ہمارے خوابوں خیالوں سے بالاتر۔'' اس نے نظریں اٹھائیں۔ ''تم نے اتنے مذاہب پڑھے ہیں کیا تم نے اپنے مذہب کو مکمل طور پر پڑھا' کیا تم نے پڑھا کہ تمہارا اپنا مذہب اللہ کا تصور کیسا پیش کرتا ہے؟''

''میں نے اپنے مذہب کو مکمل پڑھا ہے میرا مذہب مجھے بتاتا ہے کہ اس پوری دنیا کو برھما نے بنایا' اس کے ساتھی وشنو اور شیوا اور وشنو زمین پر رام کرشن کے اوتار بن کر آئے اور بہت سے دیوتا میں ان کا روپ ہے۔''

''کیا تم جانتے ہو تمہارا مذہب کتنا پرانا ہے۔'' اس نے اس کی بات کاٹی۔

''اگر ہم دنیا کو قبل مسیح اور بعد مسیح کے حساب سے لگائیں تو ہمارا مذہب پندرہ سو قبل مسیح پرانا ہے۔''

''حالانکہ اس کا کوئی ٹھوس ثبوت نہیں' رامائن کو تم لوگ پانچ ہزار سال پرانا کہتے ہو اور مذہب ساڑھے تین ہزار سال پرانا ہے۔''

''پتا نہیں میں نے یہ سب تو نہیں پڑھا۔'' اس نے کندھے اچکائے۔

''او کے مگر ساڑھے تین ہزار سال قبل اپنی کتابیں جو تحریر ہوئیں یا بھیجی گئی تھیں جن کو سنا گیا یا دوسرے لفظوں میں نازل ہوئیں ان کے متعلق تو کچھ جانتے ہو گے۔''

''تم شروتی کے متعلق بھی جانتی ہو۔'' وہ قدرے حیران ہوا۔

''میں یہ بھی جانتی ہوں کہ اس کے دو حصے ہیں وید اور اپنشد۔''

''ہاں مگر میں نے کبھی انہیں پڑھا نہیں' اصل میں وہ مقدس کتابیں بہت مشکل ہوتی ہیں تو ہم تو بس زیادہ تر بھگت گیتا ہی پڑھ لیتے ہیں۔''

''تو تمہاری اسی بھگت گیتا میں لکھا ہے کہ ''جعلی اور جھوٹے خداؤں کی پوجا پاٹ وہی لوگ کرتے ہیں کہ مادی خواہشات کے غلبے نے جن کی عقل وفہم کو غارت کر دیا۔'' گویا ہندو مذہب کی اس بنیادی کتاب بھگت گیتا کے مطابق اللہ کے علاوہ دیگر غیر خداؤں کی پوجا کرنے والے لوگ وہی ہوتے ہیں جو اپنی مادی خواہشات کے ہاتھوں مغلوب ہو چکے ہوتے ہیں اور تم نے کیا کہا مجھے کہ تمہیں الجھن ہوئی یہ پڑھ کر کہ ''اس کا کوئی شریک نہیں'' تم اپنشد پڑھو اس کے چھٹے باب میں لکھا ہے ''وہ ایک ہی ہے کسی شریک کے بغیر۔'' اس نے لب بھینچ کر اوزگل کو دیکھا۔ ''اور ہمارے مذہب کے علاوہ کوئی یہ نہیں کہتا کہ وہ اکیلا سب کچھ کر سکتا ہے اس کا کوئی بیٹا ہے نا وہ کسی کا باپ لیکن یہ تو تمہاری اپنی مقدس کتاب اپنشد میں لکھا ہے کہ ''اس سے مشابہت رکھنے والی کوئی اور ہستی نہیں۔ اس پر کوئی حکمرانی کرنے والا نہیں' اس کا کوئی پیدا کرنے والا نہیں' اس کا کوئی مالک وآقا نہیں۔ سب بادشاہوں سے بڑا بادشاہ' انسانوں کے حواس کا مالک ومختار اور کیا کہا تم نے کہ ہم اس کا جسم نہیں مانتے' ہم جیسا اس کو مانتے ہیں وہ عقل سے بالاتر ہے لیکن تمہاری ہی کتاب میں لکھا ہے کہ ''وہ جسم سے منزہ ہے' وہ خالص ہے' روشن اور تابناک ہے۔ وہ جسم سے ماورا ہے' اب تم مجھے بتاؤ کہ تمہاری مقدس متون میں اللہ کا جو تصور ہے وہ اسلام کے تصور اللہ سے مماثلت رکھتا ہے یا نہیں۔'' وہ چاہتا تھا کہ وہ بولے پر جب وہ بولی تو اسے بولنے کے قابل نہیں چھوڑا' اس نے کچھ دیر اس کے سوال کا انتظار کیا اور اس کے مسلسل خاموش رہنے پر اٹھ کر چلی گئی۔

❁......❁......❁

''اگر ہماری مذہبی مقدس کتب ہمیں بتوں کی پوجا پاٹ کی تعلیم نہیں دیتیں تو پھر ہندو دھرم کے مذہبی پیشوا' پنڈت اور ہندومت کے دانش ور کیوں ہمیں یہ تعلیم دیتے ہیں۔'' چاچو کے جانے کے بعد وہ ابھی صفائی کر رہی تھی کہ وہ آ گیا دروازے سے لے کر کچن میں پہنچنے تک وہ بے صبری سے اپنی بات کہہ چکا تھا۔

''یہ تم مجھ سے کیوں پوچھ رہے ہو اپنے مذہبی پیشواؤں سے پوچھو۔'' اس نے برتن دھوتے ہوئے بے پروائی سے کہا۔

''میں نے نیٹ پر یہ سوال کیا تھا' کچھ سوامیوں سے میری بات بھی ہوئی ان کا کہنا ہے کہ اس بات کو یوں سمجھا جا سکتا ہے کہ ابتدائی جماعتوں میں پڑھنے کے لیے بچے کو سہارے کی ضرورت ہوتی ہے لیکن بڑی جماعتوں میں پہنچ کر اس کی ذہنی سطح بلند کرنے کے لیے بھگوان تک رسائی کے لیے مورتیوں کی ضرورت پڑتی ہے تاکہ ذہنی یکسوئی حاصل ہو سکے اور پھر ذہنی سطح بلند ہو جائے تو ان مورتیوں کی ضرورت نہیں رہتی۔'' وہ بے بس لہجے میں بولا۔

''جواب تو تمہیں مل گیا پھر۔'' وہ کچن سے باہر نکل آئی وہ چائے تھرماس میں ڈال چکی تھی اس کی ٹوکری بھی تیار تھی۔

''کیا تمہیں نہیں لگتا کہ یہ ایک بہت بچگانہ سا جواب ہے۔'' اس نے اس کی وہ ٹوکری اٹھا لی۔

''اور کیا تمہیں نہیں لگتا کہ تم اپنے ہی مذہبی اسکالر پر یقین نہیں کر رہے ہو۔'' وہ باہر آتے ہوئے دروازے کا لاک چیک کرنے لگی تھی۔

''طنز اچھا ہے اور فی الحال میرے پاس کوئی جواب نہیں ہے۔'' وہ اس کے پیچھے چلنے لگا۔

''میرا جواب تو پھر یہی ہو سکتا ہے کہ ہم مسلمانوں کی ذہنی سطح ہمیشہ سے بلند ہوتی ہے کہ ہمیں کبھی اللہ کی یکسوئی سے عبادت کے لیے اس کی مورتی کی ضرورت پڑتی ہی نہیں اور رہی بات ابتدائی عبادت میں سہاروں کی تو اگر وہ پہلا سہارا ہی غلط ہو گا تو پوری زندگی کیسے صحیح گزرے گی' ابتدائی جماعت میں ہی بچے کو دو اور دو چار سکھائے جاتے ہیں۔ اب اگر وہ بچہ میٹرک' بی اے' ایم اے' پی ایچ ڈی بھی کر لے تو دو اور دو ہمیشہ چار ہی اس کے لیے رہیں گے تین یا پانچ نہیں ہو جائیں گے۔ بڑی جماعتوں میں پہنچ کر وہ الجبرا' ٹرگنو میٹری اور الگارتھم کے اصول اور کلیے بھی سیکھ جائے لیکن دو اور دو پھر بھی چار......'' اس نے اوپر پہنچ کر فولڈر کرسی کھولی۔

''ویدوں کا بنیادی اصول یہی ہے کہ خدا کی ذات کا کوئی عکس یا پرتو نہیں' اس کی ذات تجسم سے منزہ ہے تو ایسی صورت میں ہندومت کے مفکرین اور دانش وروں نے سکوت کیوں اختیار کر رکھا ہے؟'' وہ سامنے بیٹھ کر اسے بغور دیکھ رہا تھا۔

''کیا یہ کوئی فطری یا منطقی عمل ہو گا کہ پہلی جماعت کے طالب علم کو یہ بتائیں کہ دو اور دو چار نہیں بلکہ تین یا پانچ ہوتے ہیں جب کہ اس کا درست اور حقیقی جواب اگلی جماعتوں میں جا کر دیں گے اگر تمہارا جواب اس ضمن میں نفی میں ہے تو پھر میں پوچھتی ہوں کہ مذہب کے معاملے میں ایسا غیر منطقی طرز عمل کیوں اپنا رکھا ہے؟'' وہ رک کر اسے دیکھنے لگی مگر اس کے سوال کا کوئی جواب وریام کپور کے پاس تھا ہی نہیں تو وہ کیا؟ وہ بس خاموش اسے دیکھتا رہا دھیرے دھیرے بے بس ہوتے اس نے کہنیاں ٹیبل پر ٹکائیں اور دونوں ہاتھوں سے بالوں کو مٹھیوں میں جکڑ کر سر کو جھکا لیا اوزگل کے لب بھینچ گئے وہ اس وقت وریام کپور کی اذیت کو سمجھ سکتی تھی۔ ساری زندگی آپ کسی پر ایمان رکھیں اور وہ دھوکہ وجھوٹ پر مبنی ہو تو کتنی تکلیف ہوتی ہے یہ وہ بہتر جانتی تھی اسی پل اس کا موبائل بجا تو وہ چونک کر اٹھ کھڑا ہوا۔

''لیس......''

''کہاں ہو وریام؟ پلیز میرے پاس آؤ۔''

''کیا ہوا پریا؟''

''وریام مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے میں نے بہت برا خواب دیکھا تمہیں کوئی مجھ سے چھین رہا ہے تم مجھ سے دور چلے گئے اتنے دور کہ میں تمہیں ڈھونڈتے ڈھونڈتے تھک گئی ہوں۔ میرے پاس آ جاؤ وریام میرے پاس آ جاؤ۔'' وہ پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی اور وریام کسی ملبے تلے دبا جا رہا تھا۔

❁......❁......❁

''اوزگل...... امریکہ میں میرے بہت سے دوست تھے یہودی' عیسائی اور دیگر مذاہب سے تعلق رکھنے والے اور ان میں یہودی اور عیسائی اپنے مذہب سے متعلق بہت ہی پُر یقین تھے کہ وہ یہی سچا مذہب ہے۔'' وہ چند پل رکا' وہ آج بریانی پکا رہی تھی سو آج وہ اوپر نہیں گئی اور چونکہ برف باری بھی ہو رہی تھی اس لیے بھی وہاں جانا بے کار تھا۔ چاچو بھی گھر میں تھے اور لائبریری میں کوئی کتاب پڑھنے میں مصروف تھے۔

''اور مجھے یوں اچانک ان کا خیال اس لیے آیا کہ وہ جن موسیٰ' عیسیٰ (علیہ السلام) کو مانتے ہیں تمہارے پاس موجود اس کتاب میں ان کا ذکر بہت عقیدت اور احترام سے لکھا ہے یعنی تم بھی انہیں مانتے ہو۔'' اس نے اس کی لائبریری کی قصص الانبیاء کی کتاب اس کے سامنے کی' یہ کتاب وہ ابھی چاچو کے ساتھ بیٹھا پڑھ رہا تھا۔

''ہاں مانتے ہیں کیونکہ وہ بھی اللہ کے نبی اور بندے ہیں۔''

''اور ان لوگوں کے پاس جو بائبل ہے وہ بھی تمہاری

قرآن کی طرح ہے؟ کیا اس مذہب میں بھی وہی ہے جو تمہارے مذہب میں ہے۔"

"ہاں موسیٰ/عیسیٰ علیہ السلام وہی مذہب لائے تھے جو ہمارا مذہب ہے ان پر جو کتابیں نازل ہوئیں وہ بھی قرآن کی طرح تھیں اور قرآن میں ان کتابوں کے نام توریت اور انجیل ہے لیکن یہ جو موجودہ بائبل ہے یہ وہ مقدس کتابیں ہیں جو اُن دونوں انبیاء پر نازل کی گئیں لیکن ان میں بہت ساری تبدیلیاں ہوچکی ہیں یہ مکمل طور پر مسخ ہوچکی ہیں یہ اب وہ نہیں رہیں جو نازل ہوئیں تھیں۔"

"تم ایسا کیسے کہہ سکتی ہو؟"

"میں ایسا اس لیے کہہ رہی ہوں کہ یہودیوں کے پاس جو بائبل ہے اسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دور کا ہونا چاہیے تھا وہ نسخہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نو سو سال کے بعد کا ہے اور وہی سب سے قدیم نسخہ ہے۔"

"اور تمہارا قرآن۔"

"اس کا جواب اگر میں اپنی طرف سے دوں گی تو تم یقین نہیں کروگے میں تمہیں فرانس کی ایک چرچ کی تحقیق کا قصہ سناتی ہوں جنہوں نے چالیس بائبل اور دنیا کے مختلف علاقوں سے ستر ہزار قرآن جمع کیے اور چالیس سال بعد انہوں نے رپورٹ پیش کی جس میں چالیس بائبل ایک دوسرے مختلف سے تھیں اور قرآن میں زیر زبر تک الگ نہ تھا۔"

"تمہارا ماننا ہے کہ یہ بھی نبیوں پر ہی نازل ہوئیں پھر یہ محفوظ کیوں نہ رہیں۔" وہ مزید الجھا۔

"محقق کہتے ہیں کہ "اس دور میں لوگ اسے صرف یاد کرتے تھے اور آگے پہنچاتے تھے ایک جنریشن سے دوسری جنریشن تک ایک قبیلے سے دوسرے قبیلے تک ایک چرچ سے دوسرے چرچ تک اور پھر اسے آگے پہنچانے کا کوئی منظم طریقہ نہ تھا کوئی لیڈر نہ تھا جس کا جو دل چاہتا تھا آگے پہنچاتا تھا اور جو دل چاہتا دل میں ہی رکھ لیتا تھا پھر آگے کی نسلوں میں یہ ہونے لگا کہ جو جنگیں ہوتیں اسے بھی بائبل کا حصہ بنالیا جاتا کسی کی شادی تو کسی کی پیدائش ان چیزوں کو بھی بائبل میں ڈال دیا گیا اس طرح یہ محفوظ نہیں رہ سکا۔"

"یہ سب کچھ تمہارے قرآن کے ساتھ نہیں ہوا۔" وہ حیرانگی سے بولا۔

"یہ سب ہمارے قرآن کی ساتھ کبھی ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ قرآن انسانیت کی نجات اور اس کی بقا ہے۔ قرآن مکمل ہے جبکہ توریت اور انجیل جس وقت نازل ہوئی تھیں تب بھی وہ مکمل نہ تھیں۔ ان کے احکام ان کی شریعت مکمل نہ تھی ان کو اس وقت سے یہ حکم تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم آئیں گے ان کا حکم کامل ہے ان کی شریعت کامل ہوگی اور ان کی اطاعت سب کی اطاعت ہوگی اور اس وقت بھی اگر کوئی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کرے اور موسیٰ/عیسیٰ علیہ السلام کو مانے تو کافر ہے ہوا اور آج بھی کوئی موسیٰ/عیسیٰ علیہم السلام کو مانے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کرے تو وہ بھی کافر ہے۔" اس نے بریانی کو دم لگایا اور رائتہ سلاد کا سامان لے کر ٹیبل پر آ بیٹھی۔

"اور خود مسلمان بھی اس وقت تک کامل مومن نہیں ہوسکتے جب تک وہ اپنی آل مال اور جان سے زیادہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ چاہیں۔"

"ان دونوں مذہب میں کچھ تو سچ یا حق ہوگا۔" وریام کپور کا سر چکرانے لگا۔

"حق تو وہی ہے جو تیرے رب کے پاس سے ہے۔" (سورۃ بقرۃ آیت 47) پھر میں کیسے سوچوں کہ اسلام کے علاوہ کسی اور مذہب میں سچائی ہوسکتی ہے کیونکہ اسی آیت کے اگلے حصے میں مجھے شک کرنے سے بھی منع کیا جارہا ہے۔"

"حق تو وہی ہے جو تیرے رب کے پاس سے ہے تو خبردار تو شک نہ کرنا۔"

وہ اس کے پاس سے چلا تو گیا لیکن اندر کی بے چینی کسی صورت کم نہیں ہورہی تھی۔ وہ اپنے کام میں مگن رہی وریام واپس اندر نہیں آیا۔

”جب ان دو قوموں کو تمہارے نبی کی آمد کا پہلے سے ہی علم تھا تو پھر وہ ان کے آنے پر ان کے منکر کیوں ہوئے۔“ دو دن بعد برف باری رکی تو وہ اوپر چلی گئی تھی۔

”یہ تو تم بتاؤ کہ کیوں منکر ہو گئے تم لوگ؟“ اس نے اسے دیکھا۔

”ہم لوگ؟“ تھرماس سے چائے انڈیلتا اس کا ہاتھ رک گیا۔

”ہم لوگوں کے پاس تمہارے نبی کی آمد کا تو کوئی ذکر نہیں ہے۔“

”تم لوگ کیسے ہو اپنے ہی مذہب کو پورے طور سے نہیں پڑھتے اور ہمارے مذہب پر انگلیاں اٹھاتے ہو، تمہارے ایک مذہبی پیشوا نے ہمارے قرآن کی سورۃ الانفال کی ایک آیت جس میں ہمیں مشرکوں سے جنگ کرنے کا کہا گیا ہے اس نے مشرکوں کو ہندو کا معنی دے دیا اور پھر اس کے بعد مسلم ہندو فسادات شروع ہو گئے اگر تم اپنے ہی مذہب کو صحیح سے پڑھ لو سمجھ لو تو ہدایت یافتہ ہو جاؤ گے، مسلمان ہو جاؤ گے کیونکہ یہ ایک بہت بڑی غلط فہمی رائج ہے کہ اسلام ایک نیا مذہب ہے جو چودہ سو سال پہلے وجود میں آیا۔ اسلام اس وقت سے ہے جب آدم علیہ السلام نے زمین پر قدم رکھا ان کا مذہب یہی تھا کہ اللہ ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں نہ وہ کسی کا بیٹا ہے اور نہ وہ کسی کا باپ۔“ اس کے بعد جو بھی آیا وہ یہی پیغام لایا ساتھ میں یہ کہ ایک ”تعریف کرنے والا آئے گا“ ہمارے نبی کا نام پچھلی قوموں میں احمد تھا یعنی ”تعریف کرنے والا“ لیکن ہم انہیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہتے ہیں اس کا مطلب ہے ”جس کی تعریف کی جائے“ دنیا کے پہلے شخص آدم علیہ السلام سے بھی قبل آپ کی تعریف کی گئی اور آخری شخص کی پیدائش کے بعد بھی آپ کی تعریف ہوئی حتیٰ کہ حساب کے دن آپ کو مقام محمود پر کھڑا کیا جائے گا۔ مقام محمود وہ جگہ ہوگی جہاں مسلم اور مشرک سب آپ ﷺ کی تعریف کریں گے اور تم جانتے ہو کہ تمہاری اہم مذہبی کتاب اتھروا وید کے کچھ حصوں میں ہمارے نبی کی آمد کی پیشن گوئیاں ہیں ان کی نشانیاں ہیں۔ وہ وید سنسکرت زبان میں ہیں ناں۔“ اس نے رک کر اسے دیکھا اور وریام کپور کی دھڑکنیں تک رک چکی تھیں۔

”وید میں لکھا ہے کہ ”وہ ذات کہ جس کی تعریف و تحسین کی گئی“ اس کا عربی ترجمہ کرو تو ”محمد صلی اللہ علیہ وسلم“ بنے گا۔“ وریام کپور کے چہرے پر پسینہ نمودار ہو گیا۔

”ساٹھ ہزار نوے دشمنوں کے گھیرے میں بھی حفظ و سلامتی میں ہے۔“ اور ہم تاریخی طور پر یہ بات جانتے ہیں کہ مکہ کی اس وقت کی آبادی اس قدر تھی اور ایک جگہ لکھا ہے کہ ”وہ اونٹ پر سواری کرے گا“ وہ جس کی سواری آسمانوں کو چھولیتی ہے“ یہاں یہ بات تو واضح ہو گئی کہ اس سے مراد کوئی ہندوستانی شخصیت ہرگز نہیں ہے اور وہ اس لیے کہ برہمنوں کے لیے اونٹ کی سواری کرنا ان کے دھرم کی رو سے ممنوع ہے“ اور وہاں لکھا ہے کہ ”وہ پوری کائنات کا بادشاہ ہے“ اور ہمارے پاس اترا کہ ”آپ کو تمام جہان کے لیے رحمت بنا کر بھیجا گیا اور انہی وید میں ایک ورڈ REBH سنسکرت لفظ استعمال ہوا ہے اس کا اگر عربی ترجمہ کیا جائے تو وہ لفظ ”احمد“ بنے گا لیکن تمہارے اہل علم نے اس لفظ کا لغوی معنی متعین کرنے میں ٹھوکر کھائی ہے اور اس لفظ کو ”احمد“ کے بجائے ”رحمت“ سمجھ کر ترجمہ کرنے کی سعی رائیگاں کرتے رہیں۔ اس میں یہی بتایا گیا ہے کہ ”احمد کو ابدی سرمدی اور دائمی قانون مرحمت فرمایا گیا ہے“ اس سے مراد اسلام کا ”قانون شریعت“ ہے۔ اس کی بات ابھی ختم نہیں ہوئی تھی لیکن وریام کپور ایک جھٹکے سے اٹھا اور آگے بڑھ گیا مزید سننے کی اس میں تاب نہ تھی اور وہ افسردہ سی بیٹھی رہی، اللہ جسے چاہے ہدایت دے بے مراد لوگ تو یونہی اپنے کانوں کو بند کر کے راہ بدل لیتے ہیں۔“

❁.....❁.....❁

”کیا کوئی بھی مذہب قبول کرنا بہت ضروری ہوتا ہے۔“ وہ آج ایک ہفتہ بعد آیا تھا اوزگل کو لگا کہ وہ شاید اب کبھی نہیں آئے گا اور آج بھی وہ چاچو کی خراب طبیعت کا سن کر انہیں دیکھنے آیا تھا۔

”کوئی بھی مذہب قبول کرنا ضروری نہیں ہوتا۔“ اس نے ”کوئی بھی“ پر زور دیا۔ ”سوائے اسلام کے صرف اسلام قبول کرنا ضروری ہوتا ہے، اللہ کو واحد لاشریک ماننا بہت ضروری ہے، سانسوں سے کہیں زیادہ ضروری ہے اللہ کی اطاعت ہر چیز سے زیادہ ضروری ہے، جیسے جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو سب سے پہلے ہوش سنبھال کر اپنے ماں باپ سے محبت کرتا ہے اور اس محبت سے پہلے اللہ کی محبت ضروری ہے۔“

”لیکن بچہ جب پہلا لفظ بولتا ہے تو وہ ماں ہوتا ہے اللہ تو نہیں ہوتا پھر اللہ کی محبت۔ مجھے یہ بات کچھ سمجھ نہیں آرہی ہے اگر اللہ کی محبت اتنی ضروری ہوتی ہے تو بچہ پہلے اللہ کیوں نہیں بولتا کیونکہ اللہ کو نفس کی ضرورت نہیں ہوتی، ماں کو ہوتی ہے بچے کا دل پہچانتا ہے اور ماں کو اس کی زبان جانتی ہے۔ اللہ ہمیں (سانس) زندگی دیتا ہے اور ماں باپ ہمیں مذہب دیتے ہیں، اللہ ہمیں شعور دیتا ہے جس میں ہم کامیابی یا بربادی کو چن لیتے ہیں۔“

”تم کیسے کہہ سکتی ہو کہ انسان کا دل اللہ کو پہچان لیتا ہے۔“

”میں ایک ڈاکٹر ہوں، ایک شخص میرے پاس آ کر کہتا ہے اسے بخار ہے، میں فوراً کہوں گی کہ وہ بخار کی دوا لے اس کا بخار اتر جائے گا۔ کیا تم تب بھی یہ کہو گے کہ مجھے کیسے پتا میں ایسا کیسے کہہ سکتی ہوں۔ نہیں، تم ہرگز نہیں کہو گے کیونکہ تم جانتے ہو میں ایک ڈاکٹر ہوں، میں نے اس بارے میں تحقیق کی ہے تبھی کہہ رہی ہوں۔“ وہ لب بھینچ کر رہ گیا کیونکہ وہ مسلمانوں کی تحقیق کا معترف ہو رہا تھا، اس ایک ہفتہ میں اس نے اپنے مذہب کی وہ سب کتابیں انگلش ترجمہ سے پڑھ لی تھیں جن کا حوالہ اوزگل نے دیا تھا اور الیکٹرونک کے دور میں ایک کم ترقی یافتہ علاقے میں اسے یہ سب کتابیں حاصل کرنے میں کوئی مشکل نہ پیش آئی تھی۔

”تم لوگ بت پرستی کے خلاف ہو تو پھر اس پتھر کی عمارت کی پوجا کیوں کرتے ہو۔“ وہ شاید یہ سوال بھی کہیں سے لے کر آیا تھا وہ یقیناً خانہ کعبہ کی بات کر رہا تھا۔

”معاذ اللہ...... ہم اس کی پوجا نہیں کرتے، اس کا بے پناہ احترام کرتے ہیں۔ اتنا احترام کہ اگر ہمارے گھر کے اندر کوئی اس سمت پیر ہی کر لے تو ہم لوگ غصہ میں آجاتے ہیں اور وہ ہماری عبادت گاہ ہے، ہمارا معبود نہیں بلکہ یہ مقدس مقام تو ہماری عبادت کے لیے سمت متعین کرتا ہے یعنی وہ سمت جس کی طرف رخ کر کے مسلمانوں کو نماز ادا کرنی چاہیے۔ ہم صرف اللہ کو ہی سجدہ کرتے ہیں، اس کے علاوہ کسی مخلوق کے سامنے جھکنے یا سجدہ ریز ہونے کی کسی مسلمان کو مطلقاً اجازت نہیں ہے۔“ وہ لمحہ بھر کو رکی اور اسے دیکھنے لگی۔

”اور تمہیں ایک دلچسپ بات بتاؤں کہ خانہ کعبہ پوری زمین کا مرکزی مقام یعنی سینٹرل پوائنٹ ہے۔ سب سے پہلے مسلمانوں کے جغرافیہ دانوں نے پوری دنیا کا نقشہ تیار کیا اور انہوں نے یہ نقشہ اس طرح تیار کیا کہ اس میں جنوب کو اوپر کی جانب اور شمال کو نیچے کی جانب رکھا، اس نقشہ کی رو سے خانہ کعبہ پوری دنیا کے بالکل وسط اور عین مرکزی مقام پر آتا تھا پھر مغربی جغرافیہ دانوں نے دنیا کے نقشے تیار کیے انہوں نے مسلمانوں کے بنائے ہوئے اصولوں کو الٹا کر دیا، ان نقشوں میں شمال کو اوپر کی جانب جبکہ جنوب کو نیچے کی جانب رکھا گیا لیکن اس کے باوجود کعبۃ اللہ اس نقشے کے عین وسط میں ہے۔ اس پر جتنی بھی اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کی جائے کم ہے۔“ وہ بس خاموشی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

”شکر ہے آج وریام کی شکل تو نظر آئی مجھے۔“ چاچو نے کمرے سے نکلتے ہوئے کہا تو وہ چونک کر ان کی طرف متوجہ ہوا۔

”جی بس کچھ کاموں میں مصروف تھا۔“ وہ باوجود کوشش کے نہ مسکرا سکا۔

”اچھا، اب اگر اپنے کاموں سے فارغ ہو گئے ہو تو ذرا ہمارا بھی ایک کام کر دو۔“

”جی فرمائیں۔“ وہ ہمہ تن گوش ہوا۔
”اصل میں اوزگل کو اپنی کچھ ضروری چیزیں خریدنے بازار جانا ہے اس کا آج میرے ساتھ جانے کا پروگرام تھا مگر میری طبیعت خراب ہے۔ پرسوں اسے کراچی کے لیے نکلنا ہے سو بازار جانے کا کام ٹالا بھی نہیں جا سکتا اگر تم اسے لے جاؤ تو مہربانی ہوگی۔“
”چاچو میں اکیلی بھی جا سکتی ہوں۔“ وہ حقیقتاً اچھل پڑی بھلا وریام کے ساتھ جانے کی کیا تک بنتی تھی۔
”بیٹا برف باری کے دن نہ ہوتے تو میں آپ کو اکیلے بھیجنے پر کوئی اعتراض نہ کرتا۔“
”مگر چاچو......“
”مجھے بھی شاپنگ کرنی ہے اور کتنے دنوں سے جانے کا سوچ رہا تھا مگر اکیلے جانے کا دل نہیں چاہ رہا تھا اب اچھا ہے تم ساتھ چلو گی تو مجھے شاپنگ کے معاملات میں بھی گائیڈ کردو گی۔“ وہ فوراً کھڑا ہوگیا تو وہ چاچو کو دیکھنے لگی اسے وریام کپور کا ساتھ کتنی اذیت دیتا تھا چاچو جانتے ہی نہیں تھے۔ وہ دنیا سے اتنی روٹھی ہوئی تھی کہ اسے کوئی واپس اس زندگی کی طرف لا ہی نہیں سکتا تھا اس کے گرد اتنی اونچی دیواریں کھڑی تھیں کہ ان اونچی فصیلوں کو کوئی پاٹ نہیں سکتا تھا۔
”اوزگل چلیں۔“ وریام کپور نے پکارا تو وہ لبوں کو بھینچتی ہوئی اس کے پیچھے چل دی۔ وریام کپور کو فتح کے لیے بنایا گیا تھا اوزگل نہیں چاہتی تھی کہ وہ اس کی مفتوح بن جائے۔
”تم کراچی جارہی ہو؟“ گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے اس نے پوچھا۔
”ہوں۔“
”واپس کب آؤ گی۔“
”جب تم یہاں سے جاچکے ہوگے۔“ اس نے لبوں کو بھینچ کر دل کی بھڑاس نکالی وہ جا ہی اس لیے رہی تھی کہ وہ مزید وریام کپور کو سہنے کی متحمل نہیں ہوسکتی تھی اور نہیں چاہتی تھی کہ وریام کپور کو اس کے بارے میں کچھ بھی معلوم ہو۔
”وہاں کون ہے تمہارا؟ تم تو دو سال سے یہیں ہو اور کبھی کہیں نہیں گئیں۔“ وہ اس کے بارے میں کافی جانتا تھا۔
”میری تائی ہیں وہاں ان کی طبیعت خراب ہے اور مجھے یاد کررہی ہیں۔“ اس نے کہا تو وہ لب بھینچ کر رہ گیا۔
”کب سے بیمار ہیں۔“
”پچھلے سات سالوں سے وہ ٹھیک نہیں ہو پا رہیں۔ پتا نہیں یہ موت کسی کو اتنی اچانک آجاتی ہے کہ حیران رہ جاتے ہیں اور کسی کو اتنا ستاتی ہے تڑپاتی ہے کہ اس کے اردگرد والے بھی موت کی دعائیں مانگتے ہیں۔“ وہ اس وقت وریام کے ساتھ تو کیا خود اپنے ساتھ نہیں تھی وریام ایک گہرا سانس لے کر رہ گیا شاپنگ کرکے وہ جس وقت گھر آئے پانچ بج رہے تھے اور چاچو کے ساتھ اسفند کی فیملی کو لاؤنج میں دیکھ کر اوزگل نے ایک گہرا سانس لیا وہ جسے بھول چکی تھی وہ مصیبت ٹلی نہیں تھی، چاچو کی سنجیدگی کہہ رہی تھی کہ موضوع گفتگو کیا ہے۔
”السلام علیکم!“ وریام نے سارے شاپنگ بیگز صوفے پر رکھ دیے اوزگل آگے بڑھ کر اسفند کی والدہ کے گلے ملی انہوں نے اسے بڑی محبت سے گلے لگایا تھا۔
”بس بھائی صاحب آپ اپنا یہ ہیرا ہمیں سونپ دیں یقین کریں اپنی بیٹی کی طرح خیال رکھیں گے اور محبت دیں گے اوزگل کو۔“ ان کی بات پر اس نے چاچو کو دیکھا اسفند نے مسکرا کر اس کے صبیح چہرہ کو تکا تھا۔
”اسفند کی والدہ آپ کا پروپوزل لائی ہیں۔“ چاچو نے سنجیدگی سے بتایا۔
”آپ نے آنٹی کو بتایا نہیں چاچو کہ میں شادی شدہ ہوں۔“ اسفند کی فیملی بری طرح چونکی۔ ”میں مسز حمزہ صہیب خان ہوں۔“
”کیا......کیا مطلب؟“ اسفند کے والد حیرت زدہ رہ گئے۔
”میں جانتا ہوں آپ کے نکاح کے متعلق اوزگل مگر

وہ شخص آپ کو چھوڑ گیا ہے۔“ سعدیہ کو جو اس کے بارے میں معلوم تھا وہ اسفند کو کیسے نہ پتا ہوتا۔
”اس نے مجھے چھوڑا تھا مجھ سے ناطہ توڑا نہیں تھا، وہ لوٹ آیا ہے۔“ وہ کہہ کر اپنے کمرے کی طرف آگئی اور خاموشی سے آنکھوں پر ہاتھ رکھ کر لیٹ گئی۔ کئی گھنٹے گزر گئے تھے اسے اسی پوزیشن میں پھر چاچو کے خیال نے اسے اٹھنے پر مجبور کیا ان کی طبیعت خراب تھی وہ باہر آئی تو چاچو کو وہیں لاؤنج میں دیکھ کر ایک گہرا سانس لیا ان کے اور اپنے لیے کھانا نکالا، ان کو دوائی کھلائی پھر شاپنگ بیگز اٹھا کر اپنے کمرے میں آگئی اور اپنا بیگ پیک کرنے لگی تبھی شاپنگ بیگ سے ایک بریسلیٹ نکلا یہ وریام نے خریدا تھا اس کی واحد خریداری پر وہ چونک گئی تھی۔

✿......✿......✿

”پریا......“ وہ جو اس کے خوب صورت چہرے کو تکتے ہوئے کھوئی ہوئی سی تھی چونک گئی۔
”بولو۔“
”تمہیں پتا ہے میں پچھلے ایک ماہ سے کہاں تھا؟“
”مجھے یہ پتا ہے کہ تم اس وقت میرے ساتھ ہو۔“ وہ اس سے اتنی محبت کرتی تھی کہ کبھی اس سے کوئی شکوہ نہیں کرتی تھی اور وریام ہر بار اپنا دم گھٹتا محسوس کرتا تھا۔
”پلیز پریا...... مجھ سے نفرت کرو کتنے سال ہوگئے ہیں میں ایک بار بھی تمہیں تمہارا حق، تمہارا پیار نہیں دے پا رہا ہوں میں ایسا کیوں ہوگیا ہوں میں نہیں جانتا۔“
”میں جانتی ہوں پھر تم سے شکوہ کیوں کروں۔“ اس نے دل میں سوچا وہ اپنے بالوں کو نوچ رہا تھا، پریا نے آگے بڑھ کر اس کے ہاتھوں کو تھاما اس کے بالوں کو چھڑوایا۔
”یہ کیا پاگل پن ہے وریام تم کیوں ایسا کررہے ہو مت دو خود کو اذیت تم میرے سامنے ہو میرے لیے یہ ہی کافی ہے ضروری نہیں کہ تم مجھے پہلے کی طرح پیار کرو۔“ اس نے کہتے نظریں چرائیں۔
”پریا میں پاکستان میں تھا۔“ اس کے الفاظ نے پریا کپور کے قدموں تلے زمین کھسکا دی، یہ تو اسے معلوم تھا کہ وریام کپور کو پانے کی وہ کتنی کوشش کرے وہ اسے مل نہیں سکتا مگر وہ یوں چھن جائے گا اسے معلوم نہیں تھا۔
”تمہیں میری ہر بےقراری کا بےچینی کا علم ہے پریا، کچھ چھپا نہیں ہے تم سے اور اب میں تم سے یہ بھی نہیں چھپانا چاہوں گا پریا کہ وہاں میں نے خود کو پُرسکون محسوس کیا۔ پریا ماں کہتی ہے مندر جاکر سکون ملتا ہے وہاں میں ایک بار بھی مندر نہیں گیا، وہاں کوئی اور دنیا تھی پریا...... وہ منظر کچھ اور منظر تھا، وہ لمحے وہ پل مجھے کبھی میسر نہیں آئے وہ سکون مجھے کبھی نہیں ملا پتا ہے پریا وہاں مجھے کون ملا؟“ اس نے رک کر پریا کو دیکھا جو ایک بری خبر کے لیے خود کو تیار کررہی تھی۔
”وہاں مجھے اسلام ملا۔“ پریا نے سر جھکا لیا یہ اتنی اذیت دہ خبر نہ تھی کیونکہ وہ نہیں چاہتی کہ وریام کو کبھی پتا چلے کہ وہ اسے اسلام کی طرف لانا چاہتی ہے یہ تو خود اس نے وریام سے کہا تھا کہ ”سکون پانے کے لیے تم دنیا کے مذاہب بھی اسٹڈی کرو یقیناً کوئی نہ کوئی مذہب تمہیں سکون دے گا۔“ اور اسے پورا یقین تھا کہ اسلام اسے یہ سکون ضرور دے گا لیکن تکلیف تو یہ تھی کہ اسلام اسے پاکستان میں ملا اور جس کے لیے ملا تھا پریا کو اس کا بھی علم تھا۔
”تم مسلمان ہونا چاہتے ہو تو میں تمہارے ساتھ ہوں، میں بھی مسلمان ہوجاؤں گی۔“ پریا نے وہی کیا جس کا وریام کپور کو پہلے سے پتا تھا، وریام کپور پریا کپور کا شوہر ہی نہیں اس کا عشق بھی تھا وہ اگر سانس لیتی تھی تو صرف وریام کپور کے لیے۔
”کبھی میں تم سے پیار کرتا تھا پریا...... بہت پیار کرتا تھا۔“ وہ اس سے سوال کررہا تھا لیکن اس وقت ہاں یا ناں کرنے کے لیے پریا کے پاس طاقت نہیں تھی۔
”وہ پیار مجھے یاد کیوں نہیں آتا پریا، اس محبت کا ہر لمحہ کیسے میری یادوں کی گرفت سے چھوٹ گیا، ایسا کیوں ہوگیا، تم مجھے اجنبی کیوں لگنے لگی ہو۔“ وہ پھر اذیت سے

تڑپنے لگا وہ پریا سے شرمندہ تھا‘ وہ پریا جو اس کے لیے جیتی مرتی تھی وہ اسے محض نام سے جانتا تھا۔ کسی احساس سے نہیں وہ اور پریا بچپن سے ایک دوسرے کے ساتھ تھے دس سال پہلے ان کی شادی ہوئی تھی وہ ایک دوسرے سے بہت پیار کرتے تھے پھر ان کی زندگی ایک حادثہ کا شکار ہوگئی پریا کی محبت تو عشق بن گئی مگر اس کا پیار کہیں کھو گیا پریا ماں بننے والی تھی اور پریا کی ڈیلیوری ٹائم وہ اسے ہسپتال لے جارہا تھا کہ ان کا ایکسیڈنٹ ہوگیا اس ایکسیڈنٹ میں پریا نے اپنے بچے کے ساتھ ساتھ اپنے شوہر کو بھی کھودیا‘ وہ کومہ میں چلا گیا۔ تین سال بعد اسے ہوش آیا لیکن اس کی یادیں واپس نہیں آئی تھیں اس کے سب رشتہ دار اسے یاددلاتے پریا اسے امریکہ لے گئی اس کا بہترین علاج ہوا وہ نارمل ہوگیا لیکن پریا اور اس کے درمیان ایک فاصلہ پیدا ہوگیا اور جب پریا فاصلہ کم کرنے کی کوشش کرتی تو وہ مزید دور نظر آتا کوئی کہیں تھا جو اسے پریا سے کھینچ کر دور کردیتا تھا وہ جتنی تکلیف میں تھا پریا اس سے بھی کہیں زیادہ تکلیف میں تھی۔

”وریام کو تمہارے قریب تمہارا بچہ ہی لاسکتا ہے‘ تم اس بارے میں کوئی پلاننگ کرو۔“ وہ پریا کی مخلص دوست تھی اور پریا خود پر ہنس کر رہ گئی۔

”وہ کبھی میرے قریب نہیں ہوسکتا‘ تمہیں پتا ہے انیتا‘ تین سال ہوگئے ہیں اسے ہوش میں آئے اب وہ بہت نارمل ہوچکا ہے اگرچہ اسے کچھ بھی یاد نہیں ہے لیکن جب وہ میرے قریب ہوتا ہے اور میں اس کے قریب آتی ہوں تو وہ بن پانی کی مچھلی کی طرح تڑپتا ہے۔“

”پریا...... پریا یہ کون سی خوشبو لگائی ہے تم نے میرا دماغ پھٹ رہا ہے‘ مجھے کچھ ہورہا ہے پلیز دور ہوجاؤ مجھ سے‘ یہ خوشبو مجھ سے برداشت نہیں ہورہی۔“ اور پتا ہے انیتا وہاں کوئی خوشبو نہیں ہوتی اس سے پوچھ پوچھ کر تھک جاتی ہوں کیسی خوشبو وریام کیسی خوشبو...... وہ کچھ نہیں بتاتا بس میرے اور اس کے بیچ فاصلہ پہلے سے بھی دوگنا ہوجاتا ہے۔“

”پریا وہ تمہیں اب کچھ نہیں دے سکتا‘ نہ پیار نہ اولاد نہ ہی زندگی۔“

”مجھے لگا تھا کہ میں سب کچھ پالوں گی‘ یہ میرے ساتھ کیا ہوگیا وہ میرے پاس ہے لیکن میرا نہیں ہے۔“ وہ پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی یہ رونا خود اس نے اپنے مقدر میں لکھا تھا اور اب اسے صبر سے رونا تھا اور وہ رو رہی تھی شاید ہمیشہ کے لیے کیونکہ وریام اس کا نہ کبھی ہوا تھا اور نہ ہوسکتا تھا۔ پریا کپور کا عشق ہار گیا تھا اس کا پیار اور خلوص ہار گیا تھا کیونکہ جیتنے کے لیے کوئی کہیں موجود تھا۔

❁......✿......❁

”وریام کپور......“ وہ آسیب پھر اس کے سامنے تھا‘ اس نے تیزی سے نظریں گھما کر تائی کو دیکھا جو اس سے کچھ فاصلے پر کھڑی ایک سوٹ میں بزی تھیں۔

”اوزگل کیسی ہیں آپ؟“ وہ اسے دیکھ کر پہلے کی طرح بے تکلفی سے ”تم“ نہ کہہ پایا۔

”آپ یہاں کیا کررہے ہیں؟“ وریام چونکا اسے اوزگل کی یہ بوکھلاہٹ سمجھ نہیں آرہی تھی۔

”میں یہاں شاپنگ کے لیے آیا تھا اور آپ؟“

”آپ پلیز ابھی یہاں سے جائیں میں آپ سے بعد میں بات کروں گی۔“ اس نے پھر تائی کی طرف دیکھا‘ وہ بہت زیادہ گھبرا رہی تھی۔

”آپ ٹھیک تو ہیں ناں؟“ وہ حیران ہوا۔

”آپ پلیز ابھی جائیں یہاں سے۔“ وہ لب بھینچتا پلٹ گیا تھا۔

”اوزگل دیکھو بیٹا یہ سوٹ کیسا لگے گا الیشبہ کے لیے۔“ تائی نے آواز دی تو وہ ان کی طرف بڑھی۔

”تائی پلیز گھر چلیں‘ میری طبیعت خراب ہورہی ہے۔“

”کیا ہوا؟“ وہ حیران ہوئیں جواباً وہ کچھ نہیں بولی‘ وہ جلد سے جلد ان کو یہاں سے لے جانا چاہتی تھی اگر تائی وریام کو دیکھ لیتیں تو کیا ہوتا اسے پتا تھا۔

”تم ٹھیک تو ہو ناں اوزگل...... ڈاکٹر کے پاس

چلیں؟“ وہ ان کا ہاتھ تھامے اتنا تیز چل رہی تھی کہ انہیں بھاگنا پڑ رہا تھا لیکن پارکنگ میں پہنچتے ہی اس کی سانس سینے میں اٹک گئی جب ان کی گاڑی کے برابر والی گاڑی سے وریام کپور اس کے رویے کے باعث حیران پریشان سا ٹیک لگائے کھڑا تھا۔ تائی نے اس سے اپنا ہاتھ چھڑوایا اور بے یقینی سے ان کی آنکھیں پھٹنے کی حد تک پھیل گئیں۔ اپنی گاڑی کی وہ ڈرائیونگ سیٹ کے دروازے سے ٹیک لگائے کھڑا تھا انہوں نے داہنا ہاتھ وریام کی طرف میکانکی انداز میں بڑھایا تو وریام کپور چونکا پیچھے کھڑی اوزگل نے لب بھینچ لیے تھے۔

”حمزہ......!“ انہوں نے وریام کے چہرے کو چھوا اور اگلے ہی پل ان کا دل بند ہوگیا وہ زمین بوس ہوجاتیں اگر وریام انہیں نہ سنبھالتا۔

”تائی......“ اوزگل یک دم چیخی اور آگے بڑھ کر اس نے پچھلا دروازہ کھولا اور وریام نے پھرتی سے تائی کو لٹایا۔

”تم سے کہا تھا ناں میں نے کہ چلے جاؤ یہاں سے۔“ وہ غصے سے چیخی۔

”میں......“ وہ اس کے غصے سے خائف ہوا۔ ”میں اپنی گاڑی کے پاس کھڑا تھا مگر ان آنٹی کو کیا ہوا؟“ اس نے پریشان ہوکر تائی کو دیکھا جن کا سر اس کی گود میں تھا‘ اوزگل نے لب بھینچ لیے وہ انہیں قریبی ہسپتال لے آئی تھی۔

”اب تم جاؤ۔“ ڈاکٹرز فوری ٹریٹمنٹ کے لیے تائی کو لے گئے تھے تبھی وہ اس کی طرف مڑے‘ وہ اسے دیکھتا رہ گیا وہ کیوں اتنی اجنبی بن گئی تھی اسے سمجھ نہیں آیا۔

”حمزہ......“ وہ دونوں چونک کر پلٹے‘ الیشبہ اپنی بیٹی کو چیک اپ کے لیے لائی تھی اور ملیحہ اس کے ساتھ تھی‘ وہ دونوں پھٹی پھٹی آنکھوں سے وریام کپور کو دیکھ رہی تھیں۔

”حمزہ......“ الیشبہ تیزی سے آگے بڑھی شاید وہ اس کے گلے لگ جاتی اوزگل اس کا ہاتھ نہ پکڑ لیتی وریام کے لیے یہ چوکشن ناقابل قبول تھی۔

”یہ حمزہ نہیں ہے‘ یہ وریام کپور ہے...... وریام کپور...... اوکے۔“ وہ غصے سے چیخ پڑی۔ ”یہ ہمارا حمزہ نہیں ہے‘ مرگیا ہے وہ مرچکا ہے...... یہ محض اس کا ہم شکل ہے یا آسیب ہے جو مجھے تنگ کرنے چلا آیا ہے۔ یہ میرا حمزہ نہیں ہے پلیز...... پلیز وریام کپور چلے جاؤ میری برداشت کا مزید امتحان مت لو چلے جاؤ یہاں سے......“ وہ دونوں ہاتھوں سے منہ چھپا کر رودی‘ اسے کتنی اذیت کا سامنا تھا وریام کپور نہیں جانتا تھا۔

❁......✿......❁

اے ساقی سن فریاد میری
کبھی دنیا تھی آباد میری
میں پریم نگر کا باسی تھا
اور پیار کا اتنا عادی تھا
سانسیں بھی پیار سے چلتی تھی
دھڑکن بھی گیت سنتی تھی
نہ کھانا پینا عشق سوا
نہ چلنا پھرنا عشق بنا
جو اپنوں نے دل توڑا ہے
اپنا کے ہم کو چھوڑا ہے
کیا کسی سے ہم فریاد کریں
دن رات اسے ہی یاد کریں
اب ایسا اپنا حال ہوا ہے
کہ جینا بھی دشوار ہوا ہے
اے ساقی سن فریاد میری
کبھی دنیا تھی آباد میری......

وہ شروع سے یوں تنہا نہیں تھی‘ اس کی دنیا بہت خوب صورت تھی۔ آج تنہائی نے اسے کتابی کیڑا بنادیا تھا پہلے تو اپنی نصاب کی کتب پڑھنے کا اس کے پاس وقت نہیں تھا‘ کیا وقت آیا تھا کل تک وہ ان کتابوں سے بھاگتی تھی آج ان کے پیچھے بھاگتی تھی کیونکہ زندگی کی یہ چلتی سانسیں گزر جائیں اس کے لیے وہ ساکن تو نہیں رہ سکتی تھی اسے کچھ کرنا تھا اور انسانوں سے اسے ڈر لگنے لگا تھا تو اس نے پناہ گاہ ان کتابوں کو بنالیا تھا۔ ان کتابوں نے اسے کتنا علم دیا

تھا یہ تو اسے وریام کپور سے مل کر ہی پتا چلا' کاش اتنا علم نہ سہی کم از کم لوگوں کو پہچان لینے کا علم ہی اسے پہلے ہوتا تو شاید آج وہ تنہا نہیں ہوتی۔

"ماما یہ اوز کی بک ہے۔" اسے فار ایپل کی کلرڈ بک کو حمزہ صہیب خان بڑی دلچسپی سے دیکھ رہا تھا۔

"جی یہ گل کی بک ہے اور یہ آج سے آپ کے ٹیوٹر سے ٹیوشن پڑھے گی پھر اگلے ماہ ہونے والے ایڈمیشن میں آپ کے ساتھ اسکول جائے گی۔" ماما مسکرائیں۔

"ماما یہ بک مجھے پوری آتی ہے آپ کہیں تو میں اوز کو ٹیوشن دوں۔" اس کی بات پر ماما ہنس دیں۔

"اوکے آپ گل کو ٹیوشن پڑھا دو۔" انہوں نے اجازت دی اور وہ فوراً کتابیں لے کر اوزگل کو پڑھانے پہنچ گیا۔

"آؤ اوزگل میں آپ کو پڑھاؤں۔" وہ اسے اندر لے آیا اوزگل کو وہاں کھیلتے بچوں کے ساتھ اتنا مزہ آ رہا تھا کہ اسے حمزہ کا یہ اقدام قطعی پسند نہ آیا اور وہ مسلسل باہر جانے پر بضد تھی مگر وہ حمزہ تھا جو اپنی پڑھائی کے معاملے میں اتنا کانشس رہتا تھا اور اب تو معاملہ اوزگل کا تھا جس کے لیے وہ خود سے زیادہ فکر مند رہتا تھا اور صرف ایک ماہ کے قلیل عرصے میں اس نے اوزگل کو کھیل کھیل میں ساری بکس رٹوا دی تھیں۔

"واہ بھئی میرے بیٹے نے تو ٹیوٹر کی فیس بچالی۔" ماما مسکرائیں۔

اوزگل کا ایڈمیشن ہو گیا اور یہ اوزگل کی نہیں حمزہ کی ذہانت تھی پھر اس نے کبھی ٹیوشن نہیں پڑھی۔ حمزہ ہر جگہ اس کا گارڈ بنا رہا' وہ اس کی ہاؤس جاب کا پہلا دن حمزہ کے پاپا کے آفس کا پہلا دن اور وہی امریکہ سے اس کی پھوپو کی آمد کا دن تھا۔ وہ سارے کزنز پھوپو کو گھیرے میں لیے بیٹھے تھے پھوپو کے تین بچے تھے بڑا بیٹا شازم خان' عشنا خان اور پھر ماہ روز تھی' بیٹا تو آیا ہی نہیں تھا اور ماہ روز بڑی چلبلی سی تھی فوراً ان سب کزنز سے دوستی ہو گئی تھی سب کزنز کی متفقہ رائے کے تحت عشنا خان مغرور تھی۔

"وہ اتنی خوب صورت ہیں۔" اوزگل کو خوب صورت لوگ مغرور ہی اچھے لگتے تھے' بڑے تایا کی الیشبہ اور چھوٹے تایا کی ملیحہ نے اسے گھور کے دیکھا کیونکہ ان کے گھر میں ایک سے بڑھ کر ایک حسین تھا اور اگر کبھی یہ بار کسی کے آگے مات کھاتے تھے تو وہ حمزہ صہیب خان تھا۔

"السلام علیکم!" اوزگل بار بار کن انکھیوں سے عشنا خان کو دیکھتی رہی تھی اسے شاید کوئی بیماری تھی خوب صورت لوگوں کو چپکے چپکے دیکھنے کی تبھی پہلے دن کی تھکن چہرے پر سمیٹے اور پھوپو کی آمد پر بے حد خوشگوار کے تاثرات سجائے حمزہ صہیب خان اندر داخل ہوا تو... جس طرح عشنا کو دیکھ کر وہ سب چونکے تھے اسی طرح حمزہ صہیب خان کو دیکھ کر عشنا خان کے ساتھ ساتھ پھوپو بھی قدرے چونک گئیں ان کے تین بھائیوں کے درمیان یہ ایک ہی بیٹا حمزہ صہیب خان تینوں بھائیوں کا وارث ان کے خاندان کا نام لیوا تھا' وہ آ کر ان کے قریب سر جھکا کر کھڑا ہوا تو انہوں نے اٹھ کر اسے گلے لگا لیا تھا دل بے تحاشا خوشی سے بھر گیا تھا' عشنا خان یک ٹک اسے دیکھے جا رہی تھی۔

"بھیا جی ہم بھی پڑے ہیں راہوں میں۔" ماہ روز نے کہا تو وہ مسکراتا اس کی طرف پلٹا۔

"السلام علیکم! کیسی ہیں آپ لوگ؟" اس نے ایک نظر عشنا پر ڈالی اور اگلی نظر ماہ روز پر۔

"بالکل ٹھیک اور آپ کیسے ہیں؟" ماہ روز کھل اٹھی تھی کیونکہ شاید وہ پہلا شخص تھا جو عشنا خان پر نظر ڈال کر ہٹانا نہیں بھولا تھا اور اب وہ ماہ روز سے مخاطب تھا۔

"الحمدللہ۔" وہ مسکرایا تھا۔ "اور کزن کیسا لگ رہا ہے پاکستان آ کر۔" وہ ماہ روز کے سامنے بیٹھی اوزگل کے برابر میں بیٹھ گیا تھا۔

"آپ کو میرا نام نہیں پتا حمزہ۔" ماہ روز چونک گئی۔

"پتا ہے بھئی۔" وہ مسکرایا۔ عشنا خان پلکیں جھپکنا بھول گئی تھی۔

"پتا ہے آپ کو مما کو اتنی ساری بھتیجیاں یاد ہوں کہ نہ یاد ہو مگر اپنا بھتیجا ضرور یاد تھا وہ اکثر کہتی تھیں کہ ان کا بھتیجا بڑا خوب صورت تھا۔ یہاں آئے تو سب نے آپ کے بارے میں کہا حمزہ ابھی آتا ہوگا تو مجھے لگا بس کوئی خوب صورت سا حمزہ آتا ہوگا بٹ آپ تو......" وہ لمحہ بھر کو رکی اور حمزہ نے الجھ کر اسے دیکھا۔ "کسی ریاست کے شہزادے ہیں آپ...... سب نے آپ کے بارے میں غلط کہا تھا آپ کو پرنس کہنا چاہیے۔"

"آپ نے تو میری تعریف کرنے میں سب کو مات دے دی۔" اس کی مسکراہٹ کہہ رہی تھی وہ ایسی تعریفوں کا عادی تھا۔

"حمزہ مجھے شاعری کا بہت شوق ہے پلیز چند دن اپنے ساتھ رکھ لیں' میں ضرور آپ کے حسن پر کوئی نہ کوئی دیوان لکھ ڈالوں گی۔" ماہ روز نے اتنے ملتجی لہجے میں کہا کہ حمزہ صہیب خان سمیت سب ہنس پڑے سوائے عشنا خان کے اس کی موجودگی میں کوئی ماہ روز کو توجہ دے ایسا کبھی نہیں ہوا نہیں اور آج ہو رہا تھا تو اس کے لیے اپنی فیلنگز کو سمجھنا مشکل تھا۔

"ماہ روز عشنا بھی تو اتنی خوب صورت ہیں آپ ان کے حسن میں کچھ شاعری کرتیں تو شاید شاعرہ بن جاتیں۔" اوزگل نے مسکرا کر کہا۔

"گھر کی مرغی دال برابر۔" حمزہ کے لہجے میں جتنی بے ساختگی تھی ماہ روز کا قہقہہ بھی اتنی ہی بے ساختگی لیے ہوئے تھا۔ وہ یک ٹک حمزہ صہیب خان کو دیکھ رہی تھی یہ خیال کیے بنا کہ اب سب اس کی طرف متوجہ تھے۔

"اوزگل جی ماما نے ہمیں آرڈر دیا ہے کہ پھوپو کے سامنے ان کا نام نہ ڈبویا جائے اور ڈنر لنچ وغیرہ ہم اپنے ان خوب صورت ہاتھوں سے ان کے لیے تیار کریں۔" الیشبہ نے منہ بناتے اسے اطلاع دی تو وہ مسکرا دی البتہ ملیحہ نے اسے گھور کے دیکھا کیونکہ اوزگل اور ملیحہ کو کوکنگ کا بہت شوق تھا وہ لوگ کچن میں تھیں جبھی ماہ روز چلی آئی پھر ان کے لاکھ منع کرنے کے باوجود وہ وہیں ان کے ساتھ ٹکی رہی تھی۔

"میں نہانے جا رہی ہوں۔" ملیحہ کے ساتھ سارا کام بالکل اوکے کروا کے وہ کچن سے نکلنے لگی۔

"میں سب کچھ اپنے کریڈٹ پر لکھوالوں گی۔" الیشبہ نے ہاتھ بھی نہ ہلایا تھا۔

"مجھے کوئی پروا نہیں۔" وہ بے نیازی سے کہتی باہر نکل گئی۔

"میرا نام بھی کروا دینا۔" ماہ روز نے مسکرا کر شرارت سے کہا تھا۔

"مشکل ہے یار۔" الیشبہ نے منہ بنایا تو ملیحہ بھی ہنستی ہوئی باہر نکل گئی۔

"کیوں مشکل ہے۔"

"کیونکہ تم آنکھیں بند کر کے گلاب کو محض خوشبو سے پہچاننے میں غلطی کر سکتی ہو مگر حمزہ اوزگل کے کسی بھی رنگ کو پہچاننے میں غلطی نہیں کرتے۔"

"واؤ......!" ماہ روز کو حیرت ہوئی۔

"چلو پھر آج میں بھی دیکھتی ہوں اوزگل نے جو میٹھا بنایا ہے وہ میرے نام ہوا۔" رات نو بجے ملیحہ اور الیشبہ نے دسترخوان لگایا تھا البتہ بہت فریش فریش سی اوزگل چیئر پر بیٹھی ہوئی تھی تبھی پھوپو کے ساتھ بڑی تائی ماما اور عشنا خان آ گئیں سب نے اپنی سیٹیں سنبھالی تھیں۔

"حمزہ کہاں ہے؟" پھوپو نے ماما کو دیکھا اور ماما نے اوزگل کو۔

"ابھی آ رہا ہے۔" اس نے جواب دیا' اب ملیحہ الیشبہ بھی آ بیٹھی تھیں ماہ روز اوزگل کے برابر والی چیئر پر بیٹھنے ہی والی تھی کہ حمزہ کی آواز آئی۔

"ماہ روز پلیز یہ میری جگہ ہے۔"

"اوہ' حمزہ مجھے معلوم نہ تھا۔" ماہ روز کھڑی رہ گئی۔

"آؤ یہاں بیٹھو۔" حمزہ نے اس کے لیے الیشبہ کے برابر والی کرسی پیش کی تھی۔ عشنا خان کو پتا نہیں کیوں ماہ روز کو اتنی اہمیت دینا اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ اسے لمحہ بھر میں

اپنی بہن سے جلن شروع ہوگئی تھی۔

"شکریہ حمزہ۔" ماہ روز نے اپنی بہن کی جلن کو محسوس کرلیا تھا اور اسے اس پر ہنسی آرہی تھی' حمزہ آگے بڑھ کر اوزگل کے برابر آ بیٹھا تھا' کھانا ختم کرکے الیشبہ نے کافی بنائی۔

"تم نے کافی نہیں لی بیٹا۔" پھوپو نے حمزہ سے کہا حالانکہ کافی تو اوزگل بھی نہیں پی رہی تھی۔

"میں کافی نہیں پیتا۔" وہ مسکرایا۔

"آپا یہ دونوں چائے کے رسیا ہیں۔" ماما نے مسکرا کر بتایا۔

"تم کبھی عشنا کے ہاتھ کی کافی پیو' کافی کے رسیا نہ ہو جاؤ تو کہنا۔" مگر ماہ روز کا جی چاہا اپنا سر پیٹ لے اس کی ماں پاکستان آ کر بالکل پاکستانی ہوگئی تھی۔

"کافی تو بالکل بھی نہیں' ہاں اگر کچھ اور بنانا آتا ہو تو ضرور کھا سکتا ہوں۔" حمزہ نے مسکرا کر کہا۔

"مجھے پاگل بنانا بھی آتا ہے۔" عشنا خان کے لب ہلے تھے۔

"وہ تو اپنے پیا کو بنا لیجیے گا۔" حمزہ کے کہنے پر ماہ روز کھلکھلا کر ہنس پڑی جبکہ عشنا نے ناگواری سے اپنی بہن کو دیکھا وہ پھر حمزہ سے باتوں میں مصروف تھی۔

"عشنا اور ماہ روز کا کہیں رشتہ کیا ہے؟" بڑی تائی کی جہاندیدہ نگاہوں نے عشنا کی نظروں کے زاویے سے حمزہ صہیب کی پریشانی کو محسوس کرلیا تھا۔ بڑی تائی نے جان بوجھ کر اتنی بلند آواز میں کہا کہ وہ سب بھی ان کی طرف متوجہ ہوگئے۔

"نہیں' ابھی تو نہیں مگر میں پاکستان اسی نیت سے آئی ہوں۔" پھوپو نے مسکرا کر حمزہ کو دیکھا حمزہ بھی مسکرادیا وہ تہہ دل سے بڑی تائی کا شکر گزار تھا۔ جنہوں نے اس لمحے یہ ثابت کردیا تھا کہ وہ سچ مچ اس گھر کی سرپرست کہلانے کی حق دار ہیں وہ دھاگہ جو نظر نہیں آتا مگر مالا کو جوڑ کر رکھتا ہے اس کے بغیر مالا کی حیثیت بکھرے دانوں سے زیادہ نہیں رہتی اور بڑی تائی واقعی ایسی ہی تھیں۔

"چلیں یہ تو اچھی بات ہے کہ آپ بچوں کی پاکستان میں شادی کرنا چاہتی ہیں۔" ماما مسکرائیں۔

"اچھی بات بھی ہے اور اچھا موقع بھی ہے' ملیحہ اور الیشبہ کی شادی کا موقع ہے تو سبھی احباب جمع ہوں گے ایسے میں تمہیں لڑکے دیکھنے میں آسانی بھی رہے گی۔" بڑی تائی نے کہا۔

"صرف لڑکے نہیں مجھے تو لڑکی بھی دیکھنی ہے اپنے بیٹے کے لیے۔" پھوپو کا بس نہ چل رہا تھا کہ وہ کس طرح بھابی کے منہ سے کہلوائیں کہ عشنا کی فکر مت کروا سے حمزہ کے لیے پسند کرلیا ہے ہم نے۔

"اوہ اچھا۔" بڑی تائی تو خود کچھ کہنے کے لیے پر تول رہی تھیں اب جب انہوں نے بیٹے کی بات کی تو بڑی تائی کو موقع ملا۔

"ایک تمہارا بیٹا ہے اتنا اچھا کہ امریکہ میں عمر گزارنے کے باوجود وہ تمہاری مرضی کو فوقیت دے رہا تھا اور ایک ہمارا بیٹا ہے جو صرف اپنے دل کی کرتا ہے۔" ماما نے چونک کر بڑی تائی کو دیکھا حمزہ بھلا کہاں اپنی من مانی کرتا تھا۔

"دیکھو ثمین میرا تو اتنا دل تھا کہ ملیحہ اور الیشبہ کے سارے کام ان کی بھابی کرتی ان کے سسرالی بھی ہمارے رکھ رکھاؤ دیکھتے کہ کیسے ہم بہو کو ہاتھ کا چھالہ بنائے ہوئے ہیں۔ اب ہم بوڑھی دو عورتیں بھلا کیا ہمارا سجنا سنورنا بہو کو دیکھ کر انہیں معلوم ہوتا ہم کوئی جنگل سے اٹھ کر نہیں آئے ہیں۔" حمزہ کے لبوں کی مسکراہٹ گہری ہوتی جارہی تھی ملیحہ اور الیشبہ بھی مسکرا رہی تھیں جبکہ اوزگل حیرت سے بڑی تائی کو دیکھ رہی تھی۔

"میں نے اس لڑکے کو اتنا سمجھایا کہ بیٹا پہلے تمہاری شادی ضروری ہے۔"

"لیکن نہیں...... ان کی بیگم صاحبہ نے فرمادیا ہے کہ ہاؤس جاب ختم ہونے سے پہلے رخصتی نہیں ہوگی تو بس اب دنیا اِدھر کی اُدھر ہوجائے ہمارا بیٹا ہلے گا نہیں۔" پھوپو اور عشنا خان بری طرح سے چونکیں۔

"حمزہ......!" اس نے پلٹ کر حمزہ صہیب خان کو

غصہ سے دیکھا۔

"یہ تم نے کیا کہہ رکھا ہے تائی کو میں نے ایسا کب کہا تمہیں۔" پھوپو نے ناسمجھی کے عالم میں اوزگل کو دیکھا اور عشنا کے قدموں تلے زمین نکل گئی اس نے ماہ روز کی طرف دیکھا جو بڑی استہزائیہ نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی گویا وہ جانتی تھی کہ "حمزہ اوزگل" آپس میں کون ہیں۔

"تمہیں کوئی اعتراض نہیں ہے تو ہماری شادی سے پہلے تمہاری رخصتی کی تاریخ رکھ لی جائے۔" الیشبہ نے شرارتی لہجے میں کہا تو اس نے حمزہ الیشبہ کو گھور کے دیکھا۔

"پاگل ہو گیا الیشبہ اچانک نکاح ہماری مجبوری تھی لیکن یوں اچانک رخصتی؛ بالکل بھی نہیں...... رخصتی تو دیکھنا ہم کیسے دھوم دھام سے کریں گے۔" بڑی تائی کا مقصد حل ہو چکا تھا۔ اوزگل کی ہاؤس جاب ڈسٹرب کرنا بھی ضروری نہیں تھا؛ حمزہ صہیب خان کو تو ابھی سے اس کی توجہ مکمل مطلوب رہتی؛ شادی کے بعد تو وہ شاید اسے لمحہ بھر کے لیے بھی ہٹا ہوا برداشت نہیں کرے گا تبھی تو کھانا پکا کر وہ ٹیبل لگاتی نہیں تھی کیونکہ حمزہ کو اس کا یوں گھر کے کاموں میں دلچسپی لینا پسند نہیں تھا۔ اتنی عجیب محبت تھی حمزہ کی کہ کبھی اوزگل کو فخر ہوتا اور کبھی ڈر لگتا۔

"ان دونوں کا آپس میں نکاح ہو چکا ہے۔" پھوپو کو اگلے لمحے ہوش آیا۔

"ہاں؛ ڈھائی سال ہو گئے ہیں۔" بڑی تائی کو خود بھی تفصیل بتانے کی جلدی تھی۔ "صہیب کو جب ہارٹ اٹیک ہوا تھا تو وہیں اس کی خواہش پر ہسپتال میں ہی ہمیں ان کا نکاح کرنا پڑا۔"

"مگر......" پھوپو کو سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ آگے وہ کہیں تو کیا کہیں۔

"تم اتنا حیران کیوں ہو رہی ہو شیرین...... تمہیں پتا تو ہے اوزگل صہیب خان کی بیٹی نہیں ہے اور اسی طرح حمزہ مہرگل کا بیٹا نہیں ہے اور صہیب خان کی خواہش کو ہم سب جانتے تھے بچپن سے ہی ان دونوں کو اپنے بیچ کے اس رشتے کا علم تھا۔ بس مرنے سے پہلے وہ خود ان دونوں کو اس بندھن میں باندھ گیا۔" بڑی تائی نے کہا اور پھوپو نے اوزگل کو دیکھا تھا انہوں نے جتنی چاہت سے الیشبہ اور ملیحہ کو گلے لگایا تھا اتنے ہی لیے دیے انداز میں اوزگل کو اس کے سلام کا جواب دیا تھا۔ انہوں نے اس کے علاوہ اس لڑکی پر نظر نہیں ڈالی تھی کیونکہ وہ جانتی تھیں کہ وہ ان کی بھتیجی نہیں ہے وہ ان کے بھائی کی دوسری بیوی کی بیٹی ہے وہ اس کے لیے وہاں امریکہ سے بھی مروتاً ایک دو چیزیں لائی تھیں وہ اتنی اہمیت کی حامل ہوگی انہیں پتا نہ تھا۔

"شکریہ بڑی تائی۔" عشنا خان کی آنکھوں کا رنگ بدل گیا وہ وہاں سے اٹھ گئی تھی حمزہ صہیب خان نے بڑی تائی کو مشکور نظروں سے دیکھا جواباً انہوں نے اسے گھورا تھا ان کی نظریں کہہ رہی تھیں کہ "ماں بچوں کو کبھی پریشان نہیں دیکھ سکتی۔"

✿......✿......✿

حمزہ کی مما اس کی پیدائش پر ہی جانبر نہ ہو سکی؛ حمزہ دو سال کا تھا جب اس کے پاپا صہیب خان ترکی گئے اور وہاں انہیں مہرگل ملی ان کی اسکول فیلو دو ماہ کی بیٹی اوزگل کے ساتھ بیوگی کی زندگی گزار رہی تھی انہوں نے وہیں ان سے شادی کر لی تھی۔ وہ اپنی زندگی میں بہت خوش تھے ان کے بڑے دونوں بھائی پاکستان میں تھے وہ وہاں دو سال رہے تھے تب بھابی کا فون آیا چھوٹے بھائی بھابی اور بڑے بھائی کا ایکسیڈنٹ ہو گیا وہ اسی وقت پاکستان آ گئے لیکن وہ تینوں بچ نہ سکے اب پورا گھر صہیب خان کی ذمہ داری تھا وہ سب بچوں کو بہت پیار کرتے تھے لیکن جوں جوں اوزگل بڑی ہوتی گئی سب کو اپنی طرف متوجہ کرنے لگی۔ صہیب خان کی لاڈلی بن گئی وہ صہیب خان کے گھر آنے کے بعد بھی صہیب خان کو اکیلا نہ چھوڑتی۔

"مہرگل میں اوزگل کو شاید رخصت نہ کر پاؤں میں اسے اپنی بہو بناؤں گا۔" چار سال کی اوزگل کے لیے یہ فرمودات سن کر بڑی بھابی اور آئے گل ہنس پڑی تھیں انہیں صہیب کا ارادہ اچھا لگا انہوں نے تبھی یہ بات حمزہ کو باور کروا دی تھی کہ وہ اس کی بہن نہیں ہے اور ان دونوں نے

یہ بات یادداشت میں محفوظ کر لی تھی اور دو سال پہلے انہیں نکاح کے بندھن میں باندھ کر صہیب خان انہیں چھوڑ گئے تھے۔ اب وہ تھے اور ایک دوسرے کے سہارے بہت خوش تھے؛ ملیحہ اور الیشبہ شادی کی تیاریاں اپنے عروج پر تھیں اور عشنا کی لاتعلقی اور ماہ روز کی شوخیاں؛ وہ بڑی چلبلی لڑکی تھی پورا گھر اس کی کمپنی میں انجوائے کرتا تھا۔

✿......✿......✿

"بھائی آپ ان کی رخصتی کر دیں۔" مہرگل نے چونک کر شمن کو دیکھا جن کی نظریں حمزہ کے کمرے میں چائے لے جاتی اوزگل پر تھیں۔

"اتنی دیر وہ حمزہ کے کمرے میں گزارتی ہے بغیر رخصتی یہ سب اچھا نہیں لگتا۔" آئے گل کو سمجھ نہ آیا کہ وہ انہیں کیا جواب دیں۔

"حیرت ہے شمن......! آپ یہ بات کہہ رہی ہیں جبکہ آپ تو اس ملک میں ایک عمر گزار کر آئی ہیں جہاں بغیر نکاح کے لوگ اتنے سال ساتھ رہتے ہیں۔" بڑی تائی آ گئیں۔

"بھابی ہمارے مذہب میں یہ جائز نہیں ہے۔" پھوپو نے جزبز ہوتے ہوئے مذہب کا سہارا لیا تھا؛ بڑی تائی نے استہزائیہ نظروں سے انہیں دیکھا۔

"مذہب میں کیا جائز ہے کیا ناجائز؛ ہم دوسروں پر فٹ کر دیتے ہیں اپنی طرف نہیں دیکھتے کہ ہم جو کر رہے ہیں وہ ناجائز سے بھی اوپر یعنی حرام ہے۔" تائی کا اشارہ عشنا کی طرف تھا جو مغربی اور بڑے بے ہودہ لباس پہنتی تھی۔

"میں نے تو یونہی ایک بات کہہ دی تھی شاید آپ کو اچھی نہیں لگی۔" پھوپو خفگی سے بولیں۔

"اچھی لگ بھی کیسے سکتی ہے ان کے نکاح کو محض ڈھائی سال ہوئے ہیں وہ ایک ساتھ پل بڑھ کر بڑے ہوئے ہیں اور وہ ہمارے بچے ہیں ہم انہیں اچھی طرح جانتے ہیں۔" بڑی تائی ان کے مہمان ہونے کا خیال کیے بنا بولے گئیں پھوپو تیزی سے پلٹیں تو ماہ روز کو دیکھ کر لب بھینچ کر رہ گئیں۔

"مما کیا چاہ رہی ہیں آپ؟" ماہ روز ان کے پیچھے کمرے میں آئی۔

"مما صرف عشنا خان کی خوشیوں کے علاوہ کچھ نہیں چاہتی ہیں۔" عشنا خان وہیں بیٹھی ایک انگلش مووی دیکھ رہی تھی۔

"عشنا وہ کوئی کھلونا نہیں ہے جسے تمہارے قدموں میں ڈال دیا جائے۔" وہ چڑی۔

"تم اگر میرے اور حمزہ کے بیچ نہ آؤ تو بہتر ہے۔"

"تمہارے بیچ میں نہیں اوزگل ہے...... اوزگل......" ماہ روز نے چبا کر جملہ ادا کیا تھا؛ عشنا خان بے اختیار کھلکھلا کر ہنس دی۔

"اس بے وقوف لڑکی کو راستہ سے ہٹانا کچھ مشکل نہیں ہے۔" عشنا خان نے بارہا اوزگل کو چپکے چپکے اپنی طرف تکتا ہوا پایا تھا؛ وہ جان گئی تھی اوزگل اس سے متاثر ہے اور ایسے لوگوں سے کام لینا وہ اچھی طرح جانتی تھی۔

"اوئے عشنا...... پھر تم مما کو بیچ میں مت لاؤ خود حمزہ سے بات کرو۔" ماہ روز نے ایک گہری سانس لی عشنا خان نے چونک کر اسے دیکھا۔

"آئیڈیا اچھا ہے؛ مما کو درمیان میں لائے بغیر معاملہ اچھی طرح نبھ سکتا ہے۔" عشنا نے سر ہلایا اور اسی رات ڈنر کے بعد وہ حمزہ صہیب خان کے روم میں چلی آئی؛ وہ کمپیوٹر پر مصروف تھا دروازہ کھلنے کی آواز پر اس نے سر اٹھایا اور پھر عشنا خان کو دیکھ کر بری طرح سے چونکا تھا۔

"ہائے کیسے ہو؟" وہ آگے بڑھ کر اس کے بیڈ پر بیٹھ گئی وہ بنا کچھ بھی کہے اسے دیکھتا رہا۔ "تم سوچ رہے ہو گے کہ میں اس طرح اچانک تمہارے کمرے میں......" وہ ایک لمحے کے لیے رکی۔ "حمزہ میں ہمیشہ سے صاف اور سیدھی بات کرنے کی عادی ہوں اور میں یہی تم سے کہنے آئی ہوں۔" وہ چاہتی تھی کہ حمزہ صہیب خان کچھ تو کہے مگر وہ بت بنا ہوا تھا۔

"حمزہ میں تم سے شادی کرنا چاہتی ہوں۔" اس نے

اپنے تئیں حمزہ صہیب خان کے لیے دھماکہ کیا تھا مگر وہ اسی خاموشی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

”میں نے زندگی بھر اپنے لیے جیسا ساتھی سوچا تھا تم بالکل ویسے ہو میرے خوابوں خیالوں میں جو چہرہ تھا تم بالکل ویسے ہو یا وہ تم ہی تھے حمزہ آئی...... آئی رئیلی لو یو۔“ وہ بے تابانہ اٹھ کر اس کی طرف بڑھی۔

”بس کردو......“ اسے اپنی طرف بڑھتا دیکھ کر حمزہ صہیب خان کے چہرے پر ناگواری آ گئی۔ ”جو کہنا تھا وہ کہہ چکی اب یہاں سے جاسکتی ہو۔“ اس نے واپس اپنا چہرہ کمپیوٹر کی طرف کرلیا عشنا خان کو پہلے ہی قدم پر اپنی ہمت ٹوٹتی ہوئی لگی۔

”جو کہنا تھا وہ تو کہہ دیا ہے لیکن جو کہا ہے اس پر تمہارا جواب صرف ہاں ہونا چاہیے۔“ اس کی ہٹ دھرمی پر حمزہ صہیب خان کا جی چاہا کہ کھینچ کر ایک تھپڑ مارے لیکن وہ برداشت کیے بیٹھا رہا۔

”حمزہ پلیز میں سچ مچ تم سے پیار کرتی ہوں۔“ وہ آگے بڑھ کر اس کے قدموں میں آ بیٹھی۔

”شٹ اپ عشنا خان...... اپنی حدود میں رہو۔“ اس نے اپنے پیر پیچھے کیے۔

”حمزہ پلیز میرے ساتھ ایسا مت کرو۔“ وہ یک دم رونے لگی اور وہ حیران رہ گیا۔

”تم پاگل ہو گیا عشنا...... ہماری ملاقات کے دن تو گنو محض آٹھ دن اور تم اپنی حالت دیکھو کوئی لڑکی اس طرح کرتی ہے اپنی عزت نفس کی پروا کرنا سیکھو۔“ وہ اٹھ کھڑا ہوا عشنا وہیں بیٹھی رو رہی تھی۔

”آٹھ دن سے نہیں حمزہ...... میں تمہیں آٹھ صدیوں سے جانتی ہوں میرا دل کہتا ہے تم وہی ہو جس کا میں نے برسوں انتظار کیا ہے۔“ وہ تڑپ کر بولی۔

”اوکے ٹھیک ہے میں وہی ہوں جس کا تم نے برسوں انتظار کیا ہے مگر میں تمہارا نہیں ہوں اگر ایسا ہوتا تو میں کسی اور سے منسوب نہیں ہوتا۔“ اس نے چاہا کہ وہ آج ہی یہ معاملہ کلیئر کردے۔

”کسی کے نہیں ہو تم، کسی کے بھی نہیں ہو۔ میرے تم صرف میرے تمہارے اور میرے بیچ جو بھی آیا نا زندہ نہیں چھوڑوں گی میں اسے، نہیں چھوڑوں گی اوزگل کو۔“ اوزگل کے لیے اس طرح کہنے پر حمزہ صہیب خان خود پر قابو نہ رکھ پایا اس نے کھینچ کر تھپڑ اس کے منہ پر مارا تھا۔

”اگر اوزگل کو میلی نگاہ سے بھی دیکھا تو میں تمہاری آنکھیں نوچ لوں گا۔ دفع ہو جاؤ یہاں سے اب۔“ اس نے کلائی سے اس کا ہاتھ تھام کر اسے اپنے روم سے نکال دیا اور عشنا خان بُت بنی وہاں کھڑی رہی وہ کتنا چپ کتنی برداشت سے کام لے رہا تھا لیکن اوزگل کا نام لیتے ہی وہ کیسے بپھر گیا اس نے اسے اپنے روم سے نہیں اپنی زندگی سے بھی نکال دیا تھا۔

”حمزہ صہیب خان مار ڈالوں گی میں اوزگل کو میرا وعدہ ہے تم سے۔“ وہ منتقیم مزاج تھی اور وہ شخص جس کے لیے ہر ہاتھ کو آج تک ٹھکراتی آئی تھی وہ ملے گا تو اس کے ساتھ ایسا کرے گا یہ تو اس نے کبھی تصور بھی نہیں کیا تھا۔ وہ کمرے کی طرف آئی تو ماہ روز اس کی یہ حالت دیکھ کر چونک گئی وہ عشنا خان سے پوچھنا چاہتی تھی کہ کیا ہوا مگر اسے موبائل پر کوئی نمبر ڈائل کرتے دیکھ کر وہ رک گئی۔

”بگ برادر یہاں آجاؤ جس کو میں اتنا چاہتی ہوں وہ کہہ رہا ہے اس کی زندگی میں میرے لیے کوئی جگہ نہیں ہے نکال دیا ہے اس نے مجھے اپنی زندگی سے بگ برادر یہاں آجاؤ۔“ ماہ روز کے ہاتھ پاؤں ٹھنڈے ہو گئے وہ گھر بھر کی لاڈلی چاند کی فرمائش کرتی تو اسے بھی پورا کیا جاتا تھا۔

”بگ برادر یہاں آجاؤ پھر تمہیں سب بتاؤں گی یہاں آجاؤ۔“ وہ روئے جارہی تھی ماہ روز کا جی چاہا کہ کسی طرح اس کا منہ بند کردے اسے اپنی بہن اس وقت ایک خوب صورت دوشیزہ کے بجائے ایک ڈائن لگ رہی تھی جو اوزگل اور حمزہ کی خوشیوں کو کھا رہی تھی۔ وہ خاموشی سے لیٹی رہی بہت دیر تک عشنا خان روتی رہی اور پھر گہری نیند

ہوگئی اس کی تسلی ہوگئی تھی اس کا بڑا بھائی یہاں آرہا تھا وہ بھائی جس سے اس نے جب کوئی فرمائش کی تھی اس نے ہمیشہ پوری کی تھی، اس کی گہری نیند کا یقین کرکے ماہ روز نے بستر چھوڑ دیا تھا۔

”یاالٰہی، مجھے اس عورت کے شر سے بچا۔“ حمزہ صہیب خان بے چینی سے کمرے میں ٹہل رہا تھا اور پھر وہ اوزگل کے کمرے میں آ گیا، بے حد گہری اور پُرسکون نیند سوتی اوزگل کو جگاتے وہ ایک پل کو رکا کہ وہ کیوں اس کی نیند خراب کر رہا ہے لیکن عشنا خان سے اسے محتاط رہنا تھا سو اسے جگا لیا۔

”اوز...... اوز......“ اس نے جھک کر اس کا کندھا ہلایا، اس نے بڑی مشکل سے اپنی آنکھیں کھولیں اور پھر اسے دیکھ کر وہ بری طرح سے اٹھ بیٹھی۔

”حمزہ......! حمزہ خیریت ہے ناں، مما تو ٹھیک ہیں ناں؟“

”مما ٹھیک ہیں یار...... تم منہ دھو کر آؤ۔“

”پلیز حمزہ، مجھے سچ بتاؤ کیا ہوا ہے؟“ وہ بری طرح سے ڈر گئی تھی پہلے بھی وہ ایک بار اسے اسی طرح اٹھانے آیا تھا تب پپا کو ہارٹ اٹیک ہوا تھا۔

”پہلے تم منہ دھو کر آؤ۔“ وہ خود بہت پریشان تھا اور چاہتا تھا کہ اوزگل پوری توجہ سے اس کی باتیں سنے وہ اس کی سادہ لوح طبیعت اور معصومیت سے بخوبی واقف تھا اسی لیے اسے خبردار کرنا چاہتا تھا۔

”ہاں، کہو۔“ وہ اس کے بیڈ پر بیٹھا تھا وہ اس کے برابر میں آ بیٹھی۔

”وہ عشنا ہے ناں اب سے کچھ دیر پہلے وہ میرے روم میں آئی تھی اس نے مجھے پرپوز کیا ہے۔“

”کیا؟“ اس کی آنکھیں اس بار پوری کھلی تھیں۔

”پتا نہیں یہ عورت ہماری زندگی میں کیوں ٹپک پڑی ہے۔“ وہ بڑبڑایا۔

”حمزہ سچی عشنا جی نے تمہیں پرپوز کیا ہے۔“ حمزہ صہیب خان نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

”واؤ زبردست حمزہ...... کیسی کیوٹ ہیں وہ۔“

”اوز......“ وہ غصہ سے بولا تو وہ چپ ہوئی۔ ”میں سیریس ہوں، اس عورت کو شرم نہیں آئی مجھے پرپوز کرتے ہوئے حالانکہ وہ جانتی ہے کہ میں شادی شدہ ہوں۔“ وہ غصے سے مٹھیاں بھینچتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔

”حمزہ اتنا برا کیوں مان رہے ہو انہوں نے جو اپنے لیے بہتر سمجھا وہ کہہ دیا، تم اپنے لیے جو بہتر سمجھتے ہو وہ جواب دے دو۔ اتنا غصہ کرنے اور پریشان ہونے کی کیا ضرورت ہے۔“ وہ قدرے بے پروائی سے بولی۔

”اوز وہ......“ وہ کہتے کہتے رک گیا اوزگل کو یہ بتانا بالکل بے کار تھا کہ وہ کیا کہہ گئی تھی۔ وہ اوزگل کو جان سے مارنے کا وعدہ کر کے گئی تھی۔ ”محتاط تو مجھے خود ہو جانا چاہیے اس بے وقوف لڑکی کے پاس کہاں چلا آیا ہوں میں۔“ اس نے سوچا پھر واپسی کے لیے پلٹنے لگا۔

”ویسے حمزہ مسلمان مرد چار شادیاں کرسکتا ہے۔“ حمزہ نے پلٹ کر اسے دیکھا۔ ”تم ان سے شادی کرلو حمزہ تمہارا کپل بنتا ہے ان کے ساتھ بہت خوب صورت جوڑی ہے۔“ باہر کھڑی ماہ روز نے ایک گہرا سانس لیا کیونکہ مشورہ دینے والی محض ایک دوست نہیں تھی، وہ کون تھی اسے خود کو بھی شاید پتا نہیں تھا اور حمزہ صہیب خان یک دم مسکرا دیا۔

”تمہیں پتا ہے چار شادیوں کے ساتھ برابری کا درجہ دینے کا بھی حکم ہے۔“

”تو......؟“ اس نے بھنویں اچکائیں۔

”تو...... مجھے لگتا ہے میں برابری کا درجہ نہیں دے پاؤں گا۔“

”ہاں یہ تو ہے، عشنا جی اتنی خوب صورت ہیں کہ ان کے آگے کچھ بھی نظر نہیں آسکتا۔“ حمزہ ہنس پڑا تھا، وہ بھی مسکرا دی۔

”تم سو جاؤ۔“ کہہ کر وہ باہر نکلا تو ماہ روز کو دیکھ کر چونکا ماہ روز اسے سنجیدگی سے دیکھتی پلٹ گئی تھی وہ بھی اس کے

پیچھے چلا آیا وہ لاؤنج میں آ گئے۔

"میں حیرت زدہ ہوں کس طرح تمہاری بیوی تمہیں دوسری شادی کی اجازت دے رہی تھی۔" ماہ روز بیٹھ گئی۔

"میری بیوی۔" اس نے اتنی حیرت سے دہرایا کہ ماہ روز ہی چونک گئی۔

"تمہاری بیوی ہے ناں وہ......؟" ماہ روز اس کی حیرت پر حیرت زدہ تھی' وہ جواب دینے کے بجائے بڑی عجیب نظروں سے اسے دیکھتا رہا۔

"کیا ہوا؟"

"ماہ روز اصل میں آج تک میں نے یہ الفاظ اوزگل کے لیے استعمال نہیں کیے۔ ہم دونوں ہمیشہ دوستوں کی طرح رہے ہیں جیسے کسی لڑکی کی کوئی لڑکی دوست ہو یا کسی لڑکے کا کوئی لڑکا دوست ہو۔ ابھی چند لمحے پہلے تم نے جو ہماری باتیں سنیں یوں سمجھو کہ وہ ایک دوست کو اپنے دوست کا مشورہ تھا' میں نے اپنی بیوی کو جا کر یہ نہیں بتایا کہ مجھے آدھی رات کو کسی لڑکی نے پرپوز کیا ہے اور نہ ہی اوز نے اپنے شوہر کو دوسری شادی کا مشورہ دیا ہے' ہم دونوں جسٹ فرینڈز...... تم سمجھ رہی ہو ناں میری بات۔" اب حیرت سے آنکھیں پھاڑنے کی باری ماہ روز کی تھی اس نے اپنی پوری زندگی میں ایسی دوستی پہلی بار دیکھی تھی جو کسی اور میں نہیں میاں بیوی میں تھی۔

"ایک بات کہوں حمزہ' ایک مخلص دوست کا مشورہ سمجھنا عورت تعریف اور محبت کی بھوکی ہوتی ہے۔ آپ دوستی کا نام لے کر اس کے ابرو کی جنبش بھی سمجھ لو تو وہ آپ پر کبھی خود کو نچھاور نہیں کرے گی لیکن ہاں محبت کا نام لے کر اس کی طرف سے آنکھیں بند کرلو وہ آپ کے قدموں میں بچھ جائے گی۔ تم میری بات سمجھ رہے ہو ناں۔" اس نے رک کر حمزہ صہیب خان کے تاثرات کو جانچا وہ واقعی اس کی بات نہیں سمجھا تھا ماہ روز نے ایک گہرا سانس لیا۔

"حمزہ اوزگل ایک لڑکی ہے' ایک لڑکی ہمیشہ محبت کی پیاسی ہوتی ہے شاید وہ تم سے اس محبت کو طلب کرنا چاہتی ہو۔ محبت تو تم اس سے کرتے ہو لیکن اس محبت کو محض دوستی کا نام دیے رہنا ٹھیک نہیں تم اپنے جذبوں کو اور اپ... درمیان موجود اتنے خوب صورت رشتے کا خیال ر... اوزگل کو بتاؤ کہ تم دونوں ایک دوسرے کے لیے کیا ہو... کچھ شرپسندوں کی وجہ سے اوزگل کو کھونے کے لیے... تیار کرلو۔" حمزہ صہیب خان کا دماغ ماؤف کرتی وہ ا... کھڑی ہوئی۔ "میں امید کرتی ہوں تم میرا مطلب... گئے ہوں گے۔" اپنی بات کہہ کر وہ دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

"خیر خواہی کا شکریہ۔" اس نے مڑ کر دیکھا... صہیب خان مسکرا کر اسے دیکھ رہا تھا' وہ بھی مسکرا دی۔

"عشنا خان پلیز مت برباد کرو اس کی خوشیاں..." آنکھیں موندتے ہی اسے حمزہ صہیب خان کا مسکرا... یاد آیا تو وہ افسردگی ہوگئی۔

❀......❀......❀

"یاالٰہی! میری بیوی اتنی خوب صورت ہے اور... نہیں' کوئی مجھ جیسا بے وقوف بھی ہوگا۔" ... جانے کے بعد وہ اپنے کمرے میں آ گیا' صبح آ... کے جگانے پر کھلی تھی اور سارا دن وہ اوزگل کو ہی... پتا نہیں آج سے پہلے اوزگل اتنی ہی خوب صورت... اس کے دیکھنے کا انداز بدلا تو اسے سب کچھ بدلا بدلا... تھا حالانکہ وہ سادے سے کاٹن کے سوٹ میں تھی... گلے میں کم ہاتھوں میں زیادہ تھا اس میں کوئی تبدیلی... آئی تھی بقول بڑی تائی کے۔

"اوزگل کو جنہوں نے ڈاکٹری کا سرٹیفکیٹ دیا... وہ گھر آ کر اسے دیکھ لیں تو یقیناً وہ سرٹیفکیٹ... کردیں۔" بدلی وہ نہیں تھی بدلے تو حمزہ صہیب خان... خیالات تھے اور وہ سارا دن گزار کر اب رات کو بستر پر... ہی اپنی عمر کے گزر جانے پر حیران تھا وہ اس سے... تھا لیکن محض ایک دوست ایک بچپن کے ساتھی کی... سے یہ جو آج تھا یہ کوئی الگ جذبہ تھا جو ماہ روز نے... تھا۔

"میری بیوی۔" خود بخود اس کے لب مسکرا دیے...

پھر اس کی آنکھ اوزگل کی آواز پر کھلی مگر وہ آنکھیں موندے پڑا رہا دل نے بڑی زور سے خواہش کی کہ وہ قریب آ کر جگائے۔

"حمزہ اٹھو' مجھے دیر ہو جائے گی۔" اس کی آواز ذرا قریب ہوئی تھی دل مزید پھیل گیا۔ "وہ اپنے ہاتھوں سے پکڑ کر اٹھائے۔"

"حمزہ......" اس کی جھنجلائی ہوئی آواز اور قریب سے آئی۔

"اتنے نخرے مت دکھاؤ یار۔" اس نے دل کو ڈپٹتے آنکھیں کھولیں کہ ٹھنڈے پانی نے چودہ طبق روشن کردیے۔ "اوہ میرا خدا۔" وہ اچھل پڑا۔

"اوز......" اس نے اٹھتے ہوئے اپنی بھیگی شرٹ دیکھی۔

"میں سمجھی بے ہوش ہوگئے ہو تم۔" وہ روز ایک آواز میں اٹھ جاتا تھا۔

"نہیں' میں تو اب ہوش میں آیا ہوں۔" وہ اس کی بات کو کسی اور ٹریک پر لے گیا۔

"اٹھ جاؤ' مجھے دیر ہو جائے گی ورنہ......" وہ کہہ کر باہر نکل گئی اس نے ایک گہرا سانس لیا اور اٹھ کر باہر آ گیا' ناشتا کر کے بڑی تائی' مما سے دعائیں لے کر وہ دونوں نکل آئے۔ کار میں بیٹھتے ہی اوزگل نے ٹیپ آن کرلیا تھا' وہ ریڈ سوٹ میں تھی اور اکثر یہ کلر پہنتی تھی۔

"اوز......"

"ہوں۔" اپنی من پسند کیسٹ اس نے پلیئر میں لگائی۔

"مجھے تم سے کچھ کہنا ہے۔"

"ہاں تو کہو ناں۔" وہ اس کے یوں تمہید باندھنے پر حیران ہوئی۔

"مجھے تم سے محبت ہوگئی ہے۔" اس نے اتنی اسپیڈ سے کہا کہ اوزگل کو سمجھ ہی نہ آیا' اوزگل کا حیرت زدہ چہرہ دیکھ کر وہ ایک گہرا سانس لے کر رہ گیا۔

"حمزہ تمہیں مجھ سے اب محبت ہوئی ہے...... مطلب پہلے تمہیں مجھ سے نفرت تھی۔" اوزگل پتا نہیں کیا تصدیق چاہ رہی تھی۔

"نہیں مجھے تم سے نفرت کبھی نہیں تھی' محبت تھی مگر وہ محبت الگ تھی اب جو محبت ہے ناں یہ الگ ہے۔" حمزہ صہیب خان کو سمجھ نہیں آ رہا تھا وہ اسے کیسے سمجھائے۔

"ارے حمزہ رکو...... رکو۔" اس نے یک دم کہا تو اس نے بریک لگا دیے وہ تیزی سے اتری۔

"بیلا کیا ہوا؟" اوزگل نے گاڑی کے ساتھ کھڑی لڑکی سے پوچھا۔

"یار اوزگل میری گاڑی خراب ہوگئی۔" اس نے کوفت سے اوزگل کو دیکھا۔

"اوکے آؤ میرے ساتھ چلو۔" اوزگل نے کہا اور حمزہ صہیب خان گہرا سانس لے کر رہ گیا۔

"اوہ تھینک یو۔" پھر وہ اپنے ڈرائیور کو کچھ کہتی اوزگل کے ساتھ اس کی گاڑی کی طرف آ گئی۔

"حمزہ یہ میری دوست ہے بیلا اور بیلا! یہ میرے کزن حمزہ صہیب خان۔" بیلا محو ہو کر حمزہ صہیب خان کو تک رہی تھی۔ وہ اسے چھوڑ کر آفس چلا گیا' واپس گھر آیا تو پھوپو کا بیٹا شازم خان موجود تھا۔

"حمزہ کتنے کیوٹ ہیں شازم بھائی۔" وہ ہر ایک کی ایسی ہی تعریف کرتی تھی لیکن اب اس کے جذبات' نظریات بدل گئے تھے اور دل کہتا تھا کہ اوزگل اس کے سوا کسی کو نہ دیکھے۔ اسے شازم خان سے مل کر کوئی خوشی نہ ہوئی تھی بلکہ اس نے اپنے دل پر کوئی بوجھ محسوس کیا جب اوزگل نے اس کی تعریف کی تھی' رات وہ اپنے کمپیوٹر پر مصروف تھا جب عشنا خان چلی آئی۔

"حمزہ تم مجھ سے شادی کرلو' مجھے اوزگل کے لیے کوئی اعتراض نہیں ہوگا تم اسے بھی ساتھ رکھو مگر مجھ سے شادی کرلو۔"

"میرا دماغ خراب مت کرو' دفع ہو جاؤ یہاں سے۔" وہ اندر تک جھلس گیا تھا۔

"حمزہ پلیز مجھے یوں مت دھتکارو ورنہ......"

"ورنہ کیا...... بولو کیا کرلوگی تم۔" وہ چڑ گیا تھا۔
"تم سے محبت ہوگئی ہے مجھے تبھی یوں تمہارے قدموں میں گر رہی ہوں ورنہ میں کتنی خودسر ہوں میرے گھر والوں سے پوچھو۔"
"کچھ نہیں جاننا مجھے تمہارے بارے میں پلیز میری جان بخش دو۔"
"تم سے پیار کرتی ہوں حمزہ میرے ساتھ یہ سلوک مت کرو۔" وہ رودی اور وہ ایک گہرا سانس لے کر رہ گیا۔
"پلیز عشنا میں شادی شدہ ہوں اور اپنی بیوی سے بہت پیار کرتا ہوں میری چھوٹی سی دنیا ہے اور میں اپنی اس دنیا میں بہت خوش ہوں میری خوشیوں کو برباد مت کرو۔"
"حمزہ میں اگر کسی سے دوستی کروں تو وہ خود کو خوش نصیب سمجھتا ہے اور میں...... میں تم سے محبت کرتی ہوں میں کسی قابل ہی نہیں تمہارے لیے۔" عشنا خان بے یقینی سے اسے دیکھنے لگی۔
"تم میرے کمرے سے جارہی ہو یا میں چلا جاؤں۔"
"اس بے رخی کا تمہیں ایسا مزہ چکھاؤں گی کہ یاد کرو گے۔" وہ غصے سے اٹھی اور باہر نکل گئی الیشبہ اور ملیحہ کی شادی کی ڈیٹ نزدیک تھی اوزگل کے پاس ہر بات جیسے ختم ہوچکی تھی۔
"شازم بھائی اتنے ملک گھوم چکے ہیں۔ ان کی معلومات بڑی زبردست ہے۔"
"حمزہ شازم بھائی اتنے اچھے ہیں کیا بتاؤں۔" اس کی ہر بات شازم خان سے شروع ہوکر اس پر ختم ہوتی اور جو حمزہ صہیب خان پر بیت رہی تھی اس کا بیان لفظوں میں مشکل تھا۔ عشنا خان کہیں قریب میں ہوتی تو اوزگل اور شازم خان کو باتوں میں مگن دیکھ کر استہزائیہ نظر اس پر ضرور ڈالتی اگرچہ وہ سب ساتھ بیٹھے تھے مگر حمزہ صہیب خان کو کوئی نظر ہی نہ آتا تھا سوائے اوزگل اور شازم خان کے۔ یہ عجیب محبت تھی جس میں محبت کم شک بڑھتا جارہا تھا' الیشبہ ملیحہ کی مہندی کی تقریب تھی وہ لان میں انتظامات کی فائنل تیاری دیکھ رہا تھا جب اندر سے شازم خان نکلا اور شازم خان کے پیچھے اوزگل تھی۔
"حمزہ چائے لے لو۔" اوزگل نے کہا لیکن وہ اندر تک جل رہا تھا سو وہ نظر انداز کر گیا وہ جانتا تھا کہ وہ بے چین ہوکر پھر بلائے گی کیونکہ وہ جانتی تھی وہ گرم چائے پینے کا عادی ہے مگر آج...... وہ شازم خان کے ساتھ مگن تھی وہ چند لمحے اس کی توجہ کا منتظر رہا پھر پیر پٹختا اندر چلا گیا اوزگل نوٹ بھی نہ کرسکی اور شازم خان مسکراتا ہوا اس بار مکمل طور پر اوزگل کی طرف متوجہ ہوا تھا۔ ترکی نقوش والی یہ لڑکی بہت خوب صورت تو نہ تھی لیکن اس کی زندگی میں آنے والی ہر لڑکی سے منفرد تھی اور اس کی انفرادیت یہ تھی کہ وہ اپنا دوپٹہ ہر وقت نماز کے اسٹائل سے باندھے رکھتی تھی' شازم خان نے اب تک اسے برہنہ سر نہ دیکھا تھا اس کے بالوں کا کیا کلر تھا یہ بھی شازم خان کو معلوم نہ تھا۔ ایسی لڑکیوں کو وہ کبھی منہ بھی نہ لگاتا تھا لیکن یہ لڑکی اس کی بہن کی سب سے بڑی خوشی کے درمیان رکاوٹ تھی اسے تو لگا تھا کہ بہت محنت کرنا ہوگی مگر اسے کچھ زیادہ نہیں کرنا پڑا اس کی اور اوزگل کی باتیں ہی حمزہ صہیب خان کو برداشت نہیں ہو رہی تھیں۔
"حمزہ صہیب خان اوزگل سے بدگمان تھا۔" عشنا خان کے لیے یہ خبر کسی عید سے کم نہیں تھی۔
مہندی کی تقریب میں دلہنوں کے بعد وہی تھی جس کے سر پر دوپٹہ تھا' ماہ روز اسے یوں دیکھ کر بے حد حیرت زدہ اور اس کی وجہ بھی جاننا چاہتی تھی۔
"وہ اصل میں......" وہ کچھ کہتے کہتے رکی۔ "رہنے دو تمہیں سمجھ نہیں آئے گا۔"
"مجھے سمجھ نہیں آئے گا تو حمزہ کو سمجھا دو۔" ماہ روز کی نظر حمزہ پر تھی۔
"ان کے سامنے تو نام بھی لے لیا تو یہ صاحب بھاگ جائیں گے۔" اس نے منہ بنایا اور وہ جو اسے دیکھ کر مبہوت سا رہ گیا تھا چونک گیا' پیلے سوٹ میں وہ بہت اچھی لگ رہی تھی۔

"تمہاری باتیں ناں' مجھے سمجھ نہیں آتی ہیں۔" ماہ روز پلٹ گئی تھی' وہ بھی جانے لگی تو حمزہ صہیب خان نے یک دم اپنا ہاتھ پھیلا کر اس کا راستہ روک لیا۔
"لے لو اس کا نام میرے سامنے۔" وہ جانتا تھا کہ وہ شازم خان کا نام لے گی تو کیا وہ اوزگل کی خوشی بنتا جارہا تھا۔
"کس کا نام؟" اوزگل نے حیران ہوکر اسے دیکھا۔
"وہی جس کا نام لینے سے میں بھاگ جاؤں گا۔" وہ بے حد سنجیدہ تھا۔
"حمزہ فجر میں اٹھاؤں نماز پڑھو گے؟" اس نے مسکرا کر کہا اور وہ الجھ گیا۔
"دیکھا ناں' اب تم بھاگنے کی سوچ رہے ہو ناں۔ حمزہ پلیز نماز پڑھا کرو اپنے دین کو فراموش کرکے جینا بھلا کیا جینا ہے۔"
"اوزگل۔" بڑی تائی کی آواز آئی تو وہ دونوں چونک گئے۔
"حمزہ فجر میں اٹھاؤں؟" اس نے ایک بار پھر کہا اور وہ جواب دیئے بغیر پلٹ گیا۔ "حمزہ بہت برے ہو تم بالکل رجحان نہیں ہے اپنے مذہب کی طرف تمہارا۔" وہ بڑبڑاتی اس سے پہلے لان میں آ گئی۔
"تو کیا اوزگل اس لیے سر سے دوپٹہ نہیں اتار رہی کہ اتنے سارے لوگ جمع ہیں اور ان میں سب اس کے لیے نامحرم ہیں سوائے میرے...... یاالٰہی وہ مجھے اس قدر اپنا سمجھتی ہے۔" اس نے اپنی بے وقوفی کو کوسا۔
"اوہ ہاں' جب سے یہ شازم خان آیا ہے تب سے اس کا دوپٹہ سر پر ہے' تف ہے مجھ پر' میں اپنے لفظوں سے اس سے محبت نہیں کرپایا اور وہ اپنے ہر عمل سے مجھ سے محبت کررہی ہے۔" وہ اس تقریب میں ہوکر بھی اپنے خیالات میں مگن تھا لیکن پھر پارٹی میں اسے سارا وقت شازم خان کے ہمراہ گھومتے دیکھ کر وہ الجھ گیا۔ لیکن اوزگل شازم خان کے ساتھ نہیں تھی بلکہ شازم خان اس کا پیچھا لیے ہوئے تھا اور وہ ایسا کیوں کررہا تھا یہ سمجھنا مشکل نہیں تھا۔
"کوئی اتنا بھی گرتا ہے عشنا خان جتنا تم گر رہی ہو۔" عشنا خان کو ایک کونے میں بیٹھا دیکھ کر وہ اس کے قریب چلا آیا۔ "اپنے بھائی کو یہاں بلا کر مجھے میری بیوی سے بدظن کرنے کا پلان ویسے شاندار ہے۔" اس نے داد دی تو عشنا خان کا رنگ لمحہ بھر کے لیے پھیکا پڑ گیا پھر وہ یک دم مسکرائی۔
"تم تو میری سوچ سے بھی زیادہ ذہین ہو حمزہ صہیب خان۔"
"شٹ اپ' اگر مجھے ایک قتل کرنے کا کہا جائے ناں تو وہ قتل تمہارا ہی کروں گا۔" وہ نفرت سے بولا اور پلٹ گیا۔
"اور میں اوزگل کو قتل کردوں گی۔" وہ بڑبڑائی تھی۔

❁......❁......❁

"حمزہ اٹھو میرے روم کا اے سی بند ہوگیا ہے۔" اس نے اوزگل کی آواز پر اپنی بند ہوتی آنکھیں بمشکل کھولیں۔
"افوہ تو کہیں اور سو جاؤ۔" وہ اپنی نیند خراب ہونے پر جھنجھلایا اور کروٹ بدل لی' ابھی کچھ دیر پہلے ملیحہ اور الیشبہ کی رخصتی ہوئی تھی' جب ہی دیگر کاموں سے فراغت کے بعد وہ اب لیٹا تھا اگرچہ اوزگل کی آواز دوبارہ نہیں آئی تھی مگر وہ بے چین ہوگیا تھا۔
"افوہ پتا نہیں کہاں گئی ہوگی یہ لڑکی' اے سی کے بغیر تو اس کا دم ہی نکل جائے گا۔" اس نے ٹیبل لیمپ آن کیا اور جب ہی وہ اسے پیروں کی سائیڈ پر لیٹی نظر آئی۔
"اوہ یار' یہ کوئی سونے کی جگہ ہے؟" اس نے اس کی طرف ہاتھ بڑھا کر اسے اٹھانا چاہا مگر اسے گہری نیند میں دیکھ کر رک گیا اس نے تکیہ اٹھا کر اس کے سر کے نیچے رکھا پھر اسے دیکھنے لگا شاید یہ اس کی نظر کا کمال تھا جو وہ سوتے ہوئے بھی اتنی پیاری لگ رہی تھی اس نے مسکراتے ہوئے اس کے چہرہ کی طرف ہاتھ بڑھایا اور پھر جھجک کر رک گیا۔

❁......❁......❁

”اوزگل تمہیں پتا ہے ہم لوگ آج ہی پیرس جا رہے ہیں۔“ وہ لوگ ولیمہ کی تقریب میں پہنچے تھے کہ ملیحہ نے اوزگل کو بتایا۔

”اور الیشبہ؟“

”دونوں بھائی جائیں گے بھئی۔“ الیشبہ اور ملیحہ مسکرا دیں۔

”آج تم دونوں بہت اچھی لگ رہی ہو۔“

”ہم ذرا ہنی مون سے واپس آجائیں پھر تمہاری رخصتی کی بات کریں گے۔“ الیشبہ نے شرارت سے کہا تبھی حمزہ صہیب خان اس کے نزدیک آ گیا تھا۔

”حمزہ ہم لوگ انہیں چھوڑنے چلیں۔“ اوزگل نے حمزہ کو دیکھ کر بات بدل دی۔

”کہاں؟“

”یہ دونوں ہنی مون کے لیے پیرس جا رہے ہیں، ہم انہیں ایئر پورٹ تک“

”اوہ [illegible]......“ حمزہ صہیب خان مسکرایا۔ ”وہ تو [illegible] اوزگل ہمارا جانا تو مشکل ہوگا۔“

”کیوں؟“ اوزگل نے منہ بنایا۔

”کیونکہ حمزہ تم سے زیادہ ذہین ہے، وہ کباب میں ہڈی نہیں بننا چاہتا۔“ ماہ روز نے یک دم آ کر کہا تو الیشبہ اور ملیحہ جھینپ گئی تھیں کچھ دیر بعد اوزگل کا فون بجا تھا۔

”یس۔“ وہ چونک کر نظریں گھما کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگی اور پھر اٹھ کر چلی گئی اس کے کچھ ہی منٹ بعد حمزہ صہیب خان کے موبائل پر میسج ٹون بجی اس نے چونک کر فون اٹھایا۔ میسج پڑھتے ہوئے اس کے قدموں تلے زمین سرک گئی وہ تیزی سے اٹھا اور بھاگتا ہوا ہال سے باہر اپنی گاڑی کی طرف آیا تھا نہایت رلیش ڈرائیونگ کرتے وہ سیدھا گھر آیا آج بڑی تائی تمام ملازمین کو ساتھ لے کر گئی تھیں۔ کھلا ہوا دروازہ جیسے اس کا ہی منتظر تھا۔

”اوزگل......اوزگل......“ پورا گھر اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا اسے کچھ دکھائی نہ دے رہا تھا۔

”آئی لو یو حمزہ۔“ اس اندھیرے میں یکلخت کسی نے اسے اپنے بازوؤں کے گھیرے میں لیا اور یک دم پورا گھر روشن ہوگیا۔

”عشنا خان......“ اس نے اسے جھٹکا دے کر پیچھے [illegible]

گھر کے اس طرح روشن ہوجانے کا مطلب تھا کہ وہاں کوئی اور بھی تھا۔ وہ بے ہودہ کپڑوں میں اکثر ہوتی تھی مگر آج اس کے حلیے پر وہ شاکڈ تھا۔

”آئی ریئلی لو یو حمزہ میں......“ وہ پھر اس کی طرف بڑھی۔

”اوزگل کہاں ہے؟“ اس نے اس کے بڑھتے ہاتھ [illegible] پکڑ کر موڑا تھا۔

”وہاں، جہاں سے اب وہ کبھی نہیں تمہیں مل سکتی۔“ حمزہ کا ذہن ماؤف ہوتا گیا۔

”میں تمہیں چھوڑوں گا نہیں عشنا خان۔“ وہ چیخا تھا۔

”میں چاہتی بھی نہیں ہوں کہ تم مجھے چھوڑو۔“

”بکواس بند کرو شرافت سے بتاؤ مجھے اوزگل [illegible]

[illegible]

[illegible] ہی اس کا [illegible]

[illegible] گھر آ [illegible]

[illegible] اس کی گرفت [illegible]

خان پر ذرا سی ڈھیلی پڑی عشنا خان نے موقع کا فائدہ اٹھایا تھا اور حمزہ صہیب خان کو کھینچ لیا تھا وہ [illegible] سنبھال نہ پایا لڑکھڑاتا ہوا عشنا خان کے ساتھ زمین [illegible] ہوا تھا تبھی پورچ میں گاڑیاں رکنے کی آواز آئی تو وہ دونوں چونک گئے۔ عشنا خان کا پلان حمزہ صہیب خان کو رسوا [illegible] نہیں تھا بلکہ اسے اتنا بے بس کر دینا تھا کہ وہ ساری زندگی اس کے ساتھ گزارنے پر مجبور ہوجائے۔ حمزہ صہیب خان نے عشنا خان کو دھکا دیا لیکن تب تک وہ سب اندر آ [illegible] اوزگل، بڑی تائی، ماما، ماہ روز اور شازم خان، ان کے ساتھ پھوپو نہیں تھیں اس کا جی چاہا زمین میں گڑ جائے کیونکہ پھوپو گھر میں تھیں۔

”عشنا......“ شازم خان سب سے پہلے بولا تھا باقی سب تو اس صورت حال پر حیران تھے عشنا خان کے کپڑے پھٹے ہوئے تھے حمزہ کی حالت بھی کسی گڑبڑ کا احساس دلا رہی تھی۔

”کیا کیا اس نے تمہارے ساتھ؟“ شازم کی بات پر عشنا لبوں کو بھینچ کر رہ گئی۔

”حمزہ کیا ہے یہ سب؟“ بڑی تائی کی طبیعت کی خرابی کی وجہ سے وہ لوگ جلدی گھر آ گئے تھے۔

”پوچھیں اس بے غیرت لڑکی سے کہ کیا ہے یہ سب، اس نے مجھے......“

”ایسا بہتان لگاتے تمہیں شرم بھی نہیں آ رہی۔“ اس کی بات کاٹتے پھوپو درمیان میں بولیں تو وہ چونک گیا۔

”عشنا کی طبیعت خراب تھی میں اسے گھر لے آئی، گھر کی تمام لائٹس آف تھیں، آن نہیں ہو رہی تھیں پچھلے لان کی طرف چیک کرنے گئی تو وہاں دیکھا سرکٹ نکلا ہوا تھا میں نے ابھی لگایا ہی تھا کہ عشنا کے چیخنے کی آوازیں آنے لگیں ماما بچائیں...... ماما بچائیں...... میں یہی سمجھی کہ میری نازک سی تو بیٹی ہے بلی کو دیکھ کر ڈر گئی ہوگی مگر مجھے کیا پتا تھا کہ یہ بدکردار یہاں آ گیا ہے اور اسے اکیلا سمجھ کر......“

”شٹ اپ۔“ حمزہ صہیب خان کی برداشت جواب دے گئی۔ ”میرا یقین کریں میں نے ایسا کچھ نہیں کیا پھوپو اپنی بیٹی کے ساتھ مل کر مجھے پھنسا رہی ہیں۔“ وہ سب کی طرف پلٹا تھا۔

”مطلب میری ماں جھوٹ بول رہی ہے، میری بہن کی حالت دیکھیں، پھٹے کپڑے، بکھرے بال، خوف زدہ چہرہ وہ سب جھوٹ ہے میں نے خود بہت بار تیری غلیظ نظروں کو اپنی بہن کی طرف اٹھتے دیکھا ہے اور آج جونہی تجھے موقع ملا تو نے اپنی اصلیت دکھا دی۔ کمینے میں تجھے چھوڑوں گا نہیں۔“ شازم خان تیزی سے اس کی طرف بڑھا۔

”ماما...... بڑی تائی......“ وہ چاہتا تھا کہ اس کی ماں اس کا یقین کرلیں۔

”اسٹاپ اٹ شازم خان۔“ اس کی آواز پر حمزہ صہیب خان سمیت سب چونک اٹھے تھے عشنا خان بھی لب بھینچے ہوئے تھی اس نے سوچا کہ اگر یہ سب ہو رہا ہے تو بھی بہتر ہے حمزہ صہیب خان کی طرف سے اور کوئی بدگمان ہو یا نہ ہو اوزگل کا بدگمان ہوجانا ضروری تھا۔

”اگر حمزہ کو ہاتھ بھی لگایا تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔“ شازم خان چونک کر اس تر کی نقوش والی لڑکی کو دیکھنے لگا۔

”آپ نے مجھ سے کہا تھا ناں کہ کیا میں حمزہ سے محبت کرتی ہوں؟ اور ماہ روز نے آپ کو جواب دیا تھا کہ ”حمزہ اتنا خوب صورت ہے یہ بھی اس سے محبت کرتی ہوگی اور تب میں بالکل چپ تھی آج میں آپ کو اس کا جواب دیتی ہوں، میں حمزہ کی خوب صورتی سے محبت نہیں کرتی میں اس کی پاکیزگی سے عشق کرتی ہوں۔ غلاظت اس کی نگاہوں میں نہیں آپ کی بہن کے وجود میں بھری ہے یہ جیسے کپڑے پہنتی ہیں اسے پھاڑنے کی ضرورت کسی لٹیرے کو نہیں ہوسکتی۔ یہ حمزہ کو دس بار شادی کی آفر کر چکی ہیں مگر وہ مانتا ہی نہیں ہے اور انہوں نے اسے قابو کرنے کے لیے یہ گھٹیا حرکت کی ہے۔ شازم خان میں اور حمزہ ایک دوسرے سے بہت محبت کرتے ہیں اتنی محبت کہ ہماری محبت کو کبھی لفظوں کی بھی ضرورت نہیں پڑی اور حمزہ جس نے کبھی اپنی بیوی کا ہاتھ پکڑ کر اس پر حق زوجیت نہیں جتایا وہ عشنا خان کے ساتھ ایسی حرکت کرے گا، کبھی نہیں...... ہرگز نہیں۔ عشنا خان جھوٹی، دھوکے باز ہے۔“ وہ سب اسے حیرت سے دیکھتے رہے۔

”حمزہ میں...... میں مر جاؤں گی تمہارے بغیر...... میرے ساتھ ایسا......“

”شٹ اپ عشنا خان...... دوبارہ اپنی گندی زبان سے حمزہ کا نام مت لیجیے گا۔“ وہ لحہ بھر کو رکی اور دروازے کی طرف اشارہ کرتی ہوئی بولی۔

”پلیز دروازہ اس طرف ہے میں نہیں چاہوں گی کہ میں اپنے مہمانوں کی مزید بے عزتی کروں۔“ اس نے کہا تو شازم تیزی سے پلٹا اور باہر نکل گیا۔

"اپنا سامان پیک کرلو" اس نے ماہ روز کی طرف دیکھا۔ "چلیں بڑی تائی آپ آرام کریں۔" وہ انہیں ان کے کمرے میں چھوڑ کر آئی تو حمزہ صہیب خان عشنا خان اور پھوپو نہیں تھے البتہ ماہ روز وہاں موجود تھی۔

"اوزگل آئی ایم سوری ہماری وجہ سے...... ہماری وجہ سے تمہاری سیدھی سادی زندگی......" ماہ روز کو سمجھ نہیں آرہی تھی کہ وہ کس طرح اپنی شرمندگی کا اظہار کرے۔ اوزگل نے خاموشی سے اسے دیکھا اور حمزہ کے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

"حمزہ باہر ہے۔" ماہ روز نے کہا تو وہ چونکی اور پھر تیزی سے باہر کی طرف آئی' حمزہ دروازے کے ساتھ سیڑھی پر بیٹھا تھا۔

"حمزہ...... اٹھو اندر چلیں۔" وہ بہت نڈھال اور بے چین تھا۔ اس کا جی چاہا کہ وہ حمزہ کی ساری پریشانی پل بھر میں دور کردے۔

"اوز تمہیں پتا ہے مجھے ہال میں میسج ملا تھا کہ شازم تمہیں گھر لے آیا ہے میں اتنا پریشان ہوا کہ مجھے ایک بار بھی تمہیں وہاں دیکھنے کا خیال تک نہیں آیا اور عشنا اتنا گر جائے گی میں تصور بھی نہیں کرسکتا تھا۔"

"حمزہ بھول جاتے ہیں یہ سب۔" وہ اس کے پاس آبیٹھی۔ "آج پھر سے اپنی نئی زندگی شروع کرتے ہیں وہی زندگی جو ہم آج تک جیتے آئے ہیں' اس میں سے ان سب دنوں کو نکال دیتے ہیں' کبھی یاد نہیں کریں گے۔" حمزہ صہیب خان نے اسے دیکھا اوزگل کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ تھی۔

"چلو چائے سے شروع کرتے ہیں۔" دونوں کے منہ سے ساتھ نکلا اور پھر دونوں ہنس دیئے' دونوں اٹھ کر کچن میں چلے آئے اور پھر اوزگل نے چائے پکائی تھی۔

"اوز جب ہماری شادی ہوگی تب تم روایتی دلہنوں کی طرح بیڈ پر میرا انتظار کرنے کے بجائے میرے لیے چائے لے کرآنا۔"

"اور تم بیڈ پر بیٹھ کر میرا انتظار کرلینا۔" اس نے مسکرا کر چائے کا مگ اسے تھمایا تھا۔

"کیا ہماری مائیں یہ گوارا کریں گی کہ ان کی گھرانے کی عزت ان کی شان ان کی بہو رخصت ہوکر گھر آتے ہی کچن میں گھس جائے۔" حمزہ صہیب خان مسکرایا دونوں اس لمحہ واقعی سب کچھ بھول کر آنے والی زندگی کے لیے خوش تھے۔

"اب تمہارے لیے سب کو ناراض تو کرنا ہی ہوگا۔" اس نے معصومیت سے کہا وہ بے اختیار ہنس پڑا۔ وہ دونوں تھکے ہوئے تھے جسمانی طور پر بھی اور اعصابی لحاظ سے بھی۔ چائے ختم کرتے ہی حمزہ اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا چینج کرنے کے بعد اسے یاد آیا کہ اوزگل کے کمرے کا اے سی خراب ہے' وہ فوراً کمرے سے نکلا مگر اوزگل کو لاؤنج میں دیکھ کر چونکا اس کا چہرہ دھواں دھواں ہو رہا تھا۔

"اوز...... کیا ہوا یہاں ایسے کیوں کھڑی ہو؟" وہ اس کے قریب چلا آیا۔

"کچھ نہیں' کیا ہوگا۔" اس سے نظریں چرائی۔

"کچھ تو ہوا ہے' تم اس طرح یہاں کیوں کھڑی ہو؟"

"مجھے یوں مت ٹالو' بتاؤ کیا ہوا عشنا نے کچھ کہا ہے تم سے۔" اس نے اس کا رخ اپنی طرف کیا۔

"وہ...... وہ تمہیں مجھ سے چھین لیں گی...... وہ...... وہ کہہ کر گئی ہیں کہ وہ تمہیں میرا نہیں رہنے دیں گی' حمزہ میں نے اپنے رب سے ہمیشہ تمہارے اور اپنے ساتھ کی سلامتی کے سوا کچھ نہیں چاہا' تمہارے علاوہ کچھ نہیں مانگا' عشنا کہہ کر گئی ہیں کہ وہ تمہیں مجھ سے چھینے بغیر نہیں رہیں گی۔" وہ رو رہی تھی اور اسے یہ سب جان کر جھٹکا لگا۔

"تمہارے سرکل میں سب تم سے مرعوب ہوتے ہیں' سب تمہاری تعریف کرتے ہیں۔ میں اگر اس وقت ان کو دوسری باتوں میں لگاتی ہوں تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ میں تمہاری تعریف برداشت نہیں کرتی بلکہ میں یہ پسند نہیں کرتی کہ کوئی تمہیں نظر بھر کے دیکھے۔ مجھے ہمیشہ پہلے سے اس بات سے ڈر لگتا تھا حمزہ کہ مجھے تم سے کوئی الگ نہ کردے۔ میں نے اپنے رب سے ہمیشہ تمہیں مانگا اپنے رشتے کی سلامتی مانگی' پھر یہ کیا ہوگیا حمزہ...... یہ عشنا خان ہمارے بیچ کہاں سے آگئی؟"

"وہ ہمارے بیچ نہیں آئی' تم ایسا کیوں سوچ رہی ہو۔ تمہیں اپنی دعاؤں پر یقین نہیں ہے کیا؟ اپنے رب پر بھروسہ رکھو ویسے مجھے اپنی اہمیت کا کبھی اندازہ نہیں ہوا' واؤ یار' میں کتنا لکی ہوں مجھے اوزگل خان اتنی شدت سے چاہتی ہے کہ دعاؤں میں صرف مجھے ہی مانگتی ہے۔" حمزہ کے لہجے میں شرارت گھلی تھی۔

اوزگل کی آنکھیں بند ہوتی چلی گئی اس کا اپنے رب پر یقین بڑھتا جارہا تھا کہ حمزہ کو اس سے کوئی الگ نہیں کرسکتا۔ حمزہ اسے لے کر اپنے کمرے میں آگیا اوزگل کے سوجانے کے بعد کچھ دیر بعد حمزہ بھی سوگیا تھا۔

❁......❁......❁

"حمزہ فجر کا وقت ہونے والا ہے پلیز اٹھ جاؤ۔" ہونے والا ہے سن کر اس نے پھر آنکھیں بند کرلیں وہ نماز کا بہت چور تھا لیکن آج تو اسے شکرانہ ادا کرنا تھا اسے اٹھنا تھا مگر اوزگل اس کے پھر سے آنکھیں بند کرلینے پر جھنجھلا ہی تو گئی وہ اس کے اتنے قریب تھی کہ اس کے گجرے کی خوشبو نے اسے مکمل طور پر اپنے حصار میں لے رکھا تھا اوزگل نے اس کے کان کے قریب اپنے چہرے کو کرتے ہوئے سورۃ رحمٰن کی تلاوت شروع کی اسے سورۃ رحمٰن سمجھنے کے لیے کسی ترجمہ کی ضرورت نہ تھی اسے اتنی عربی آتی تھی اور جب وہ فبای الاء پر پہنچی تو اس نے ایک گہرا سانس لے کر آنکھیں کھول دیں۔ اوزگل "تکذبان" پر پہنچی تو اذان شروع ہوگئی وہ چپ ہوگئی اور حمزہ اٹھ بیٹھا۔ اس کے دماغ پر مکمل طور پر اس خوشبو کا قبضہ تھا جو اوزگل کے گجرے کی مہک تھی۔ اذان پوری ہوئی نہیں تھی کہ دھڑ سے اس کے کمرے کا دروازہ کھلا۔

"حمزہ......" اوزگل کی چیخ سے اس کی نیند کا خمار ٹوٹ گیا وہ اچھل کر کھڑا ہوا' شازم خان ہاتھ میں پسٹل لیے کھڑا تھا۔

"یہ کیا حرکت ہے شازم خان؟" حمزہ کے لب بھینچ گئے۔ اوزگل نے شازم کو حرکت کا موقع دیئے بغیر ٹیبل لیمپ کھینچ مارا لیکن وہ پھرتی سے سائیڈ پر ہوا' اس شور پر سبھی نے اپنے کمروں سے ان کے کمرے کا رخ کیا ان میں سے کوئی بھی ساری رات نہ سوسکا تھا عشنا اپنی محبت کے غم میں اور باقی بھی سب پریشانی کے باعث جاگ رہے تھے۔

"شازم......" عشنا کی چیخ سب پر بلند تھی کیونکہ اس کی ریوالور کا رخ اوزگل کی طرف نہیں بلکہ حمزہ صہیب کی طرف تھا' اوزگل حمزہ صہیب خان کے بازو کے گھیرے میں تھی۔

"ہم نے تمہیں بہت خوشیاں دی ہیں تمہاری خوشی کو ہر قیمت پر خریدا ہے لیکن یہ حمزہ صہیب تمہارا نہیں ہوسکتا نہ ابھی اور نہ اوزگل کے بعد اوزگل کو مارنے کا کوئی فائدہ نہیں ہاں اگر حمزہ صہیب خان کو ماردیا جائے تو اوزگل مجھے ضرور مل سکتی ہے۔" سب ششدر کھڑے تھے۔ مما بڑی تائی دل تھام کے رہ گئیں۔

"تم ایسا نہیں کرسکتے' مجھ سے میری زندگی نہیں چھین سکتے۔" عشنا نے اس سے پسٹل چھیننا چاہا مگر اس نے دوسرے ہاتھ سے عشنا کو قابو کرلیا۔

"شازم...... شازم تمہیں اللہ کا واسطہ ہمارے بچوں کو چھوڑ دو۔" بڑی تائی کے قدم تو زمین نے جکڑ لیے تھے انہوں نے ہاتھ جوڑے مگر وہ کسی کی سن کب رہا تھا۔

"وہ تمہاری زندگی ہے ہی نہیں وہ تمہیں خوشی نہیں دے سکتا۔" وہ لمحے بھر کو عشنا کی طرف متوجہ ہوا اور اسی لمحے فضا میں فائر کی آواز گونجی اوزگل کے ہوش کا آخری منظر حمزہ کے جسم میں گولی لگنے سے نکلتا ہوا خون تھا اس نے بھاگ کر حمزہ کے گرتے وجود کو اپنی بانہوں میں لیا اور پھر خود بھی اس پر گرگئی تھی۔

❁......❁......❁

"شکر ہے اللہ کا کہ آپ کو ہوش آگیا۔" اس کی آنکھ کھلی تو سفید لباس میں ملبوس ایک لڑکی بولی وہ خاموشی

سے اسے دیکھتی رہی وہ اس وقت اپنا نام تک نہیں جانتی تھی۔

"آپ کو پتا ہے آپ کو دو سال بعد ہوش آیا ہے آپ کومہ میں چلی گئی تھیں۔" وہ لڑکی باہر نکل گئی اس کا دماغ بالکل سن تھا اسے کچھ بھی یاد نہ تھا' تقریباً دو گھنٹے وہ اکیلی رہی پھر بڑی تائی' الیشبہ ملیحہ کمرے میں داخل ہوئیں اور ذہن بیدار ہوگیا اسے سب کچھ یاد آ گیا وہ سب رو رہی تھیں۔

"حمزہ...... حمزہ کہاں ہے بڑی تائی اور...... اور مما......؟" اس کی نظریں بڑی تائی پر تھیں۔

"وہ ہمیں چھوڑ گیا وہ ہمیں...... چھوڑ گیا......" بڑی تائی بے دم ہوکر کرسی پر ٹک گئیں۔

"اور مما۔" اس کے لب ہلے تھے۔

"سب ہمیں چھوڑ گئے گل...... سب ہمیں چھوڑ گئے۔" وہ پھوٹ پھوٹ کے رونے لگی اب یہ رونا ہمیشہ کے لیے اس کا مقدر بن چکا تھا۔ حمزہ کو مرتے دیکھ کر عشنا کسی بپھری ہوئی شیرنی کی طرح شازم خان کی طرف بڑھی اور ریوالور اس سے چھین کر خود اپنے ہاتھوں سے اس کی جان لے لی پھر وہ بے قرار ہوکر حمزہ کے پاس آ ئی تھی۔

"حمزہ اٹھو...... دیکھو شازم کو مار ڈالا میں نے اسے جس نے تمہیں اتنی گہری چوٹ دی...... اٹھ جاؤ حمزہ' پلیز آنکھیں کھولو۔" وہ اسے جھنجھوڑ رہی تھی اور باقی سب بت بن گئے تھے۔

"اٹھ جاؤ حمزہ...... اٹھ جاؤ۔" شازم تڑپ رہا تھا۔

"اگر تم نہیں اٹھے تو میں خود کو بھی گولی مار دوں گی' میں مر جاؤں گی تمہارے بغیر۔" وہ بھلا کیسے اٹھتا عشنا نے اپنی کنپٹی پر پسٹل رکھ لیا جھک کر حمزہ کے چہرے کو چومتے ہوئے اس نے گولی چلادی اور مما اس کے ساتھ ہی گری تھیں پھوپو بھی بے ہوش ہوگئیں بڑی تائی کو حیرت ہوئی کہ ان کا دل کیوں نہ بند ہوا اور ماہ روز پتھر کا بت بنی کھڑی رہ گئی لیکن شازم کا تڑپتا وجود اسے ہوش میں لایا' ایمبولینس منگوائی پھوپو کو چار گھنٹے بعد ہوش آ گیا تھا۔ شازم اٹھارہ گھنٹے بعد خطرے سے باہر آ گیا تھا' مما اور عشنا کی تدفین ہوگئی جب الیشبہ اور ملیحہ واپس آ ئیں تو یہ ان کا وہ گھر نہیں تھا جہاں سے وہ فقط کچھ دن پہلے ہی رخصت ہوئی تھیں شازم کو صحت یاب ہوتے ہی پولیس لے گئی مگر پھوپو بھاری رقم ادا کرکے اسے اپنے ساتھ امریکہ لے گئی تھیں۔ ماہ روز بھی ان کے ساتھ چلی گئی تھی وہ دو تین ماہ بعد فون کرکے ضرور اوزگل کے متعلق پوچھا کرتی تھی' شازم جسمانی طور پر ٹھیک ہوگیا تھا لیکن ذہنی طور پر اپ سیٹ تھا۔

اس کے بعد اوزگل چاچو کے ساتھ ان کے کاٹیج آ گئی تھی جو کاغان کی ایک وادی میں تھا یہ جگہ سے اس لیے پسند آئی کیونکہ یہاں تنہائی تھی اور اسے حمزہ سے بچھڑے چار سال ہوگئے تھے پتا نہیں وہ جو ایک لمحہ حمزہ کے بغیر نہیں گزار سکتی چار سال سے کیسے زندہ تھی۔

✿......✿......✿

"حمزہ اب مجھے چھوڑ کر مت جانا۔" بڑی تائی کو ہوش آ گیا تھا' اوزگل کے غصے کو مکمل نظر انداز کرتا وریام کپور تائی کے پاس چلا آیا۔

"تائی...... پلیز تائی سنبھالیں خود کو یہ حمزہ...... حمزہ نہیں ہے یہ۔" وہ بہت اذیت میں تھی' وہ وریام کپور کی حقیقت ان سب سے زیادہ جانتی تھی لیکن بڑی تائی تھیں کہ کچھ سننے پر تیار نہ تھیں' وہ اسے ساتھ گھر لائی تھیں وریام کو الیشبہ نے حمزہ صہیب خان کے متعلق سب بتادیا تھا اس گھر میں چپے چپے پر حمزہ صہیب خان اور اس کی خوش باش فیملی کی یادیں تصویروں کی صورت موجود تھیں کھانا کھا کر تائی اوزگل کو زبردستی پر اپنے کمرے میں لے آئی تھیں۔ الیشبہ ملیحہ نے اپنے گھر فون کرکے تائی کی طبیعت خرابی کا بتا کر وہیں رکنے کا کہہ دیا تھا سو اب وہ دونوں بھی یہیں تھیں۔

"میں نے سنا تو تھا کہ دنیا میں ایک شکل کے سات لوگ ہوتے ہیں مگر کبھی اس بات پر یقین نہیں کیا تھا مگر آپ تو بالکل حمزہ بھائی کے جیسے ہیں کوئی تل کا بھی فرق

نہیں ہے آپ میں۔" ملیحہ جیسے ابھی تک خود کو یقین نہ دلا سکی تھی۔

"جب اوزگل نے آپ کو پہلی بار دیکھا ہوگا تو پتا نہیں اس کی کیا حالت ہوئی ہوگی اس کے لیے تو وہ جان کنی کا لمحہ ہوگا جبکہ اسے کوئی یہ بتانے والا بھی نہیں ہوگا کہ آپ حمزہ صہیب خان نہیں۔" الیشبہ نے کہا تو اسے یاد آیا اوزگل نے تو ان لوگوں کی طرح ری ایکٹ نہیں کیا تھا اس کے کسی انداز سے تو وریام کپور کو کبھی لگا ہی نہیں کہ وہ اس چہرے کا مالک ہے جو اوزگل کی متاع کل تھا۔ وہ ایک گہرا سانس لے کر رہ گیا۔ وہ حمزہ کے بعد کس حد تک خود کو سنبھال چکی ہے اس کا اندازہ لگایا جاسکتا تھا۔ وہ حمزہ کے بغیر جینا سیکھ چکی تھی' حمزہ اب کبھی لوٹ کر نہیں آ سکتا اس کا یقین کرچکی ہے' اس کے لیے اپنی باقی زندگی گزارنا اب خاصا سہل ہوچکا ہے کیونکہ امیدیں زندگی کو مشکل کردیتی ہیں اور اس کی سب امیدیں ختم ہوچکی ہیں بس اسے اب اپنی سانسیں پوری کرنی ہیں۔

"آپ آرام کریں رات بہت ہوچکی ہے۔" ملیحہ نے کہا تو وہ چونکا' اس نے پریا کو فون تک نہیں کیا تھا وہ اس کے لیے یقیناً پریشان ہوگی وہ دونوں چند روز قبل ہی پاکستان آئے تھے اس نے باقاعدہ طور پر مذہب اسلام قبول کرلیا تھا پریا ہی اسے زبردستی پاکستان لائی تھی اسے اوزگل سے ملنا تھا۔

"نہیں' میں چلتا ہوں۔" اس نے ٹائم دیکھا ساڑھے بارہ بج رہے تھے وہ قدرے بوکھلا کر اٹھا لیکن تبھی اوزگل چائے لے آئی۔ اس نے ایک خفگی بھری نگاہ وریام کپور پر ڈالی۔

"اوزگل تم کتنی شاکڈ ہوئی ہوں گی انہیں دیکھ کر ایک پل کو تو تمہیں بھی لگا ہوگا حمزہ لوٹ آیا ہے؟" الیشبہ نے چائے کا مگ وریام کو دیا۔

"میں صرف اتنا جانتی ہوں جو مر جاتے ہیں وہ پھر لوٹ کر نہیں آتے۔" وہ ایک نظر وریام کپور پر ڈال کر لاؤنج سے باہر نکل گئی اور وریام اپنا مگ اٹھائے اس کے پیچھے آنے سے خود کو روک نہیں پایا وہ سیڑھیوں پر گرل سے ٹیک لگائے بیٹھی تھی۔

"تمہیں اس آسیب زدہ گھر کے سامنے ایسا لگا ہوگا کہ میں حمزہ کا آسیب ہوں۔" وہ اس سے دو سیڑھیاں نیچے اتر کر بیٹھ گیا اور کپ اس نے سائیڈ پر رکھ لیا تھا۔ تبھی دروازے پر کوئی گاڑی آ کر رکی تھی وہ سب چونکے چوکیدار نے گیٹ کھول دیا تھا۔

"یہ کون آ گیا؟" ملیحہ چونکی...... الیشبہ نے اوزگل کو دیکھا۔

"ماہ روز ہے' آج صبح ہی اس سے ملاقات ہوئی ہے۔" اوزگل نے آہستہ سے جواب دیا ملیحہ اور الیشبہ کی پیشانی پر ان گنت بل آ گئے چار سال پہلے ان لوگوں کی وجہ سے جو نقصان ان کے حصے میں آیا تھا وہ قابل معافی ہرگز نہ تھا سو ملیحہ الیشبہ نے کبھی ان لوگوں سے پھر رابطہ نہ رکھا تھا۔ وریام نے ایک نظر ان سب پر ڈالی اور پھر چائے کا مگ اٹھا لیا اسے چائے ختم کرکے جلد از جلد یہاں سے نکلنا تھا کیونکہ پریا اس کا انتظار کررہی ہوگی۔

کار اب اندر آ چکی تھی وہ اتر کر اندر کی طرف بڑھی تھی الیشبہ ملیحہ اوزگل کھڑی ہوگئیں لیکن وریام کپور ایک جھٹکا کھا کر رہ گیا تھا۔

"پریا......!" وریام حیرت زدہ تھا کہ پریا وہاں کیسے پہنچ گئی تھی وہ تینوں بھونچکا رہ گئیں۔

"پریا......!" اوزگل نے بڑے کرب سے دہرایا اور وہ جو پتا نہیں پریا تھی یا ماہ روز مجرموں کی طرح سر جھکائے کھڑی تھی۔ پریا اگر ماہ روز تھی تو وریام کپور ان کا حمزہ صہیب خان تھا لیکن یہ کیسے ہوگیا' اوزگل الیشبہ ملیحہ تینوں کے دماغ ماؤف ہوگئے۔

"پریا تم یہاں کیسے آ گئیں' تمہیں کس نے بتایا میں یہاں ہوں؟" وہ حیران ہوا مگر اس کی بیوی اس کی طرف متوجہ نہیں تھی وہ اوزگل کو دیکھ رہی تھی۔

"مجھے معاف کردینا اوزگل...... میں تمہاری مجرم ہوں لیکن یقین کرو کہ میں نے کبھی حمزہ کو تم سے الگ کرنے کا

نہیں سوچا تھا۔ بڑی تائی اور مما تم سب کی موت کو قبول کرچکی تھیں شازم ٹھیک تھا مجھے لگا اگر میں نے حمزہ کی زندگی کے متعلق بتایا تو وہ پھر حمزہ کو نقصان پہنچائے گا پھر تم کومہ میں چلی گئیں اور حمزہ جب زندگی کی طرف لوٹا تو اپنی یادداشت گنوا چکا تھا۔ ڈاکٹر نے بتایا کہ اب وہ کبھی کچھ یاد نہیں کرپائے گا تو مجھے لگا یہ سب میرے لیے ہوا ہے حمزہ کو میرا ہونا تھا' حمزہ دراصل میرا تھا اسی لیے اتنا بڑا حادثہ ہوگیا پھر اس کے بعد جو کچھ ہوا اس کے بعد تو مجھے پختہ یقین ہوگیا کہ میں اور حمزہ ایک دوسرے کے لیے بنے ہیں' ہمیں ایک ایسا شخص ملا جو وریام کپور کو جانتا تھا وریام کپور اور اس کی بیوی کی ڈیتھ کے بعد اس کی فیملی تھی جنہیں وریام کی ضرورت تھی میں حمزہ کو وہاں لے گئی مجھے لگا تھا کہ میرے اور اس کے درمیان کوئی دوری نہ رہے گی لیکن میری ساری تدبیریں اسے میرا نہ کرسکیں کیونکہ وہ تمہاری تقدیر تھا۔ اسے سب کچھ بھول چکا تھا مگر تمہاری وجود کی وہ خوشبو کبھی نہ بھول سکا' اوزگل میں تم سے ہار گئی......" وہ سب دم بخود اسے دیکھ رہے تھے لیکن اگلے پل وہ سب چونکے جب بڑی تائی کا تھپڑ ماہ روز کے چہرے پر پڑا تھا۔

"اتنا بڑا گناہ کرکے تمہیں ذرا سی حیا بھی نہ آئی' پہلے تمہاری بہن نے ہماری زندگی میں زہر گھولا پھر تمہارے بھائی جس نے میرا پورا گھر تباہ کردیا حمزہ کی جان تک لے لی اور تم نے تو میرے حمزہ کی آخرت برباد کردی اس کا ایمان چھین لیا۔ تم نے ماہ روز اس کا مذہب چھین لیا ہماری زندگیوں سے ایسی ہوس زدہ لڑکی نکلی تم...... دفع ہوجاؤ ابھی اور اسی وقت میرے گھر سے نکل جاؤ۔" وہ جو صرف اس خیال سے باہر آئی تھیں کہ حمزہ کہیں پھر نہ چلا جائے اتنے بڑے انکشاف کی زد میں کھڑی تھیں' اوزگل گھٹنوں کے بل زمین پر بیٹھتی چلی گئی اور وہ جو جانے حمزہ تھا یا وریام کپور اپنے کسی بھی احساس کو سمجھ نہ پارہا تھا۔

"پریا...... یہ سب کیا ہے؟" وہ تڑپ کر اس کے نزدیک ہوا۔

"یہ سب ہماری زندگی کا سچ ہے۔" وہ تڑپ کر رونے لگی۔ "میں تمہیں پانے کے لیے اتنا گر گئی تھی اس پل میرا مقصد صرف تم تھے مگر میں بھول گئی کہ اوزگل نے تمہیں رب تعالیٰ سے مانگا ہے اور وہ دعائیں قبول کرنے والا ہے اس نے اوزگل کی دعائیں قبول کی تھیں اس کے اور تمہارے بیچ کوئی آ ہی نہیں سکتا تھا نہ عشنا آسکی نہ شازم آسکا اور نہ ہی ماہ روز کچھ کرسکی تم اس کے ہو...... تم صرف اس کے ہو۔"

"مجھے کچھ یاد نہیں' میں کچھ نہیں جانتا میں نے چار سال بس تمہیں دیکھا ہے خود سے تمہاری محبت کو دیکھا ہے تمہیں پتا ہے اگر اس پل مجھے فیصلہ کرنے کو کہا جائے تو بلاشبہ میرا دل اس لڑکی کی طرف جھکے گا جس کا نام اوزگل ہے جب میں نے اسے دیکھا تو مجھے لگا تھا کہ میرا اس سے ضرور کوئی مضبوط تعلق رہا ہے۔ تم نے نہ صرف اوزگل کو مجھ سے چھین لیا بلکہ میرا ایمان چھین لیا جو ہستی وحدہ لاشریک تھی میں اس کے ساتھ شریک ٹھہراتا رہا میرے لیے تم نے جہنم کے سب دروازے کھلوا دیئے یہ تھا تمہارا عشق جس کے آگے میں سات سال شرمندہ رہا اب تو مجھے اس پر شرمندگی ہورہی ہے کہ کبھی میں نے تمہارے لیے اپنے دل میں ہمدردی بھی کیوں محسوس کی' وہ بے حد مشتعل ہوا۔

"ملیحہ پولیس کو بلاؤ میں ماہ روز کو کڑی سے کڑی سزا دلواؤں گی میں اس کا وہ حشر کروں گی کہ یہ تڑپ کر موت مانگے گی۔" وہ دونوں بری طرح چونکے اور اوزگل آگے بڑھ کر تائی کو روکا جو اپنا ضبط کھو کر ماہ روز کو مارنے لگی تھیں۔

"بڑی تائی' ہم اسے کوئی سزا نہیں دیں گے۔" اس کی بات پر سب نے چونک کر اوزگل کو دیکھا۔

"مگر اوزگل......" ملیشہ نے کچھ کہنا چاہا اس نے ہاتھ اٹھا کر روک دیا۔

"تمہیں پتا ہے ماہ روز' عشنا خان اسے مجھ سے کبھی نہیں چھین سکی کیونکہ تب میں اپنے رب سے شدت سے حمزہ کا ساتھ مانگا کرتی تھی اور اس کے بعد میں نے اس کے لیے جنت مانگی تو اللہ نے تمہاری وجہ سے حمزہ پر کھلنے والے جہنم کے سب دروازے بند کردیئے میں تو جنت میں حمزہ کا ساتھ مانگتی رہی اور اس نے مجھے یہیں جنت دے دی۔" اس نے حمزہ کو دیکھا جو اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

"ماہ روز حمزہ کل بھی میرا تھا اور حمزہ آج بھی میرا ہے کیونکہ اللہ نے اپنے فضل سے اسے میری تقدیر کردیا ہے۔ تم نے جو بھی کیا یہ تم نے نہیں کیا سب تقدیر میں لکھا تھا۔" ماہ روز کو پتا تھا اس کے ساتھ یہی ہونا تھا اس نے بڑے خلوص کے ساتھ حمزہ صہیب خان کو چاہا تھا مگر اس کا عشق ہارا تو اس کا خلوص ہار گیا کیونکہ جیتنے کے لیے اوزگل تھی اور وہ حمزہ صہیب خان کو جیت چکی تھی۔

"میں جانتی ہوں یہ تمہارے لیے مشکل ہوگا مگر ہوسکے تو مجھے معاف کردینا حمزہ۔" وہ روتی تڑپتی اس کے سامنے کھڑی تھی۔

"میں تمہاری مجرم ہوں تمہاری گناہ گار ہوں میرے پاس سوائے اس کے اور کچھ کہنے کو نہیں حمزہ کہ میں تم سے بہت پیار کرتی ہوں۔" اس نے نظریں اٹھا کر اس لڑکی کو دیکھا کیا کیا نہ تھا اس کی نگاہوں میں شکوہ' خفگی' بے یقینی' ناراضگی اور...... اور شاید نفرت بھی۔ یہ نفرت دیکھنے کی ماہ روز میں تاب نہ تھی وہ یکلخت مڑی۔

"حمزہ تمہیں کچھ یاد نہیں ہے' چلو ٹھیک ہے لیکن ایک بات جان لو تم پر اللہ نے ہمیشہ اپنی رحمت نازل کی ہے تبھی تو تمہارے لاشعور میں اللہ کی حقانیت تھی تبھی تو آج تم نے اپنے ہوش و حواس میں خدائے برتر کے وحدہ لاشریک ہونے کا اقرار اپنی زبان و دل سے کرلیا یہ تم پر اللہ کی رحمت ہی تھی کہ تم جہنم کے راستے سے پلٹ آئے۔" یہ وہ آواز تھی جسے سننے کے لیے اس نے بھی لاکھ جتن کیے تھے۔ اوزگل کچھ دیر خاموش ہوکر اس کے چہرے کو دیکھنے لگی پھر گویا ہوئی۔ "اور اللہ کی رحمتوں نے مجھے بھی اپنے سائے میں لیا ہے اس کی بے شمار رحمتوں نعمتوں میں ایک رحمت مجھ پر یہ ہے...... کہ تم میرے ہو......"

"مرتد کے احکام تو یہی ہیں کہ اس کا اپنا گھر ماں باپ اولاد سے کوئی تعلق نہیں رہتا اس کا نکاح بھی فسخ ہوجاتا ہے اس کی بیوی کو اختیار دیا جاتا ہے کہ وہ کسی سے بھی شادی کرسکتی ہے مگر چونکہ حمزہ مرتد نہ ہوا تھا بلکہ اس کی یاد......"

"لیکن حمزہ خود سے تو مرتد نہ ہوا تھا۔" بڑی تائی نے صبح ہی اپنے بھانجے کو بلالیا تھا جو ایک بڑے عالم دین تھے وہ حمزہ کو دیکھ کر حیران ہوئے پھر خاندان کے سب ہی لوگ آگئے تھے سب سکتہ میں تھے سب ماہ روز کو برا بھلا کہہ رہے تھے اور سب کے بیچ بیٹھا وہ بے چین تھا' اوزگل کے ایک جملے کے بعد وہ ماہ روز کے ساتھ نہ جاسکا تھا۔ وہ ماہ روز کو چاہتا تو نہیں تھا لیکن چار سال سے جانتا تو صرف اسے ہی تھا اور شاید یہ وہی رشتہ تھا جو یقین نہیں کرپارہا تھا کہ وہ بری ہوسکتی ہے۔ اس نے صرف اس کی اچھائیاں ہی دیکھی تھیں وہ بری تھی وہ جان گیا تھا لیکن مان نہیں رہا تھا۔

"بلاشبہ ایسا ہی ہے حمزہ کی یادداشت چلے جانے کا فائدہ اٹھا کر اسے گمراہ کیا گیا تھا' اب وہ مسلمان ہے تو بھی وہی احکام لاگو ہوں گے اس کے گھر والے اور دیگر رشتہ داروں سے اس کا تعلق بحال ہوسکتا ہے لیکن بیوی تو اب تجدید نکاح کے بعد ہی اس کی ہوسکتی ہے وہ بھی اگر لڑکی کی مرضی ہو تو......؟" اوزگل نے حمزہ کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا تھا' وہ مضطرب تھا۔

"بس تو پھر آج ہی رسم نکاح ادا کردیتے ہیں۔" بڑی تائی بولیں اس کا اضطراب بڑھ گیا۔

"ابھی نہیں......" وہ یک دم بولا تو سب چونک گئے۔

"میرا مطلب تھا کہ......" اس نے بے چینی سے پہلو بدلا۔ "کہ مجھے کچھ بھی یاد نہیں' مجھے کچھ وقت چاہیے اصل میں......" اوزگل ایک جھٹکے سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"ابھی نہیں تو کبھی نہیں۔" اس نے اسے دیکھا۔

"جب چار سال میں کچھ یاد نہیں آسکا تو آگے کیا امید کی جاسکتی ہے۔" وہ بے حد مضطرب ہوگیا۔ "بڑی تائی میں

اس رشتے کو کیسے نبھا سکوں گی؟ میرے لیے تو حمزہ مر چکا تھا آپ کو اس کے لوٹ آنے کا یقین ہو تو بہر حال مجھے نہیں تھا مجھے حمزہ کے بغیر جینا سیکھ چکی ہوں میں واپس جا رہی ہوں چاچو میرا انتظار کر رہے ہوں گے۔" وہ یک دم پلٹی۔

"رکو اوزگل......" بڑی تائی کی آواز پر وہ رک گئی وہ بھی بوکھلا کر اٹھ کھڑا ہوا یہ سب تو اس کے لیے بالکل اجنبی تھے جانتا اگر وہ کسی کو تھا تو وہ اوزگل تھی چاہتا بھی اگر وہ کسی کو تھا تو وہ بھی اوزگل تھی وہ اسے ایسے ہرٹ نہیں کرنا چاہتا تھا مگر ایسے قبول بھی کیسے کر سکتا تھا۔

"بچوں والی حرکتیں مت کرو وہ تمہارا حمزہ ہے اسے تمہاری ضرورت ہے بیٹا۔" بڑی تائی نے کہا تو اس نے گھور کر حمزہ صہیب خان کو دیکھا۔ دوسرے دن شام کو ان کے نکاح اور رخصتی کی رسم ادا کی جانی تھی صبح فجر کے وقت اس نے چاچو کو لفظ بہ لفظ یہاں ہونے والی یہ انوکھی کہانی سنائی تھی چاچو شام کو آ گئے تھے۔

"مجھے لگ رہا تھا تمہارا نکاح کہیں میں مس نہ کر دوں۔"

"ویسے تم نے اسے بتا تو دیا ہے ناں کہ تم کون سا بلڈ گروپ پیتی ہو۔"

"چاچو......" اس نے انہیں خفگی سے گھورا کھانا لگ گیا تھا صوفے پر ان دونوں کے ساتھ صرف چاچو ہی رہ گئے تھے اسے بڑی تائی نے باقاعدہ دلہن بنوایا تھا۔ ریڈ کلر کے لہنگے سوٹ میں وہ برائیڈل میک اپ کیے بے پناہ حسین لگ رہی تھی پھر اس پر بڑی تائی نے اپنے خاندانی زیور بھی اس پر چڑھا دیے تھے۔

"اور تمہیں یاد ہے کہ یہ سائلنس پن ڈراپ میں سونے کا عادی ہے۔" چاچو کی اس بات پر وہ چونکا اور پھر اس کی مسکراہٹ بے ساختہ تھی۔ اتنے دن بعد وہ اس کی پہلی مسکراہٹ تھی اور کتنے دن ہوئے اسے مسکراتے تو گننے کی ضرورت نہیں تھی اس دن اس کی آخری مسکراہٹ تھی جس دن وہ اوزگل کے ساتھ بازار گیا تھا اور واپسی پر اسفند کی فیملی کو اوزگل نے بتایا تھی کہ "وہ شادی شدہ ہے اس کا شوہر واپس آ گیا" یہ بات کہتے ہوئے اوزگل کو خود بھی معلوم نہیں تھا کہ واقعی اس کا شوہر واپس آ گیا ہے اس نے تو بس اسفند کو ٹالنے کے لیے کہا تھا جو سچ ہو گیا۔

"اور چاچو یہ بھی تو پوچھا تھا کہ یہاں اکیلی رہتی ہیں یا کوئی اور بھی ساتھ ہے۔" اس نے کہا تو چاچو نے قہقہہ لگایا اس نے خفگی سے دیکھا دونوں ہر بار کی طرح اس کا مذاق اڑا رہے تھے۔

"ویسے اگر یہ تب کہہ دیتی کہ "مسٹر حمزہ صہیب میں تمہاری یادوں کے ساتھ رہتی ہوں" تب اور کچھ نہ بھی ہوتا تو تم کم از کم بے ہوش ضرور ہو جاتے۔" چاچو نے اب روئے سخن اس کی طرف کیا تو وہ جھینپ گیا۔

"میں نہیں کہہ سکتی چاچو کیونکہ یہ میرا حمزہ نہیں ہے۔" اس کے یوں کہنے پر دونوں نے چونک کر اسے دیکھا اس کی آنکھوں میں نمی تھی۔

"تب مجھے معلوم تھا کہ میرا حمزہ مر چکا ہے اور اب...... اب مجھے یقین ہو نہیں رہا کہ یہ ہی میرا حمزہ ہے۔"

"اوزگل......" چاچو نے افسردگی سے اسے ساتھ لگایا۔ "خود کو سنبھالو بیٹا ورنہ اسے کیسے سنبھالو گی؟ تم نے تو صرف حمزہ صہیب کو کھویا ہے اس نے تو تم سے بھی قیمتی چیز کھوئی ہے اس نے تو اپنی یادیں کھوئیں ہیں بیٹا یہ یادیں ہی ہوتی ہیں جو ہمیں اچھے برے وقت میں سنبھال لیتی ہیں ہمارا سرمایہ ہوتی ہیں ہم جب برا کرنے لگتے ہیں تو یاد آتا ہے کہ اس برائی کا انجام پہلے بھی ہمارے لیے برا ہی رہا ہے اور اچھائی پر یاد آتا ہے ہم کتنے انعام کے حق دار ٹھہرے پھر اچھی بری یادوں کا کیا؟ یہ تو اپنے رب کو بھی کھو چکا تھا اگر اللہ کا فضل نہ ہوتا اور تم اسے نہ ملتیں تو کیا ہوتا اس کی آخرت کا؟ تم نے اس کی آخرت کے لیے اسے وقت دیا تھا اس کی ہر الجھن کو بڑے سلیقے سے سلجھایا تھا تو تھوڑا وقت اس کی دنیاوی زندگی کو بھی دے دو۔" وہ چاچو کو دیکھ رہے تھے۔ وہ بہت مضبوط تھی پھر اسے کیا ہوا شاید یہ وہ شدید ترین محبت تھی جو یہ برداشت نہیں کر پا رہی تھی کہ حمزہ صہیب کسی اور کے متعلق سوچ بھی کیسے سکتا ہے کجا کہ کسی کے لیے تڑپنا وہ شرمندہ ہوئی۔

"اور مجھے معلوم ہے میری بیٹی تو بہت اچھی ڈاکٹر ہے وہ یقیناً اچھی دوا کرے گی حمزہ کے زخموں کی اتنی اچھی دیکھ بھال کہ حمزہ کے زخم جلد ہی مندمل ہونے کے ساتھ بلکہ ان کا نشان بھی مٹ جائے گا۔" انہوں نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا اوزگل نے اثبات میں سر ہلایا اور وہ لب بھینچ کر رہ گیا چاچو نے کتنا ٹھیک کہا تھا۔ وہ واقعی اس مذہب کے متعلق پہلے ہی کافی شبہات کا شکار تھا لیکن اس لڑکی پر اس کا یقین ایمان کی حد تک بڑھا ہوا تھا وہ اس کے خلوص اور چاہت کے آگے ہمیشہ شرمندہ رہا تھا جو اسے صرف دھوکہ اور جھوٹ پر مبنی زندگی دے رہی تھی۔

"چاچو آپ ان دونوں کے ساتھ کھانا کھالیں۔" الشبہ نے ٹیبل لگوا دی پھر کھانے کے بعد رخصتی کی رسم ادا کی گئی الشبہ اور ملیحہ اسے کمرے میں بٹھا گئیں وہ چند لمحے باہر کھڑا رہا یہ اس کا اپنا کمرہ تھا لیکن وہ سب کی طرح اسے بھی بھول چکا تھا وہ آہستگی سے اندر داخل ہوا اور چونکا اوزگل سامنے بیڈ پر نہیں تھی اندر آ کر اس نے کمرے کا اچھی طرح جائزہ لیا اوزگل کمرے میں ہی نہیں تھی۔ کمرے کا ایک دروازہ ٹیرس کی طرف کھلتا تھا اور اس دروازے سے نکل کر ٹیرس پر اور پھر ٹیرس سے گھر کے کسی بھی حصے میں جایا جا سکتا تھا اوزگل اسی دروازے سے نکل کر اپنے کمرے میں جا چکی تھی۔

"یا اللہ کیا یہ سب میری زندگی میں ہونا ضرور تھا' کاش میں کاغان ہی نہ آتا۔ اے مالک اسلام تو کسی اور طریقے سے میری زندگی میں داخل کر دیتا۔" وہ بیڈ پر بیٹھ گیا۔

"کیا مہندی سے ایک دن پہلے تجھے ٹائم نہ ملا میری شادی میں آنے کا۔" اس کا دوست خفا تھا اس کی مہندی اس کے گھر پہنچنے والی تھی اور وہ اسے لینے ائیر پورٹ آیا ہوا تھا' کاغان شہر اس کے گھر سے دو گھنٹے کے فاصلے پر تھا' وہ اس وقت دوست کی گاڑی بہت ریش ڈرائیو کر رہا تھا تبھی انہیں بس نظر آئی جو دور سے ہی دیکھنے پر محسوس ہو رہی تھی کہ کسی فنی خرابی کے باعث کھڑی ہے اس میں سے کوئی اترا تھا اس کا خیال تھا کہ جب تک وہ وہاں پہنچے گا اترنے والا آگے بڑھ چکا ہوگا مگر وہ اترنے والا پہلے تو رکا رہا لیکن جب جیپ قریب آئی تو وہ آگے بڑھی اس نے فوراً بریک لگائے' ایکسیڈنٹ ہوتے ہوتے بچا تھا۔ لڑکی کا چہرہ اس کی طرف تھا اور آنکھیں بند تھیں آنکھیں تو اس کے دوست نے بھی بند کر لی تھیں اور ان سب سے ہٹ کر اسے تو سکتہ ہی ہو گیا تھا۔ وہ وریام کپور تھا وہ اپنی یادداشت کھو چکا تھا۔ اس لمحے وہ ہر چیز سے بے نیاز ہو گیا یہ وہ چہرہ تھا جو اس کے لاشعور میں ہمیشہ تھا۔ اس کی بے قراریوں کو قرار مل گیا تھا وہ حیران تھا یہ کون تھی؟ اور وہ آگے بڑھ گئی لیکن جس طرف دیکھ کر آگے بڑھی اس نے اس طرف دیکھا وہاں کوئی لڑکا کھڑا مسکرا رہا تھا اور اسے یک دم اس لڑکے سے جلن ہوئی۔

حیرت در حیرت تھی لحہ بھر میں یہ کیا ہو گیا تھا اسے وہ خود نہیں سمجھ پایا۔ وہ لڑکا آگے بڑھا اور ان سے ہیلپ لینے لگا تب معلوم ہوا کہ یہ وہ لڑکی والے ہیں جو اس کے ہی دوست کی مہندی لے کر جا رہے تھے اس نے وہیں اس کے بارے میں معلومات لی تھی۔ وہ اسے کیا بتاتا کہ اسے کیا ہو گیا ہے جبکہ اسے خود نہیں معلوم تھا کہ اسے کیا ہو گیا ہے تب اسے پہلی بار سات جنموں کے عقیدے پر یقین ہوا تھا اسے لگ رہا تھا کہ یہ لڑکی ضرور پچھلے جنم میں اس کی بہت قریبی رہی ہے تبھی اسے دیکھتے ہی وہ یوں دیوانہ ہو گیا ہے۔ چار دن گزرے تھے اسے وہاں کہ وہ آ گئی وہ اپنے دوست کے ساتھ کچھ گھنٹے گزارنے کے بعد وہاں واپس آ جاتا تھا وہ روز اس کا منتظر رہتا تھا کہ وہ کب واپس آئے گی پھر وہ آ گئی یوں آئی کہ اپنی ہر ملاقات میں اس کے قریب سے قریب تر آتی چلی گئی اس نے کبھی پریا کے آگے سے چائے نہیں اٹھائی اس نے کبھی پریا کا پراٹھا شیئر نہیں کیا۔ اس نے کبھی پریا کے لیے چائے نہیں پکائی' وہ ان دنوں پریا کو مکمل طور پر فراموش کر چکا تھا۔ وہ ان دنوں حمزہ صہیب بن چکا تھا شاید حمزہ صہیب اوزگل کے لیے

ایسا ہی تھا وہ یقیناً اس کے ساتھ پرانا شیئر کرتا ہوگا اس کے لیے چائے پکارا رہا ہوگا وہ ان دنوں کچھ اور بن گیا تھا وہ وریام کپور نہیں رہا تھا لیکن اب اسے احساس ہوا کہ اسے کیا ہوگیا تھا۔ وہ حمزہ صہیب تھا وہ اوزگل سے بے پناہ پیار کرتا تھا وہ محبت جو بہت کم ہوتی ہے لیکن بہت گہری ہوتی ہے بہت نایاب سی تبھی وہ سب کچھ بھول گیا۔ پریا کے یاد کروانے پر وہ کچھ یاد نہیں کر پاتا تھا کیونکہ جو پریا کہتی تھی وہ سچ نہیں تھا اور جو سچائی تھی جب وہ سامنے آئی یعنی اوزگل تو اس کے لاشعور میں موجود وہ محبت جو اوزگل کے لیے تھی وہ شعور میں آ گئی وہ اسے اوزگل کی طرف بڑھنے پر مجبور کرتی رہی اس کے شعور سے اوزگل کا چہرہ تو مٹ گیا مگر اس کے لاشعور سے اوزگل کی محبت نہیں مٹ سکی‘ حمزہ صہیب کی زندگی کے آخری لمحوں میں اوزگل کے ہاتھوں کے موتیے کے گجروں کی خوشبو نے ہمیشہ اسے پریا (ماہ روز) سے دور رکھا اور اسی اوزگل کو وہ اسی پریا کی خاطر ناراض کرچکا تھا۔

"اب کیا کروں؟ آخر مجھے کیا ضرورت تھی (ماہ روز) پریا کا اتنا خیال کرنے کی مگر میں اصل میں پریا کا خیال تو نہیں کر رہا ہوں بس یہ لوگ میری یادداشت سے مٹ چکے ہیں تو میں کچھ وقت لینا چاہتا ہوں واپس ان لوگوں میں گھلنے ملنے کے لیے لیکن اوزگل یہ بات نہیں سمجھ رہی اسے لگتا ہے کہ میں شاید پریا سے محبت کرنے......" ہلکی سی آواز پر وہ چونک کر مڑا‘ وہ دروازہ کھول کر اندر داخل ہو رہی تھی۔ اس کے ہاتھ میں ٹرے تھی اور اس میں دو کپ چائے تھی‘ وہ حیران ہوا۔

"میں نے سوچا کہ تمہارے سر میں درد ہو رہا ہوگا تو اسی لیے......" اس نے ٹرے اس کے قریب رکھی اور دوسری طرف بیٹھ گئی برائیڈل سوٹ میں وہ بہت حسین لگ رہی تھی اس روز سے زیادہ جب اس نے اسے سڑک پر دیکھا تھا اور اس روز سے بھی زیادہ جب اس کا دوپٹہ اس کے چہرے کو چھو رہا تھا۔ وہ یک ٹک اسے دیکھ رہا تھا۔

"چائے۔" اندر ہی اندر روتے دل کے ساتھ اس نے کہا‘ وہ اسے بے پناہ محبت سے دیکھ رہا تھا‘ وہ صرف اتنی ہی محبت و چاہت سے دیکھ رہا تھا جتنی وریام کپور کو ہو سکتی تھی اور وہ حمزہ صہیب خان کے ایک لمحے کے برابر بھی نہ تھی۔ وہ اس کا حمزہ صہیب تھا اور اسے تو بس اسی کی عادت تھی کیا وہ کبھی کچھ یاد بھی کر پائے گا یا نہیں؟ یہ وہ سوالیہ نشان تھا جو اوزگل کو بہت ڈسٹرب کر رہا تھا‘ وہ حمزہ صہیب ہوتا تو ابھی اسے منہ دکھائی میں ایک مینڈک ملنے والا تھا‘ وہ مینڈک جس کی وجہ سے وہ فرسٹ ائیر میں اپنی پڑھائی چھوڑنے والی تھی اور جس کے آپریشن کے بعد وہ پورے ہفتے بھر کھانا نہیں کھا سکی تھی۔ ہر طرف اسے مینڈک کا خون دکھائی دیتا اور اسے ابکائیاں لگ جاتی تھیں۔ حمزہ صہیب نے اسی وقت فیصلہ کرلیا تھا کہ رونمائی کا یہی گفٹ ہوگا اس کی دلہن کے لیے اور اپنے کسی فیصلے میں وہ اوزگل کو شامل نہ کرے ایسا ہو ہی نہیں سکتا تھا۔

"او کے تمہارے اس مذاق کی کڑی سزا ہوگی۔"

"اور وہ کیا ہوگی؟" وہ دلکشی سے مسکراتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔

"وہ سوچنے لگی۔" اس کے جواب پر وہ ہنس دیا۔

"وہ مینڈک سزا ہونے دے گا تب ہوگی ناں سزا۔" وہ ہنس دیا۔

"تم چائے کیوں لائیں میں نے تو نہیں کہا کہ......" اس نے چونک کر سر اٹھایا تو اس کی آنکھوں میں نمی تھی۔

"کیا حمزہ صہیب نے تمہیں کہا چائے کے لیے۔" وہ کچھ سوچتے ہوئے بولا تو وہ پھر چونک گئی۔

"مجھے کچھ یاد تو نہیں ہے مگر اس وقت میرے بھول جانے پر تمہاری آنکھوں میں جو تکلیف ہے وہ مجھ سے برداشت نہیں ہو رہی۔" وہ بے پناہ اذیت سے بولا تو اوزگل کی برداشت جواب دے گئی وہ یک دم آگے کو جھکی اور اس کے کندھے سے لگ کر سسکنے لگی‘ آنسو تھے کہ رک نہیں رہے تھے وہ گم صم سا بیٹھا رہا۔ کاغان کی اس وادی کی سڑک پر جب اسے پہلی بار دیکھا تب اس نے تصور بھی نہیں کیا تھا کہ وہ اتنی جلدی اتنے کم وقت میں اس کے اتنا

قریب بھی ہو سکتا ہے۔

"اوہ......" کچھ دیر میں وہ سنبھلی تو جھٹکے سے پیچھے ہٹی وہ اس زندگی کو رو رہی تھی جو اسے یاد نہیں تھی۔

"چائے۔" اس نے اسے دیکھا‘ وہ کپ اٹھا کر پینے لگا۔

"یہ بڑی تائی نے گفٹ دیا ہے تمہاری رونمائی کے لیے انہوں نے بتایا کہ یہ ان کی خاندانی روایات ہیں کہ دلہن کو کنگن دیتے ہیں۔" اس نے وہ کیس اس کی طرف بڑھایا اس نے تھامنے کے لیے ہاتھ بڑھایا تو اس نے اس کا ہاتھ ہی تھام لیا اور پھر اسے خود پہنائے اس نے اس کے ہاتھوں کو دیکھا چوڑیوں سے بھرے ہاتھ مہندی لگے بہت خوب صورت لگ رہے تھے۔

"حمزہ تمہیں رونمائی میں کیا دینے والا تھا۔" یہ سوال نہایت ہی غیر متوقع تھا وہ بری طرح گڑبڑائی۔ وہ حمزہ کے متعلق یوں بات کر رہا تھا جیسے وہ کوئی الگ انسان ہو۔

"مجھے نہیں پتا۔" اس نے اپنے ہاتھ اس کے ہاتھوں سے نکالے اس نے چونک کر اسے دیکھا وہ کتنی حسین لگ رہی تھی وہ متحیر سا دیکھے گیا۔

"میں چینج کرلوں۔" وہ اٹھنے لگی‘ تب اس نے دوبارہ اس کا ہاتھ تھاما۔

"مجھے نہیں یاد کہ حمزہ تم سے کتنا پیار کرتا تھا لیکن کوئی اب مجھے پوچھے کہ میں کسی سے عشق کرتا ہوں تو میں بلا تکلف تمہارا نام لے دوں گا جب میں نے تمہیں اس سڑک پر پہلی بار دیکھا......" کہتے ہوئے وہ ایک جھٹکے سے رکا‘ اوزگل کے دل میں کوئی پھانس چبھی تھی جو چاچو کی باتوں کے بعد لاکھ کوشش کے باوجود نکلنے کا نام نہیں لے رہی تھی اور وہ پھانس اسے حمزہ کا ہونے نہیں دے رہی تھی۔

"یہ...... یہ کون سی خوشبو ہے؟" وہ وحشت زدہ سا اٹھ کھڑا ہوا‘ وہ چونکی۔

"یہ...... یہ کیا ہے؟" وہ خوف زدہ سا اس کے ہاتھوں کو دیکھ رہا تھا۔

"یہ موتیے کے کنگن ہیں حمزہ...... یہ موتیے کے پھولوں کی خوشبو ہے لیکن تمہیں......"

"یہ خوشبو پریا کے پاس آتی تھی۔" وہ پیچھے ہٹتے ہوئے بولا وہ الجھی اسے کیا ہو رہا تھا اسے سمجھ نہیں آیا لیکن پریا کے نام پر اس کے لب بھینچ گئے۔

"پریا جب میرے پاس آتی یہ خوشبو مجھے پاگل کر دیتی تھی‘ میں تڑپ کر پوچھتا کہ یہ کون سی خوشبو ہے اور وہ کہتی کہ اس نے کوئی خوشبو نہیں لگائی۔ اس خوشبو نے کبھی پریا کو میرا ہونے نہیں دیا اس خوشبو نے...... اس خوشبو نے......" وہ خوف زدہ تھا اے سی کی ٹھنڈک میں بھی وہ لمحوں میں پسینے سے تر ہوگیا تھا‘ وہ منہ کھولے حیرت سے اسے سن رہی تھی۔

"اللہ......" جب اس کی سمجھ میں اس کی بات آئی تو اس کے لب ہلے تھے۔ اس کا دل تشکر سے بھر آ رہا تھا اور آنکھیں آنسوؤں سے‘ وہ حمزہ تھا وہ اس کا حمزہ تھا...... اسے اللہ نے اس کا مقدر بنایا تھا‘ اسے اللہ نے اس کے لیے ہی محفوظ رکھا تھا تو وہ یہ بات تھی جو اسے حمزہ کا ہونے نہیں دے رہی تھی یہ معاملہ تھا جو اسے بے قرار کیے ہوئے تھی۔ ماہ روز سات سال اس کی بیوی رہی تھی‘ یہ بہت طویل عرصہ تھا بس یہ خیال اسے حمزہ سے دور کر رہا تھا اور وہ خود بھی سمجھ نہیں پا رہی تھی لیکن اب حمزہ اسے کیا کہہ رہا تھا کچھ ایسا ہی تو ماہ روز نے بھی کہا تھا مگر ماؤف دماغ کے ساتھ وہ ماہ روز کی بات سمجھ نہیں سکی تھی۔

"اسے سب کچھ بھول چکا تھا مگر تمہارے وجود کی وہ خوشبو کبھی نہ بھول سکا۔"

"یہ خوشبو مجھے پریا سے دور کر دیتی تھی وہ اتنی اچھی تھی کہ کبھی شکوہ نہیں کرتی‘ میں اس کے خلوص کے آگے شرمندہ تو ہو جاتا تھا مگر اس خوشبو سے کبھی لڑ نہ سکا۔ یہ خوشبو...... یہ خوشبو تمہارے پاس سے بھی آ رہی ہے۔ پریا کے پاس سے بھی آتی تھی وہ تو استعمال بھی نہیں کرتی تھی اور...... اور تم......" وہ خائف سا کھڑا اس کے کنگنوں کو دیکھ رہا تھا‘ وہ یک دم آگے بڑھی اور اسے یوں اپنے بازوؤں کے گھیرے میں لے لیا کہ وہ احتجاج بھی نہ کر سکا۔

"یہ میری خوشبو ہے یہ ماہ روز کے پاس سے نہیں آتی تھی بلکہ یہ ماہ روز اور تمہارے بیچ آتی تھی۔" وہ روتے ہوئے بولی تو وہ چونکا۔ "اس نے تمہیں جھوٹے معبود دیئے اور جھوٹی تدبیریں کرتی رہی تمہیں پانے کی۔" وہ بے تحاشا رو رہی تھی۔

"لیکن میرے معبود برحق نے تمہیں میری تقدیر کردیا تھا۔" وہ روتے ہوئے اسے بتارہی تھی کہ وہ کیوں رو رہی ہے اس کا دل اپنے رب کے حضور سجدہ ریز ہورہا تھا۔ کتنا بڑا کرم کیا تھا اس کے رب نے اس پر آج تو وہ لاکھوں شکرانے بھی ادا کرتی تو کم تھا اور وہ سن کھڑا رہ گیا تھا وہ پیچھے ہٹی تھی وہ گم صم تھا۔

"تم میرے حمزہ ہو صرف میرے حمزہ...... میں نے ہمیشہ دعائیں شدت سے کیں اور بے پناہ کیں ہمیشہ تمہارے ساتھ کی دعائیں کہ اللہ تمہیں مجھ سے کبھی دور نہ کرے مگر تم میری زندگی سے چلے گئے مجھے لگا میری دعاؤں میں کمی رہ گئی ہوگی۔ تم پھر ملے تو میں حیران ہوئی یہ ناممکن تھا جو ہماری زندگی میں ہمارے ساتھ ہوا مگر اسے ہی معجزے کہتے ہیں اسے ہی رب کی رحمت کہتے ہیں لیکن اپنے رب کی اس رحمت کے بعد بھی میرے اندر کچھ تشنگی رہ گئی یہ حمزہ میرا نہیں تھا یہ وہ نہیں تھا جسے میں نے بے پناہ چاہا تھا یہ ایک لڑکی کا شوہر رہ چکا ہے۔ یہ میری ناشکری تھی کہ حمزہ کے مل جانے پر یہ معجزہ ہوجانے پر میں اللہ کا شکر تو ادا کررہی تھی مگر دل میں کوئی پھانس چبھی تھی۔ میں ناشکری تھی حمزہ میں اپنے رب کی رحمت پر بھی اپنا دل بڑا نہیں کرپائی لیکن اس کو میں تم سے شدت کی محبت خیال کررہی تھی جو یہ برداشت نہیں ہورہا تھا کہ تم کسی اور کے ساتھ رہے وہ بھی اتنے سال تک اور وہ بھی تمہاری بیوی کے روپ میں گویا شیطان تم پر مسلط کردیا گیا۔ دیکھو ناں حمزہ! رب کی ایک اور رحمت دیکھو تم اتنے سال اس مالک الملک اس وحدہ لاشریک کے ساتھ شریک ٹھہراتے رہے لیکن جب تم نے اس کی طرف ایک قدم بڑھایا تو اس نے تمہیں تھام لیا اور اس کے بندھے کو دیکھو مجھ ناچیز کو دیکھو تم پورے کے پورے میری طرف آئے اور میں تم سے بے پناہ محبت کا دعویٰ کرنے کے باوجود ایک قدم تمہاری طرف نہ بڑھ سکی۔ میں بری ہوں حمزہ! میں ناشکری ہوں میں بہت بری ہوں حمزہ...... بہت ناشکری۔ وہ یک دم پلٹی اور سجدہ شکر میں گرگئی۔

"اللہ تیری اس رحمت پر جتنا شکر کروں کم ہے بس تو مجھ سے ناراض مت ہونا مجھے اپنی رحمت کے سائے میں رکھنا۔ مالک اتنے بڑے ناشکرے پن پر مجھے اپنی رحمت سے دور مت کردینا مجھے شکر گزار رہنا۔" وہ دعا مانگ رہی تھی اور وہ لب بھینچے کھڑا تھا وہ عجیب مشکل میں تھا جن لوگوں کے ساتھ وہ چار سال وریام کپور کی حیثیت سے رہا انہیں اپنا نہ سکا اور جن کا وہ حمزہ تھا وہ لوگ بھی اس کے لیے اجنبی تھے۔

"حمزہ تم ٹھیک ہو؟" وہ بے چین ہوئی۔

"ہاں۔" وہ چونکا وہ اسے دیکھتی رہی۔

"تم ٹھیک نہیں ہو حمزہ تم ہمارے حمزہ ہو تو مجھ سے جھوٹ مت بولو۔"

"میں کیا کروں مجھے کیوں قرار نہیں مل رہا جو وریام کپور کی حیثیت سے مجھے ملے وہ میرے اپنے نہیں تھے اور جو حمزہ کے اپنے ہیں وہ بھی مجھے اجنبی لگ رہے ہیں۔ میں اپنا سب کھو چکا ہوں مجھے سمجھ نہیں آرہا میں کیسا رویہ رکھوں سب سے کس طرح ان کے ساتھ رہوں۔ پریا نے مجھے اتنا کچھ یاد کروانے کی کوشش کی مگر مجھے کبھی کچھ یاد نہیں آیا۔ میں ایسے اجنبیت بھرے ماحول میں کیسے رہوں جبکہ یہ اجنبیت صرف میرے اندر ہے۔ مجھے کچھ یاد نہیں میں کیا کروں۔" وہ بیڈ پر بیٹھ گیا دونوں ہاتھوں سے بالوں کو جکڑے وہ مضطرب تھا۔

"پریا جو تمہیں یاد دلاتی تھی وہ سب جھوٹ تھا تو تمہیں کچھ کیسے یاد آسکتا ہے لیکن یہاں جو تمہیں یاد دلایا جائے گا وہ سب سچ ہوگا بالکل سچ۔" اس نے اس کے برابر میں بیٹھتے ہوئے اس کے بالوں کو چھڑوایا اور اس کا چہرہ اپنی طرف کیا وہ چہرے پر درد لیے اسے دیکھتا رہا۔

"اور اگر تمہیں کچھ یاد نہیں آتا تو تم اتنا پریشان مت ہو ہم اپنی زندگی کو آج سے شروع کرتے تھے وہاں سے شروع کرتے ہیں جہاں سے تمہیں یاد ہے۔ تم وریام کپور ہو تمہیں اللہ نے ہدایت دی تم نے مذہب اسلام قبول کیا اور یہ ہدایت کا راستہ تمہیں میرے لیے ملا ہے اب تم مجھے چاہتے ہو اور مجھ سے شادی کرنا چاہتے ہو سو تمہیں مجھے پرپوز کرنا ہوگا۔" وہ چونکا اور پھر اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آگئی۔

"چلو پوچھو مجھ سے۔"

"کیا؟" وہ گڑبڑایا تو وہ ہنس دی۔

"کیا تم مجھ سے شادی کروگے؟"

"کیا تم مجھ سے سچ بولوگی؟" چند لمحوں بعد کچھ سوچتے ہوئے اس نے کہا تو وہ چونکی۔

"ہاں حمزہ...... میں تم سے ہمیشہ سچ بولوں گی۔"

"پھر تم نے مجھے کیوں نہیں بتایا کہ حمزہ تمہیں رونمائی میں کیا دینے والا تھا۔" وہ اس کی بات پر شپٹائی۔

"کچھ ایسا طے نہیں ہوا تھا تو......"

"تم بھول گئی ہو یا بتانا نہیں چاہتی ہو۔" اس نے ایک ڈبہ اس کی طرف بڑھایا تو وہ ایک بار پھر چونکی اسے کچھ کلک ہوا اس نے فوراً ڈبہ کا ریپر ہٹایا اسے دیکھا وہ بنا کسی تاثر کے اسے دیکھ رہا تھا اور جب ڈبہ کھلا تو وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی ایک مینڈک اچھل کر اس کی گود میں آگرا اس نے ہنستے ہوئے اسے دیکھا۔

"الیشبہ نے دیا ہے اس نے کہا حمزہ نے یہ اعلان کیا تھا کہ وہ اوزگل کو رونمائی میں یہی گفٹ دے گا۔" اوزگل کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں وہ کیسے حمزہ کے بارے میں بات کرتا تھا جیسے وہ کوئی اجنبی ہو کوئی دوسرا انسان ہو۔

"حمزہ تم ہی ہو۔" مینڈک اچھل کر اوزگل کی گود سے اب حمزہ صہیب کی طرف لپکا۔

"مجھے یاد نہیں۔" اس نے اس کی پشت پر ہاتھ پھیرا۔

"یہ تو یاد ہے ناں کہ تم میرے ہو۔" وہ مسکرادی۔

"یہ معلوم ہے کہ میں تمہارا ہوگیا ہوں۔" اس نے نظر اٹھا کر اسے دیکھا وہ ہنس دی۔ وہ لفظوں کے ہیر پھیر بخوبی کررہا تھا وہ اس کے ہنستے ہوئے چہرے کو نم آنکھوں سے دیکھ رہا تھا وہ ذہنی طور پر اس کے ساتھ نہیں تھا وہ اسے چاہتا تھا لیکن وہ اسے یاد نہیں تھی۔

"حمزہ...... تم ماہ روز کو سوچ رہے ہو۔" وہ اسے بغور دیکھتے ہوئے بولی۔

"مجھے سکون نہیں مل رہا میں اس سے محبت نہیں کرسکا کبھی مگر وہ مجھے عزیز بہت ہے میں ہمیشہ اس کے آگے شرمندہ رہا اور ابھی اس وقت بھی مجھے ہنستے ہوئے خوش ہوتے ہوئے گلٹ محسوس ہورہا ہے کیونکہ میں اپنے لیے اس کی شدتوں سے واقف ہوں مجھے بہت عجیب فیل ہورہا ہے اس پل اس کے بغیر۔" وہ جھجک کر رکا وہ یقیناً برا مان گئی تھی جبھی اسے بے حد عجیب نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

"آئی ایم سوری تمہیں برا لگا۔" اس کے چہرے پر تکلیف پھیل گئی۔ "شاید یہ سب اس لیے ہورہا ہے کہ میں جانتا ہوں میرے علاوہ اس کا کوئی نہیں ہے کوئی بھی نہیں۔" وہ اسے یا پھر خود کو ہی دلاسہ دے رہا تھا اس نے اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھا۔

"اگر تم یہ نہیں کہتے ایسا نہیں سوچتے تو میں تمہیں حمزہ ماننے سے انکار کردیتی کیونکہ ایک حادثے میں انسان اپنی یادداشت کھوسکتا ہے مگر اپنی فطرت نہیں اور میرا حمزہ تو کسی چیونٹی کو بھی تکلیف میں دیکھ کر خوش نہیں ہوسکتا تھا پھر وہ تو ایک انسان ہے چلو اٹھو۔" وہ چونکا۔

"کہاں؟"

"ماہ روز کو لینے جارہے ہیں ہم۔" وہ اس کا ہاتھ تھام کر کھڑی ہوئی۔

"مگر بڑی تائی اور......" وہ کھڑا ہوا۔

"ان کی تم فکر مت کرو۔" وہ اسے باہر لے آئی چند منٹ بعد وہ لوگ اس ہوٹل کی جانب رواں دواں تھے جہاں ماہ روز تھی۔

"سنو۔" وہ ڈرائیونگ سیٹ پر تھی اور وہ فرنٹ سیٹ پر

بیٹھا بغور اسے دیکھتا ہوا بولا تو اس نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

"یہ ماتھا پٹی اتار دو، تمہیں درد ہو رہا ہوگا آئی من سر دکھ رہا ہوگا۔" اس نے کہا تو وہ بے اختیار ہنس دی۔

"اللہ رے اللہ میرے حمزہ کو کتنی دیر بعد میرا خیال آیا ہے۔" وہ بنا کچھ بولے بے چارگی سے اسے دیکھتا رہا، وہ اس کا تھا تو اس کا ہی رہنا چاہتا تھا مگر...... ہوٹل پہنچ کر وہ سیدھا اپنے روم کی طرف بڑھتا چلا گیا وہ اس کے پیچھے پیچھے تھی پر کئی نظریں حیرت بھری اٹھتے دیکھ کر اسے خیال آیا کہ وہ برائیڈل سوٹ میں ہے۔ اسے کم از کم چینج تو کر لینا تھا لیکن حمزہ کے موبائل پر ماہ روز کی کال آتی دیکھ کر اسے یہ یاد نہ رہا۔ ماہ روز سے کچھ بعید نہ تھی وہ حمزہ سے جتنی شدید محبت کرتی تھی اس کے بعد وہ خود کو مارنے کی کوشش بھی کر سکتی تھی۔ وہ حمزہ کو اس لیے یہاں لے آئی کہ ماہ روز کی ایسی کسی بھی بے وقوفی کے لیے حمزہ کہیں خود کو قصوروار نہ سمجھے اسے ماہ روز کی زندگی موت سے کوئی سروکار نہ تھا لیکن فی الحال حمزہ کی وہ سب ہی کچھ تھی۔

"پریا......" روم کا دروازہ کھولتے ہی حمزہ کی چیخ نکلی تھی، وہ نیچے کارپٹ پر پڑی ماہ روز کی طرف دوڑتا ہوا بڑھا تھا وہ ادھ کھلی آنکھوں سے حمزہ کو ہی دیکھ رہی تھی اس کا سر اپنی گود میں رکھا۔

"پریا تم......" اس نے اس کا گال تھپتھپایا۔

"ماہ روز۔" وہ بمشکل بولی وہ چونکا۔ "میں مسلمان ہوں حمزہ......"

"یہ...... تمہیں کیا ہوا؟" وہ اٹک اٹک کر بولا۔ اس کے بدترین خدشے سچ ثابت ہوئے ماہ روز نے خودکشی کی کوشش کی تھی۔

"اوزگل......" اس نے پکارا تو وہ جو دروازے پر رکی تھی فوراً اس کی طرف آئی۔

"میں نے خودکشی کرنے کی کوشش نہیں کی، بس میرے سر میں درد ہے۔"

"یہ کیسا درد ہے؟" وہ حیران ہوئی اس کا چہرہ تکلیف کی شدت سے مسخ ہوا جا رہا تھا حمزہ نے اسے اٹھا کر اوپر بیڈ پر لیٹایا ماہ روز کی تڑپ دیکھی نہ گئی۔

"کیا انہیں کوئی بیماری ہے؟" اس نے پوچھا تو حمزہ نے نفی میں سر ہلا رہا تھا۔ "انہیں فوراً ہسپتال لے جانا ہوگا۔"

"یہاں...... سائیڈ...... پرس...... دوائی......" ماہ روز بمشکل بول پائی اور پرس سے نکلنے والی دوائی دیکھ کر اوزگل حیران رہ گئی، ماہ روز کو برین ٹیومر تھا۔

"برین ٹیومر ہے انہیں۔" اوزگل نے کہا تو حمزہ بری طرح چونکا، اوزگل نے اسے دوائی دی۔

"کچھ دیر بعد انہیں درد کم ہوگا تو آرام آجائے گا مگر آپ کو ان کا مکمل علاج کروانا ہوگا۔"

"تمہیں برین ٹیومر تھا اور تم نے مجھے کبھی بتایا ہی نہیں۔" وہ حیران ہو کر بولا، ماہ روز کی آنکھیں دھیرے دھیرے بند ہوتی گئیں اوزگل ایزی چیئر پر بیٹھ گئی۔ چار گھنٹے گزرنے پر بھی وہ جب اسی پوزیشن میں بیٹھا رہا تب وہ اٹھی۔

"حمزہ، تم آرام کر لو وہ سو رہی ہے۔"

"میں اسے اپنے ساتھ اس گھر میں لے چلوں تمہیں کوئی اعتراض تو نہیں ہوگا ناں۔"

"اعتراض کیوں ہوگا حمزہ۔" وہ دکھ سے مسکرائی، وہ بھلے اس لڑکی سے کتنی بھی نفرت کر لیتی مگر فی الحال تو حمزہ صرف اسے ہی جانتا تھا باقی سب اس کے لیے اجنبی تھے۔ وہ وقت گزر گیا تھا جب اس کے لیے اوزگل کے آگے کسی کی اہمیت نہ تھی، ایک وقت تھا کہ اس نے عشنا خان کو اوزگل کے لیے ٹھکرایا تھا اس کے لیے اس نے جان کی قربانی تک دی تھی اور اب یہ وقت تھا جو اوزگل سے قربانی مانگ رہا تھا اسے حمزہ کے لیے ماہ روز جیسی قابل نفرت لڑکی کو اپنانا تھا۔

❁......✿......❁

"ماہ روز۔" صبح تک ایک عجیب احساس میں گھرے حمزہ صہیب نے اسے پکارا مگر وہ شاکڈ رہ گیا، وہ اس کی آواز سننے کے لیے اس دنیا میں نہیں تھی۔

"ماہ روز......" اس نے تڑپ کر اسے جھنجھوڑا تو کچھ ہی دیر قبل سوئی اوزگل کی جھٹکے سے آنکھیں کھلی تھیں۔

"ماہ روز......" وہ تیزی سے اٹھ کر ان کے قریب آئی اور بت بنی کھڑی رہ گئی۔

"تم...... تم ایسا نہیں کر سکتی ہو میرے ساتھ، ماہ روز اٹھو۔" حمزہ صہیب نے پھر سے اسے جھنجھوڑا تو وہ چونکی۔

"حمزہ ایسا مت کرو اسے تکلیف ہوگی۔"

"یہ سب تمہاری وجہ سے ہوا ہے نہ تم ہماری زندگی میں آتی نہ یہ سب کچھ ہوتا۔" وہ جو فون کی طرف بڑھ رہی تھی جھٹکا کھا کر پلٹی۔

"حمزہ......!" وہ بے یقینی سے اسے دیکھنے لگی۔ "حمزہ میں نے...... میں نے کیا......؟"

"اوہ جسٹ شٹ اپ، تم اس وقت میری آنکھوں کے سامنے سے ہٹ جاؤ۔" وہ سرد لہجے میں بولا تو وہ تیزی سے پلٹ گئی کمرے سے باہر نکلتے ہوئے اس کے آنسو خود بخود گالوں پر پھسل رہے تھے۔ ماہ روز کی خواہش پوری ہوئی وہ حمزہ صہیب کی بانہوں میں مرجانا چاہتی تھی وہ مرگئی، وہ ہمیشہ کہتی تھی۔

"تم مجھ سے کبھی خفا بھی ہوئے تو میں مر جاؤں گی۔" اپنا کہا سچ کرتی وہ اسے ہر مشکل سے آزاد کر گئی تھی۔ وہ اسے آزاد نہیں کر گئی تھی بلکہ وہ اسے خود سے باندھ گئی تھی وہ گم صم ہو گیا۔ بڑی تائی سے اس کی یہ حالت دیکھی نہیں جاتی تھی وہ اوزگل کو اسے سنبھالنے کے لیے کہتی تھیں وہ اسے تب سنبھالتی جب وہ سنبھلنا چاہتا۔ وہ اوزگل کو اپنے سامنے دیکھنا نہیں چاہتا تھا، وہ اسے ماہ روز کی قاتل لگنے لگی تھی۔ اس کے لیے مرنے لگا تھا اور اوزگل اسے تو سمجھ نہیں آ رہا تھا وہ حمزہ کو واپس کیسے لائے؟ کیسے سمجھائے کہ ماہ روز اس کی وجہ سے نہیں بلکہ اپنے پاگل پن سے مری ہے۔ اسے ٹیومر اوزگل سے ملنے کے بعد نہیں پہلے ہوا تھا، وہ اپنے احساس جرم کے سبب اس بیماری میں مبتلا ہوئی تھی؟ وہ حمزہ کو نہیں سمجھا پا رہی تھی الیشبہ اور ملیحہ کی کوششیں بھی

aanchalpk.com

مغربی اور مشرقی ادب کی منتخب کہانیوں کا مجموعہ

ماہنامہ نئے افق کراچی

لفظ لفظ ہنگامے سطر سطر تجسس سے بھرپور تحریریں
ایسی کہانیاں جو اس سے قبل آپ نے نہیں پڑھی ہوں گی

مغربی ادب سے انتخاب
جرم وسزا کے موضوع پر ہر ماہ منتخب ناول
مختلف ممالک میں چلنے والی آزادی کی تحریکوں کے پس منظر میں
معروف ادیبہ زرین قمر کے قلم سے مکمل ناول
ہر ماہ خوب صورت تراجم دیس بدیس کی شاہکار کہانیاں

اس کے علاوہ

خوب صورت اشعار منتخب غزلوں اور اقتباسات پر مبنی
خوشبوئے سخن اور ذوق آگہی کے عنوان سے مستقل سلسلے

اور بہت کچھ آپ کی پسند اور آرا کے مطابق

کسی بھی قسم کی شکایت کی صورت میں
021-35620771/2
0300-8264242

ناکام ٹھہری بڑی تائی مایوسی ہوگئی تھیں دو ماہ ہوگئے تھے ماہ روز کو ان کی زندگی سے گئے مگر حمزہ صہیب کے لیے وقت ٹھہر گیا تھا۔ ماہ روز کا سر ابھی تک اس کی گود میں تھا وہ اس پل سے ابھی تک باہر نہیں آیا تھا۔ حمزہ کتنے دن اپنے اور اس کے مشترکہ کمرے میں نہ آیا تو اس نے اس کمرے میں اپنا تمام سامان اپنے پرانے کمرے میں منتقل کرلیا کیونکہ وہ حمزہ کو کسی مشکل میں نہیں دیکھ سکتی تھی۔

"اوزگل کچھ کرو حمزہ کو اس مشکل سے باہر نکالو۔" ملیحہ نے کہا تو وہ اسے دیکھے بغیر ٹی وی آن کرکے چینل سرچ کرنے لگی اور پھر یک دم اس کا ہاتھ رکا وہ ایک مذہبی چینل تھا اس کا پسندیدہ چینل۔ اس کی ساری مذہبی معلوم اسی چینل کے سبب تھی وہ کافی دیر چینل دیکھتی رہی اور پھر وہ چونک کر اٹھی اور سیدھی حمزہ کے کمرے کی طرف گئی جہاں وہ مایوس اور سوگ میں تھا۔ اسے دیکھ کر وہ چونکا ایک ہی گھر میں رہتے ہوئے وہ پندرہ دن بعد اسے دیکھ رہا تھا اور یہ اوزگل کی وجہ سے تھا وہ ہی اس کے سامنے نہیں آتی تھی کیونکہ وہ اسے ماہ روز کی تکلیف دیتی یادوں کے ساتھ دیکھ بھی لیتی تو اس کی آنکھوں میں اپنے لیے اجنبیت دیکھنا اسے گوارا نہیں تھا۔

"چلو......" ایک چھوٹے سے سوٹ کیس میں اس کے دو سوٹ کے ساتھ اس کی ضرورت کا ہر سامان رکھ کر وہ اس کی طرف مڑی وہ جو حیرت سے اپنی چیزوں کو پیک ہوتے دیکھ رہا تھا چونکا۔

"کہاں؟" وہ کھڑا ہوا۔

"ہر وقت ماتم کرنے سے بہتر ہے تم اس کی مغفرت کے لیے کچھ کرو۔" وہ اسے اسی مذہبی جماعت کے مین مرکز میں لے آئی۔

"جاؤ۔" اس نے اس کی طرف دیکھا۔ "یہاں تمام مرد حضرات ہوتے ہیں اور عورتوں سے بات نہیں کرتے۔" وہ اتر گیا لیکن وہ ہچکچاہٹ بھرے انداز میں اس عمارت کو دیکھ رہا تھا۔

"حمزہ یہاں ہر ماہ ایک اجتماع ہوتا تھا اور تم اپنی تمام مصروفیات کو چھوڑ کر اس میں شرکت کرتے تھے۔" وہ لب بھینچ کر رہ گیا اس نے قدم اس عمارت کی طرف بڑھائے اوزگل اسے دیکھتی رہی عمارت کے دروازے پر پہنچ کر اس نے اوزگل کی طرف پلٹ کر دیکھا وہ افسردگی سے مسکرائی اور گاڑی آگے بڑھا لے گئی۔

"السلام علیکم!" وہ شش و پنج میں کھڑا تھا تبھی ایک سفید قمیص شلوار میں ملبوس نوجوان اس کی طرف آیا اور اسے اس دنیا میں لے گیا جس میں پہنچ کر وہ ماہ روز کو یکسر بھول گیا جہاں پر ہر قدم پر اسے ماہ روز سے نفرت ہوتی رہی۔ اوزگل نے کہا وہ یہاں آتا رہتا تھا کتنا بڑا ظلم کیا تھا ماہ روز نے اس پر اس نے اس سے اس کا رب چھین لیا تھا اس کا مالک چھین لیا تھا اس کا ہادی خالق اور اللہ چھین لیا تھا اور اس کے لیے وہ ماہ روز کو کبھی معاف نہیں کرے گا وہ اس جگہ کو بھول گیا تھا لیکن اسے یہاں لمحہ بھر کو بھی اجنبیت نہیں ہوئی تھی۔ سب کے لیے وہ ان کا اسلامی بھائی تھا پیچھے وہ کیا تھا اس کے ساتھ کیا ہوچکا تھا انہیں کوئی تجسس نہ تھا۔ دو تین دن بعد بڑی تائی اسے کال کرلیتی تھیں اسے یہاں چھ ماہ ہوگئے مگر وہ واپس اب تک نہ گیا تھا اسے گھر سے ہچکچاہٹ ہو رہی تھی۔ اوزگل سے اسے شرمندگی ہو رہی تھی۔ اس نے اوزگل کو ماہ روز کے غم میں نظر انداز کیا تھا غلط کیا تھا۔

اوزگل اس کی زندگی میں آئی کئی بار اس نے یہ چاہا تھا برا چاہتا تھا اگر اوزگل اس کی زندگی میں نہ آتی تو وہ اندھیرے میں جیتا اسی اندھیروں میں مرجاتا اور پھر......

پھر اسی سیاہ اندھیروں میں اس کی دائم رہنے والی زندگی گزرتی۔ یہ اوزگل تھی جو اسے دنیا میں ہی روشنی میں لے آئی اور وہ اس سے ہی رخ پھیر گیا اسے ہی الزام دیتا اس کو ہی ہرٹ کرتا رہا ہاں...... وہ ہی غلط تھا اور غلط کرتا رہا اور اب اوزگل کا سامنا مشکل تھا لیکن نہ ممکن تو نہیں۔

❀......❀......❀

"حمزہ۔" آٹھ ماہ بعد اسے اپنے سامنے دیکھ کر بڑی تائی کھل اٹھی تھیں۔ وہ بدل گیا یہ اس کے ظاہر سے ہی

ظاہر تھا الیشبہ ملیحہ بمعہ سسرال آگئیں خاندان کے قریبی لوگ بھی ملنے چلے آئے وہ خوش اخلاق تو ہمیشہ سے تھا لیکن اب تو وہ اجنبیوں سے گھلنا ملنا بھی سیکھ آیا تھا سو اتنی اجنبیت اب نہ رہی تھی جو اس کے یادیں کھو جانے پر اسے اپنے اور خاندان کے بیچ موجود ہونے لگی تھی۔ ڈسکس کرنے کے لیے صرف ماضی نہیں ہوتا حال اور مستقبل بھی ہوتا ہے اس نے جان لیا تھا وہ حمزہ نہیں تھا وہ وریام کپور تھا جس نے ابھی اسلام قبول کیا تھا۔ ابھی تو وہ ان کی زندگی میں داخل ہوا تھا۔ خاندان میں سب اچھے تھے کسی نے بھی اس سے کبھی ماہ روز کے متعلق بات نہیں کی یہ ان سب نے آپس میں ہی طے کیا تھا اور اس بات پر ہمیشہ سے قائم تھے۔

سب رات گئے تک رہے وہ ان سب کے ساتھ خوش رہا سب کے جانے کے بعد اسے اوزگل نہیں ملی وہ اگر ناراض تھی تو شاید صحیح تھی وہ اپنے کمرے میں آ گیا۔ پوری کوشش کے باوجود وہ بڑی تائی سے اوزگل کے بارے میں پوچھنے کی ہمت نہ کرسکا نیند تو اسے کیا آتی لیکن وہ تہجد کی نماز کے لیے آنکھوں کو زبردستی بھینچ کر لیٹ گیا وہ غنودگی میں ہی تھا تب آہستہ سے دروازہ کھلا اور کوئی دبے قدموں چلتا اندر آیا اس نے چونک کر آنکھوں پر سے ہاتھ ہٹایا وہ اوزگل تھی اس کے چہرے پر صاف لکھا تھا کہ وہ "بھیجی" گئی ہے یقیناً بھیجنے والی بڑی تائی تھیں اسے ان پر پیار آیا وہ اٹھ بیٹھا وہ لب بھینچ کر رہ گئی۔

"تھینک یو اوزگل۔" وہ چونکی وہ بیڈ سے اتر کر اس کے نزدیک آنے لگا۔ "تم نے مجھے اس جگہ بھیجا۔" وہ رخ پھیر گئی۔

"وہاں میں نے اپنی ماہ روز کی اور تمہاری حقیقت کو اچھی طرح جان لیا ہے۔" اس بار اس نے چونک کر اسے دیکھا۔ "وہاں مجھے سمجھ آ گیا کہ ماہ روز نے میرے ساتھ کیا کیا اور تم نے میرے ساتھ کیا کیا۔" وہ قدم قدم فاصلہ کم کر رہا تھا۔

"مجھے کچھ یاد آئے اب اس کی ضرورت نہیں رہی کیونکہ میں جان گیا ہوں میں تم سے کتنا بھی بھاگوں دور جانے کی کتنی بھی کوشش کروں سب فضول ہے تم ہی میرا نصیب ہو۔" اس نے اس کی آنکھوں میں جھانکا اوزگل کی آنکھوں میں نمی تھی۔

"تم اول سے مجھ سے جوڑ دی گئی ہو۔" اوزگل کی آنکھ کا آنسو گال پر پھسلا حمزہ صہیب نے اپنی شہادت کی انگلی اس آنسو پر رکھ دی۔

"آئی ایم سوری اوزگل۔" وہ نہ چاہتے ہوئے رو رہی تھی وہ لبوں کو کاٹ کر رہ گیا۔ "میں نے تمہیں دکھ دیا میں نے تمہیں ہرٹ کیا لیکن آئندہ تمہاری آنکھوں میں میری وجہ سے کبھی آنسو نہیں ہوں گے کیونکہ......" آہستہ سے آگے بڑھا اور اس کا سر اپنے سینے پر رکھتے ہوئے وہ دھیرے سے بولا جسے سن کر اوزگل کے آنسو منجمد ہوگئے اس سے اگر کوئی گلے شکوے تھے تو وہ یکلخت گم ہوگئے رہ گئی محبت جو اسے حمزہ صہیب سے بے پناہ تھی۔ اب شکوے شکایتوں کا کوئی فائدہ تھا نہ ہی خفا رہنے کی ضرورت۔ جو ہوا وہ گزر چکا جو ہوگا وہ اچھا ہوگا اس کا اسے یقین آ گیا کہ اب اس کی آنکھوں میں کبھی آنسو نہیں ہوں گے کیونکہ حمزہ نے اپنی یادیں کھوئی تھیں عادتیں نہیں اور اسے خوش رکھنا اب حمزہ کی ذمہ داری تھی جسے وہ اچھی طرح نبھائے گا۔ اوزگل نے یقین کرلیا اس کا جو حمزہ صہیب نے کہا تھا کہ "تم میری جان ہو۔"

❀

جاپانی مشین

صباء ایشل

اس کی آنکھوں میں آنچ جلتی رہی
برف مجھ میں کہیں پگھلتی رہی
توڑ کر اپنے ہی گھروندے کو
ایک لڑکی بہت مچلتی رہی

"اے بہن کیا بتاؤں بس...... جب سے جاپانی مشین ہمارے گھر آئی ہے جینا دوبھر ہوگیا ہے گھر کی ساری فضا پر جاپانی مشین نے جیسے قبضہ ہی کررکھا ہے۔ یقین مانو تمہارے پاس دو گھڑی آ کر بیٹھ جاتی ہوں تو من کا بوجھ ہلکا ہوجاتا ہے ورنہ میں تو جیتے جی ہی مرجاتی۔" ذکیہ خالہ امی کے پاس بیٹھیں جانے کون سا موضوع چھیڑے بیٹھی تھیں۔ میں کالج سے تھکی ہاری دو بجے گھر لوٹتی تو نماز پڑھ کر کھانا کھاتے ہی بستر میں دبک جاتی تھی۔ ڈھائی تین بجے جو سوتی تو پھر شام کو عصر کے وقت ہی آنکھ کھلتی...... پچھلے کچھ دنوں سے ذکیہ خالہ کی جاپانی مشین کے قصوں نے میرا سونا حرام کررکھا تھا' ادھر میری آنکھ لگتی اور ادھر ذکیہ خالہ امی کو نجانے کون کون سے قصے سنانے چلی آتیں برآمدے کی بیرونی دیوار سے ملی دیوار میرے کمرے کی تھی جہاں کی آدھ کھلی کھڑکی سے ذکیہ خالہ کی دلدوز آوازیں میری سماعتوں تک پہنچ کر میری نیند میں خلل پیدا کرتی رہتی تھیں' کھڑکی بند کرنے کے باوجود بھی خالہ کی آوازیں سماعتوں تک نجانے کن جھروکوں سے پہنچ جاتی تھی اور میں آرام کی متلاشی ہونے کے بجائے کروٹیں بدلتی رہتی اور جب تک عصر کا وقت ہوتا ذکیہ خالہ کو گھر یاد آ جاتا ادھر نماز کا وقت ہوتا ادھر خالہ کی واپسی کا وقت ایسے میں شیطان بہت کوشش کرتا کہ "اب سو ہی جاؤ" لیکن بچپن کی عادت کا اثر تھا کہ میں اٹھ کھڑی ہوتی' آج بھی مجھے لیٹے کچھ دیر ہی ہوئی تھی کہ خالہ کی آوازیں میری سوئی ہوئی سماعتوں کو منتشر کرکے جگانے لگی تھیں۔

"نجانے یہ کون سی مشین تھی جو بلا بن کر ان پر مسلط ہوگئی ہے۔" میں نے غصے میں تکیہ کان پر رکھا اور پھر سے سونے کی کوشش کرنے لگی۔

"بس بہن تم تو جانتی ہے ناں یہ جاپانی مشین کتنی پائیدار اور مضبوط ہوتی ہے' بندہ مرتا مرجاتا ہے لیکن یہ مشین سلامت رہتی ہیں' ان کے کسی پرزے کو وقت کے ساتھ کوئی فرق نہیں پڑتا بلکہ مجھے تو لگتا ہے وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس کی پائیداری مزید بہتر ہوجاتی ہے۔ پہلے سے زیادہ چلنے لگتی ہے' ہائے میری قسمت...... جانے کس کی نظر کھا گئی میرے سکون کو۔" کان پر تکیے رکھنے کے باوجود ایک ایک لفظ میری سماعتوں میں اتر رہا تھا۔ میں نے بے چینی سے کروٹ بدلی اور آنکھیں بند کرنے کی کوشش کرنے لگی آنکھیں موند کر میں نے رضائی میں منہ کیا اور شکر کیا کہ اب آوازیں نہیں آ رہی تھیں۔ دو منٹ ہی گزرے تھے کہ مجھے مجبوراً رضائی سے منہ باہر کرنا پڑا کہ منہ پر رضائی لے کر سونے کی عادت نہ تھی اور رضائی منہ تک اوڑھ لینے پر دم گھٹنے لگتا۔

"میں تو سوچ رہی ہوں یہ مشین گھر سے نکال ہی دوں تم کیا کہتی ہو رضیہ بانو؟" اب کے ذکیہ خالہ نے امی سے پوچھا۔

"توبہ کریں' کیسی باتیں کرتی ہیں آپ' بدن کا کوئی ایک حصہ خراب ہوجائے تو اسے اتار کر پھینکا نہیں کرتے صحیح کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ آپ کی مشین خراب ہے تو کوشش کریں اسے کم سے کم چلائیں۔ اس کو استعمال کرنے میں احتیاط کریں مجھے امید ہے جلد ہی ٹھیک ہوجائے گی۔"

"اچھا بہن چلتی ہوں اب عصر کا وقت ہوا چاہتا ہے' ہماری مشین بھی اب بند ہوکر آرام سے پڑی ہوگی۔ کل ملتی ہوں۔" امی کی بات سن کر ذکیہ خالہ کو اچانک گھر جانا یاد آ گیا اور وہ اپنی چپل پہن کر چلتی بنیں۔ ان کی چپل کی ٹھک ٹھک کی آواز مدہم ہوتی گئی۔ میں نے دوبارہ سونے کا ارادہ کرکے گھڑی کی سمت نظر کی تو چھوٹی سوئی چار کا ہندسہ عبور کررہی تھی۔ سونے کا ارادہ موخر کرکے کسلمندی سے اٹھ کر بالوں کو سمیٹنے لگی کہ اب جو سوتی تو نماز قضا ہونے کا یقینی امکان تھا۔

☆......☆......☆

"ارے بیٹا' جلدی سے پانی پلا دے۔" میں ابھی کالج سے آئی ہی تھی کہ ذکیہ خالہ پھولی سانسوں کے ساتھ تیز قدموں سے چلی آئیں۔ آج خلاف معمول خالہ وقت سے کچھ پہلے ہی آ گئی تھیں۔

"اماں کہاں ہے تیری؟" ایک ہی سانس میں پانی پی کر خالہ نے اِدھر اُدھر متلاشی نگاہوں سے دیکھا اور پھر مجھ سے پوچھا۔

"زلیخا بوا کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے' اماں نے صبح بتایا تھا کہ آج وہاں جائیں گی اس لیے میں صبح ہی گھر کی چابی ساتھ لے گئی تھی۔" ذکیہ خالہ کی ایک بات کے جواب میں' میں نے انہیں دو جواب دیئے تھے' مبادا دوبارہ یہ سوال نہ کرلیں کہ امی نہیں تھی تو میں بند گھر میں کیسے آ گئی؟

"اچھا...... کب تک آئے گی تیری ماں؟" خالہ کے چہرے پر دبا دبا سا جوش کچھ سرد ہوا اور پھر سے انہوں نے سوال کردیا۔

"امی تو شام تک آئیں گی کوئی کام تھا آپ کو؟" میں نے

ایسے ظاہر کیا جیسے میں ان کے روز گھر میں آنے اور جاپانی مشین کے قصوں سے ناآشنا ہوں۔
"ارے نہیں بیٹا کچھ خاص کام تو نہ تھا بس دل کا بوجھ ہلکا کرنا تھا۔" خالہ نے ہلکی سی سرد آہ بھری اور اپنی چپل اتار کر پیر تخت کے اوپر کیے اور چوکڑی مار کر بیٹھ گئیں گویا اب آئی ہیں تو بیٹھے بنا کیوں جائیں۔
"خالہ اور پانی پییں گی۔" میں نے اپنے تئیں ان کو بتانے کی کوشش کی تھی کہ وہ پانی پی چکی ہیں لیکن وہ خالہ ہی کیا جو ہار مان جائیں۔
"نہ بیٹا تو ایسا کر ایک کپ چائے بنا لے آ...... سچی بات یہ ہے سر میں شدید درد ہے۔ زیادہ پانی پی لوں تو سر پر چڑھ جاتا ہے سر بھاری ہوجائے تو آنکھیں بند ہونے لگتی ہیں۔ جا بیٹا ایک کپ چائے بنا دے۔" میں نے ایک نظر اپنے کالج کے یونیفارم پر ڈالی کہ کیا خالہ کو اندازہ نہیں ہوا کہ میں نے کالج سے آ کر ابھی یونیفارم بھی نہیں اتارا اس بے وقت فرمائش پر میں جی بھر کے بددل ہوئی اور خاموشی سے کچن میں آ گئی۔ اماں نے یخنی پلاؤ اور آلو مٹر کا سالن پکا کر رکھا ہوا تھا' میں نے ایک چولھے پر چائے رکھی اور کھڑے کھڑے ہی چاول پلیٹ میں نکال کر کھانے لگی' خالہ کی آمد نے طبیعت مکدر کردی تھی۔ کھانا کھانے کا دل تو نہیں کر رہا تھا لیکن پیٹ میں دوڑتے چوہے مجبور کر رہے تھے کہ ان کو کچھ نہ کچھ کھانے کو دیا جائے' جتنی دیر میں چاول ختم ہوئے چائے پک گئی تھی میں ٹرے میں کپ رکھ کر چائے باہر لے آئی۔ خالہ کو چائے پکڑائی تو وہ حیرانی سے پہلے چائے اور پھر میری طرف دیکھنے لگیں' مجھے حیرانی کی وجہ تو سمجھ نہیں آئی لیکن میں چائے ان کو تھما کر کپڑے بدلنے کی غرض سے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔
"تم کدھر چلیں بٹیا؟" ذکیہ خالہ نے شہد بھری آواز میں مخاطب کیا تو مجھے اپنی جھنجلاہٹ پر پشیمانی ہونے لگی۔ اتنے پیار سے مخاطب کرنے والی خالہ کو میں کب سے دل میں جانے کن کن القابات سے نواز رہی تھی۔
"خالہ کپڑے بدل لوں...... پھر آتی ہوں۔" ان کو جواب دے کر میں نے کپڑے بدلے اور منہ ہاتھ دھو کر ان کے پاس آ کر بیٹھ گئی۔
"چائے تو اچھی بنائی تھی بٹیا' پر تجھ میں تیری ماں جیسی مہمان نوازی والی خصوصیت نہیں۔" چائے کا آخری قطرہ حلق میں انڈیل کر اب خالہ جی کہہ رہی تھیں میں مہمان نواز نہیں ہوں۔
"اللہ لمبی عمر عطا فرمائے تیری ماں کو روز آتی ہوں پر مجال ہے جو کبھی صرف چائے سے تواضع کی ہو' ہمیشہ کھانا' چائے' بسکٹ' کباب اور جانے کتنے لوازمات سامنے رکھ دیتی ہے۔"
"تو اصل بات یہ ہے؟" میں من ہی من میں مسکرائی۔ کچھ دیر پہلے جو پشیمانی ہوئی تھی وہ ختم ہو کر پھر سے کوفت میں مبتلا کر رہی تھی۔
"اے بٹیا میری بات کا برا نہ منانا بس کیا کروں زبان ہے پھسل جاتی ہے ساری عمر ایسے ہی گزاری۔ ہمیشہ سچ بولا دیکھ تجھے ایک کام کی بات بتاؤں یہ عمر کچی ہے ابھی تو ناسمجھ ہے اور تیری ماں بے چاری سیدھی سادھی' اور کچھ سال گزر جائیں تو سفید پوش گھرانے کی لڑکیوں کو کون پوچھتا ہے' دیکھ کوئی گھر آ جائے تو خاطر مدارت میں کوئی کسر نہ چھوڑا کر' یہ لڑکوں کی مائیں کھانے پینے کی شوقین ہوتی ہیں' جتنا ہوسکے آگے پیچھے پھر کر خدمتیں کیا کر کل کو رخصت ہو کر آس پڑوس میں ہی چلی جائے تو اچھا ہے' ورنہ اللہ نا کرے کل کلاں کو تیری ماں کے منہ میں پانی ڈالنے والا بھی کوئی نہ ہوگا۔" میں ناسمجھی سے ان کی باتوں کا لب لباب سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی ٹھیک ہے میں ماں باپ کی اکلوتی اولاد تھی لیکن خالہ کی ایسی باتیں مجھے اب شدید غصہ دلا رہی تھیں۔
"میری بات سمجھ رہی ہے ناں تو؟" خالہ نے کہا تو میں نے جان چھڑانے کو گردن ہلا دی۔ "تو نے میرے سلمان کو دیکھا ہے کیسا لگتا ہے تجھے؟" اب کہ تو خالہ نے مجھے سارا ہی ہلا دیا تھا یہ کیا کہہ رہی تھیں وہ۔
"سلمان کو دیکھا ہے ناں خالہ' جب کالج سے آتی ہوں تو نکڑ پر جانے کیسے عجیب و غریب دوستوں کے ساتھ محفل جما کر بیٹھا ہوتا ہے۔ سگریٹ پیتے تو اکثر دیکھا ہے مجھے تو لگتا ہے پان بھی کھاتا ہے کچھ دن پہلے ایک لڑکی کو چھیڑتے ہوئے سب دوست ہنس رہے تھے تو اس کے دانت توبہ توبہ خالہ' مجھے تو دیکھتے ہی متلی سی ہونے لگی تھی' کہاں آپ اتنی نفیس خاتون اور کہاں سلمان...... سچ کہوں تو مجھے تو لگتا ہی نہیں وہ آپ جیسی سمجھدار خاتون کا بیٹا ہے۔" میں بڑی معصومیت سے گویا تھی اور ذکیہ خالہ کے چہرے پر ایک رنگ آ رہا تھا تو دوسرا جا رہا تھا۔
"خالہ آپ اس کو سمجھاتی کیوں نہیں؟" میں نے دل ہی

دل میں تلملاتے ہوئے بظاہر چہرے پر ہمدردی لیے ان سے سوال کیا۔
"اے بہتیرے جتن کر لیے بیٹا' بس یہ جاپانی مشین کی وجہ سے ہی سارا کچھ برباد ہو رہا ہے' تو تو جانتی ہے نا جاپانی مشین کو؟" خالہ نے مجھ سے سوال کیا۔
"جی جی خالہ' امی نے بتایا تھا آپ کے گھر جاپانی مشین آئی ہے۔" میں نے جلدی سے نہ جانتے ہوئے بھی ہاں میں ہاں ملائی کہ کہیں امی کی طرح خالہ مجھے بھی جاپانی مشین کے قصوں میں نہ الجھا دیں۔
"اللہ کرے خراب ہی ہوجائے یہ کمبخت جاپانی مشین...... جان چھوٹے اس عذاب سے۔" خالہ کا مشین نامہ شروع ہوگیا تھا' میرا نیند اور تھکاوٹ سے برا حال ہو رہا تھا۔ ایک تو یہ مروت بھی...... میں نے دانت پیستے ہوئے سوچا۔
"خالہ آپ ریحان بھائی سے کیوں نہیں کہتیں کہ سلمان کو سمجھائیں۔" میں نے ان کے بڑے بیٹے کا نام لے کر چھوٹے کو سمجھانے کو کہا گویا ان کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھ دیا تھا۔
"ہاں گھر آتا ہے تو کہتی ہوں اسے' اچھا بیٹا' اب میں چلتی ہوں تیری ماں آ جائے تو پھر آؤں گی۔" خالہ نے اس ذکر سے مزید بچنے کے لیے اپنی چپل پیروں میں اڑسی اور چلتی بنیں۔ میں نے دل ہی دل میں شکر ادا کیا اور پکا ارادہ کیا کہ آج تو امی سے ذکیہ خالہ کی جاپانی مشین کا اصل قصہ جان کر ہی رہوں گی۔

☆......☆......☆

"امی ایک بات تو بتائیں۔" رات کا کھانا کھانے کے بعد میں امی کی چارپائی پر ان کے قریب بیٹھ گئی۔
"کیا پوچھنا ہے میری بٹی نے؟" امی نے بہت پیار سے جواب دیا' میں اب امی کے پیر دبانے لگی تھی۔
"یہ ذکیہ خالہ کے پاس ایسی کون سی جادوئی مشین ہے جو ہر وقت خالہ کی ناک میں دم کیے رکھتی ہے؟ جب دیکھو تب اسی کے قصے اور تو اور وہ اپنے گھر کے ہر بگاڑ کا الزام بھی اسی کے سر رکھتی ہیں۔" میں نے کافی دنوں سے کلبلاتا سوال آج آخرکار پوچھ ہی لیا تھا۔
"اس کا مطلب ہے کل پھر ذکیہ آئی تھی؟" امی نے مسکراتے ہوئے میری طرف دیکھا تو میں نے ہولے سے گردن ہاں میں ہلائی۔
"جاپانی مشین......" امی نے ایک لمحہ رک کر شرارتی نظروں سے میری طرف دیکھا۔
"ذکیہ خالہ جاپانی مشین اصل میں اپنی بہو کو کہتی ہیں۔" امی کی بات سن کر میری آنکھیں حیرت سے کھل گئیں۔
"مطلب وہ جاپانی مشین کا قبضہ' وقت گزرنے کے ساتھ پائیداری میں اضافہ' مشین کا ہر وقت شور مچانا...... اوہ تو وہ یہ سب اپنی بہو کے لیے کہتی ہیں۔" میں نے سر پر ہاتھ مار کر اپنی گزشتہ سوچی گئی تمام باتوں کو یاد کیا اور بمشکل ہنسی کو کنٹرول کیا۔
"لیکن وہ اپنی بہو کو ایسا کہتی کیوں ہیں؟" میں نے پھر سے سوال کیا۔
"کیونکہ ان کے نزدیک ان کی بہو بہت بولتی ہے۔ سچ کہوں تو میں نے ایک دو بار ہی اسے دیکھا ہے' لیکن اس میں ایسی کوئی خامی نہیں پائی جیسا ذکیہ بتاتی ہے اور اگر تھوڑی بہت کمی اور خامی ہو تو اس کا یوں ڈھنڈورا پیٹنا انتہائی غیر مناسب ہے۔ میں تو انہیں اکثر سمجھاتی ہوں لیکن وہ سمجھے تب ناں۔"
"آپ ان کی باتیں سنتی ہی کیوں ہیں؟" مجھے غصہ آنے لگا۔
"صرف اس لیے کہ کسی اور سے جا کر کہیں گی تو اس بے چاری بہو کی بے عزتی ہوگی تو میں خاموشی سے سن لیتی ہوں کہ بات آگے نہ پھیلے لیکن کب تک...... جن کو رونے کی عادت پڑ جائے وہ بھلا کب سدھر سکتے ہیں۔" امی تاسف بھرے لہجے میں بولیں۔
"خیر تم سو جاؤ اب' صبح جلدی اٹھنا ہوتا ہے۔" امی نے کروٹ لی اور میں اٹھ کر اپنے بستر پر آ گئی اور کافی دیر تک سوچتی رہی' ذکیہ خالہ بہو کو تو جاپانی مشین کہتی ہیں لیکن ان کو کس مشین کا لقب دیا جائے۔
آپ بھی سوچیے کچھ سمجھ آئے تو ضرور بتایئے گا۔

گتھی

تحسین انجم انصاری

سوئے تو شب کے قافلے آنکھوں میں چل پڑے
جاگے تو جیسے خواب کا موسم ٹھہر گیا
اس نے کہا کہ آنکھ میں گہرا غبار کیوں
میں نے کہا، عذاب کا موسم ٹھہر گیا

کہنے کو فریال کے لیے یہ سانحہ بہت غم ناک اور افسوس ناک تھا...... لیکن اسے قسمت کی ستم ظریفی کہہ لیں کہ اسی سانحے کے پہلو سے شاہ زیب کے لیے خوشیوں کی وہ کرنیں پھوٹی تھیں جن سے دوبارہ اس کے دل میں روشنی بھر جاتی۔ اس کی زندگی میں اجالے اور رنگ بکھر جاتے۔ یہ نہیں تھا کہ فریال کے یوں کم عمری میں بیوہ ہوجانے کا اسے ملال نہیں تھا...... فریال کی آنکھ کا تو ہر آنسو اس کی آنکھ سے نکل کر شاہ زیب کے دل پر گرتا تھا۔ اس کا ہر دکھ اسے چوٹ دیتا تھا۔ قسمت نے اگر ان کی راہیں جدا کردی تھیں تو اس سے شاہ زیب کی محبت میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ وہ تو اب بھی اسے دل کی تمام تر گہرائیوں اور سچائیوں سے چاہتا تھا اور آج بھی کنوارا بیٹھا تھا کہ فریال نہیں تو کوئی نہیں۔ ان کا خاندان بے شک پڑھا لکھا اور روشن خیال تھا لیکن جب فریال کے بابا نے اپنے بیٹے فرحال کے لیے شاہ زیب کی چہیتی بہن نگینہ کا ہاتھ مانگا تو نگینہ کے بابا فرزند علی نے بڑے طریقے سے فریال کے بابا امجد علی کو انکار کہلوایا تھا۔ ان کے خیال میں وٹے سٹے کی شادیاں مناسب نہ تھیں۔ انہوں نے تو ان شادیوں سے پیدا ہونے والے مسائل کے پیش نظر منع کیا تھا' لیکن امجد علی نے اسے اپنی توہین خیال کرتے ہوئے صاف کہلوا دیا کہ اگر وہ نگینہ کو قبول نہیں کریں گے تو وہ بھی فریال کو اپنے گھر کی بہو نہیں بنائیں گے۔ فریال اور شاہ زیب کی تو دنیا اندھیر ہوگئی تھی۔ بچپن سے طے شدہ رشتہ تھا۔ انہوں نے ہمیشہ ایک دوسرے کو زندگی کے ساتھی کے روپ میں دیکھا تھا۔ پھر درمیان میں جو بے تحاشہ محبت تھی وہ ایک طرف...... شاہ زیب نے بابا کی منت کی' اپنی محبت کے ساتھ ساتھ روشن خیالی کا واسطہ بھی دیا' لیکن جب اپنی بیٹی کا معاملہ تھا تو ساری تعلیم اور روشن خیالی جانے کہاں چھپ گئی تھی۔ شاہ زیب کی کسی التجا کا اثر نہ ہوا اور جب انہوں نے فریال کے لیے انکار بھجوایا تو فریال کے بابا کی غیرت نے بھی جوش مارا۔ انہوں نے نہ تو بیوی سے مشورہ کیا اور نہ ہی بیٹی سے رائے لی...... ایک روز اپنے دوست ایاز ہمدانی کے بیٹے اور بیوی کو بلوایا' بات وہ فون پر بالا ہی بالا طے کرچکے تھے۔ بس نواز اور فریال کو انگوٹھی پہنا دی گئی۔

فریال کا دل ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا تھا۔ ضبط کے جن مراحل سے وہ گزری تھی وہی جانتی تھی۔ آمنہ بیگم بیٹی کے دل کا حال سمجھتی تھیں اور اس کی گرتی حالت کے پیش نظر امجد علی سے بات کی تو وہ ہتھے سے اکھڑ گئے۔

"بیگم...... آج تو یہ بات کرلی ہے' آئندہ مت کرنا میری بیٹی ہے اس کی زندگی کا فیصلہ کرنے کا حق رکھتا ہوں...... تم کیا چاہتی ہو' میں فرزند کی منت سماجت کروں' یہ مجھ سے نہیں ہوگا۔ آخر میری بھی کوئی عزت ہے......"

تعلیم نے جو سکھایا وہ پس پشت ڈال دیا۔ روشن خیالی کا دعویٰ جانے کہاں گیا۔ رہ گیا تو بس انتقام کا جذبہ...... لیکن فریال اور شاہ زیب کی دنیا ہی لٹ گئی تھی۔

"کیوں نہ ہم کورٹ میرج کرلیں......" شدت غم سے بے حال شاہ زیب بولا۔

"نہیں شاہ زیب...... میں اپنی محبت کی خاطر بابا کی عزت نیلام نہیں کرسکتی......" وہ سنجیدگی سے بولی تھی۔

"انہوں نے کون سا تمہاری محبت کا خیال کیا ہے......" وہ طنزیہ بولا۔

"انہوں نے نہیں کیا تو کیا میں بھی نہ کروں......؟" وہ دکھ اور متانت سے بولی۔

پھر شادی میں بھی انہوں نے جلدی کی۔ فریال اپنی من چاہی زندگی کی خواہش میں ان چاہی زندگی گزارنے پر مجبور ہوگئی۔ حالات سے سمجھوتا کرلیا...... خود کو بے پناہ مصروف کرلیا۔ ساس نندوں کی خدمت اور شوہر کی فرماں برداری کو اپنا شعار بنالیا...... فرزند علی نے بھی نگینہ کے لیے مناسب رشتہ دیکھا اور شادی کرلی۔ اسے اپنے گھر میں خوش دیکھتے تو من میں ٹھنڈک سی اتر جاتی...... لیکن شاہ زیب کا دکھ اور تنہائی دل میں عجیب سی کسک پیدا کردیتی...... اس نے تو صاف صاف شادی سے انکار کردیا تھا۔

"اگر فریال نہیں تو کوئی نہیں......" پچھتاوے نے

فرزند علی کو گھیرنا شروع کردیا۔ کیا تھا اگر وہ ضد نہ کرتے...... ثمینہ اتنی خوش ہے...... شاہ زیب بھی خوش ہوتا تو دل میں کوئی قلق اور رنج نہ ہوتا۔ ثمینہ نے بھی کتنا سمجھایا تھا...... لیکن بیوی کے مشورے کو انہوں نے پہلے کب اہمیت دی تھی جواب دیتے۔ ایک دن اچانک شاہ زیب کا مارکیٹ میں فریال سے ٹکراؤ ہوگیا۔ دونوں گم صم کھڑے ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔ پھر شاہ زیب نے ہی زبان کھولی۔

کیسی ہو...... خوش تو ہوناں......؟"

"ہاں خوش ہوں......" وہ نم آنکھوں سے بولی۔ "نواز بہت اچھے ہیں، میرا بہت خیال رکھتے ہیں، محبت کرتے ہیں مجھ سے۔"

"کسے یقین دلا رہی ہو...... مجھے یا خود کو؟" وہ دکھ سے بولا۔ اس کے پاس اب کوئی جواب نہ تھا سوائے فرار کے، لہٰذا وہ گاڑی میں بیٹھی اور زن سے گزر گئی۔ نواز نے پہلی رات گھونگھٹ اٹھاتے ہی کہا تھا۔ لہجے میں واضح تلخی اور طنز تھا۔

"سنا ہے بچپن کی محبت قربان کرکے آئی ہو۔" اس کی آنکھوں میں تلخی تھی۔ "کتنی بار تم نے تصور میں شاہ زیب کو دیکھا ہوگا اس جگہ سچ سچ...... بہت زیادتی ہوگئی تمہارے ساتھ...... یہ روپ سجانا بھی پڑا تو کس کے لیے، جسے چاہتی تک نہیں تھیں اور مجھے دیکھو میں کتنا بدقسمت ہوں۔ خوامخواہ قربانی کا بکرا بن گیا۔ ابو کا مان نہ توڑ سکا۔ میں تو سفر میں شامل بھی نہ تھا۔ پھر مجھے کس بات کی سزا ملی......؟ وہ کسی شاعر نے شاید میرے لیے ہی یہ شعر کہا تھا۔ منزل انہیں ملی جو شریک سفر نہ تھے۔" پھر یہ روز کا معمول ہوگیا...... بات بات پر طنز کرنا، شاہ زیب کے طعنے دینا، اس سے اور اس کی ضروریات سے لاپروائی برتنا۔

"بہت خوبصورت لگ رہی ہو کس کے لیے اتنے دل سے تیار ہوئی ہو......؟ بیچارہ شاہ زیب تمہیں دیکھ بھی نہیں سکتا یقیناً تڑپتا ہوگا تمہارے لیے، تمہارے فراق میں ابھی تک شادی نہیں کی شاید میرے مرنے کا انتظار کر رہا ہے فکر نہ کرو ایک دن تمہیں آزاد کردوں گا۔" وہ خاموشی سے سب سنتی، آنسو پیتی اور اپنے کام میں مشغول رہتی۔ ساس اور سسر اس سے بہت محبت کرتے تھے۔ وہ اکثر نواز کو ہی ڈانٹتے کہ وہ اس سے لاپروا کیوں رہتا ہے، اسے گھمانے کیوں نہیں لے جاتا، اسے خوش کیوں نہیں رکھتا۔

لیکن تین ماہ کے بعد ہی جب نواز ایک ٹریفک حادثے میں اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھا تو وہی لاڈلی بہو منحوس کا لیبل لگا کر گھر بھیج دی گئی...... گھر آکر اپنے کمرے میں سارے عرصے کے رکے ہوئے آنسو نکلے۔ وہ پھوٹ پھوٹ کر ایسے میں روئی۔ شاہ زیب کے دل کی بے قراری دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔ اس کا بس چلتا تو اسے سینے سے لگا کر تسلیاں دیتا۔ اس کے سارے دکھ درد سمیٹ لیتا لیکن قسمت کی ستم ظریفی تھی کہ وہ اس سے مل بھی نہیں سکتا۔ وہ عدت میں تھی اور اپنے کمرے میں بند ہوگئی تھی۔ کسی سے نہیں ملتی تھی۔ شاہ زیب سے تو بچھڑی ہی تھی لیکن نواز نے اس کی روح کو ایسا زخمی کیا تھا کہ وہ بالکل اجڑ کر رہ گئی تھی۔ دل سے ہر آرزو، تمنا ختم ہوگئی تھی۔ وہ بالکل چپ ہوکر رہ گئی تھی۔ امجد علی اسے یوں اجڑی بکھری حالات میں دیکھتے تو دل میں کسک ہونے لگتی۔ اس کی حالت کی وجہ وہ خود تھے۔ ان کی ہٹ دھرمی نے یہ دن دکھایا تھا۔ ان کی ہنستی کھیلتی، چہکتی بلبل کو زبان بندی کی سزا سنائی تھی۔ اسے یوں دیکھ کر دل دہل گیا تھا۔ وہ زندگی سے عاری بے جان شے کی مانند لگ رہی تھی۔ تب انہوں نے سوچ لیا تھا کہ وہ اپنے جرم کی تلافی ضرور کریں گے۔ اس کی بے رونق زندگی میں رنگ بھر دیں گے۔ اس کا شاہ زیب اسے لوٹا دیں گے دوسری طرف فرزند علی کی اپنی غرض بھی تو شامل تھی اس میں، اپنا بیٹا بھی تو زندگی سے بے زار ہوگیا تھا۔ ساری عمر شادی نہ کرنے کا فیصلہ کر بیٹھا تھا۔ وہ دونوں کو زندگی کی طرف لوٹانا چاہتے تھے۔ اپنا ظرف بڑا کرکے امجد علی نے سب سے پہلے بھائی سے معافی مانگی...... اپنے گناہوں کا اعتراف کیا، اپنی غلطیوں پر شرمندگی کا اظہار کیا چونکہ فرزند علی کا ارادہ بھی وہی تھا۔ اس

لیے انہیں معاف کردیا...... بچوں کی خوشیوں کی خاطر ایسا کرنا ضروری تھا۔ فرزند علی نے اپنا مدعا بھی بیان کردیا۔ اپنے بیٹے کے کبھی شادی نہ کرنے کے فیصلے کے بارے میں بھی بتایا۔ فیصلہ بہرحال فریال کو کرنا تھا...... صاف صاف بتادیا۔

"اب یہ فریال کی مرضی پر منحصر ہے۔ میں اس کی مرضی کے خلاف کوئی قدم نہیں اٹھاؤں گا۔ آپ کو انتظار کرنا ہوگا۔" اور وہ تو تیار تھے انتظار کرنے کو...... اللہ اللہ کرکے اس کی عدت ختم ہوئی تو شاہ زیب اس سے ملنے کو بے قرار ہوگیا۔ وہ بس اس کی صورت دیکھنا چاہتا تھا لیکن فریال نے صاف انکار کردیا۔

"میں ابھی کسی سے نہیں ملوں گی امی...... مجھے تنہا چھوڑ دیا جائے۔ مجھے کچھ وقت خود کے ساتھ گزارنے کی ضرورت ہے، اپنے زخموں کو بھرنے کی ضرورت ہے، خود سے سمجھوتہ کرنے کی ضرورت ہے۔ میں بہت تھک گئی ہوں امی...... میرے پاؤں میں آبلے پڑے ہیں، مجھے اپنی روح سے کانٹے چننے ہیں، ایک ایک کرکے ان سارے شیشوں کی کرچیاں نکالنی ہیں جو نواز نے میرے دل میں پیوست ہیں...... مجھے بہت سا وقت چاہیے......" اس کی خواہش پر عمل کرنا لازم تھا تاکہ وہ زندگی کی طرف لوٹ سکے۔ تبھی اس کی ہنسی کی جھنکار واپس آسکتی تھی۔ انہوں نے نرمی سے شاہ زیب کو بھی سمجھایا اور اس کے والدین کو بھی...... امجد علی کے کہنے پر فرزند علی اور ان کی بیوی تو سمجھ گئے لیکن شاہ زیب کی بے قراریاں عروج پر تھیں۔

"میں بس ایک نظر اسے دیکھنا چاہتا ہوں تائی جان...... بس تھوڑی دیر کے لیے...... میں اس سے کوئی بات نہیں کروں گا...... پلیز...... تائی جان۔" وہ ملتجی لہجے میں بولا۔

"ٹھیک ہے بیٹا...... وہ سو رہی ہے، تم چند منٹ کے لیے اسے دیکھ لو مگر محتاط رہنا۔" اور جب اس نے اسے دیکھا تو دل پر چوٹ لگی۔ وہ فریال تو نہیں تھی۔ اس کا سایہ لگ رہی تھی۔ اتنی کمزور آنکھوں کے گرد سیاہ حلقے، زرد رنگت،

آنچل کی جانب سے ایک اور آنچل

ماہنامہ
حجاب
کراچی

محبت نفرت کی آمیزش سے مزین ناقابل فراموش کہانیاں

محبت وبے وفائی مرد کا شیوا ہے، وہ اس میں کسی مقام تک جاسکتا ہے، نادیہ فاطمہ رضوی کی خوب صورت تحریر

محبت وجذبات اور خودسری کا اثر لیے ایک پراثر دلکش تحریر
نائلہ طارق کے قلم کا ایک نیا انداز، ایک نئی کہانی

خاندانی رسم ورواج کس طرح لڑکیوں کو باغی کرتا ہے
ریحانہ آفتاب کے نوک قلم نکلی ایک خوب صورت تحریر

اس کے علاوہ دنیا ادب کے نئے
ستارے ہر ماہ اس میں شامل ہیں

خوب صورت اشعار منتخب غزلوں
اور اقتباسات پر مبنی مستقل سلسلے

Infoohijab@gmail.com
021-35620771/2
0300-8264242

کملایا ہوا معصوم چہرہ اور پپڑی زدہ ہونٹ وہ زیادہ دیر دیکھ نہ سکا اور کمرے سے نکل آیا۔ کتنی دیر لان میں بے قراری سے ٹہلتا رہا۔ اس کے بارے میں سوچتا رہا کہ وہ اسے ٹھیک کرلے گا۔ اس کی محبت اسے دوبارہ زندگی کی طرف لے آئے گی۔ وہی ہنستی مسکراتی' شوخیاں اور شرارتیں کرتی فریال لوٹ آئے گی۔ عدت کے چار ماہ میں اسے سوچنے کا موقع ملا تھا۔ اپنی ذات اور اپنی زندگی کا تجزیہ کرنے کے لیے یہ کافی وقت تھا۔ پھر بعد میں بھی وقت نے زخموں پر مرہم رکھا تو وہ زندگی کی طرف لوٹ آئی تھی۔ امی نے اسے شاہ زیب کے پرپوزل کے بارے میں بتایا۔ چچا چچی کے پچھتاوے اور شرمندگی کا حال سنایا تو ایک طنزیہ مسکراہٹ نے لبوں کا گھیراؤ کرلیا...... زندگی برباد کردی اور اب پچھتا رہے ہیں کیونکہ بیٹے نے کہیں اور شادی سے انکار کردیا تھا پھر پہلی بار اس نے شاہ زیب کے بارے میں سوچا۔ اس کا تو کوئی قصور نہیں تھا۔ وہ تو ہر رشتہ نبھانا چاہتا تھا۔ اسے تو خود ماں باپ نے مجبور کیا تھا۔ وہ اس کے بچپن کی محبت' اس کے دل کا ساتھی' دکھ سکھ کا دوست پتہ نہیں کب دل میں نرم گرم جذبات نے ڈیرہ جمالیا' لیکن ابھی وہ کچھ دیر آزاد رہنا چاہتی تھی۔ کسی بھی بندھن سے گریز کررہی تھی۔ اتنی جلدی بھی کیا ہے' کیا حرج ہے اگر وہ ذمہ داریوں کے بوجھ سے کچھ عرصہ دور رہے' لیکن شاہ زیب نے اس کی ایک نہ سنی۔ دن رات اس سے بحث کی اپنی محبت اور وفاؤں کا یقین دلایا۔ اپنی بے قراریوں اور بے تابیوں کا حال سنایا اور آخرکار اسے راضی کرکے ہی دم لیا۔

آج دو ماہ بعد وہ دلہن بنی اس کے کمرے میں بیٹھی تھی۔ دل میں جذبات کا طوفان تھا۔ آنے والے دلکش لمحات نے اس کے چہرے کو روشن اور بے حد خوبصورت بنادیا تھا۔ تبھی وہ دشمن جان اندر داخل ہوا...... وہ سمٹ کر بیٹھ گئی۔ شرم وحیا سے چہرہ گلنار ہوگیا...... شاہ اس کے پاس بیٹھ گیا۔ پُرشوق نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے گھونگھٹ اٹھایا تو فریال نے بے اختیار چہرہ جھکالیا...... شاہ زیب انگلی سے اس کی ٹھوڑی اوپر کرکے کوئی خوبصورت بات کہنے ہی والا تھا کہ جانے کہاں سے اس کے تصور میں نواز کا چہرہ آگیا۔ اس سوچ کے ساتھ...... وہ وہیں منجمد ہوگیا۔ ہاتھ رک گئے' نظریں ساکت ہوکر فریال کے چہرے کا جائزہ لینے لگیں جب وہ کافی دیر تک کچھ نہ بولا تو فریال نے حیران ہوکر اوپر دیکھا۔

''کیا نواز نے بھی اسی طرح تمہارا گھونگھٹ اٹھایا تھا......؟'' وہ ٹرانس کے عالم میں تھا۔ فریال نے حیرت سے اسے دیکھا۔ شاہ زیب کے چہرے پر عجیب تاثرات تھے۔

''تمہیں دیکھ کر اس نے کیا کہا تھا......؟'' شاہ زیب کو جیسے کچھ ہوش نہ تھا کہ وہ کیا کہہ رہا ہے اور فریال کو اس کی بات سے کتنی تکلیف ہورہی ہے۔

''کیا اس نے تمہاری بہت تعریف کی تھی......؟'' وہ اپنے آپ میں نہ تھا۔

''شاہ زیب......'' وہ آنسو بھری آنکھوں سے بولی۔

''کیا ہوگیا ہے آپ کو...... یہ کیسے سوال کررہے ہیں؟''

''تم نے ہی تو کہا تھا کہ نواز بہت اچھے ہیں...... تم سے بہت محبت کرتے ہیں۔'' وہ کوئی اور ہی شاہ زیب لگ رہا تھا۔ بالکل اجنبی' دیوانہ' ہوش سے بیگانہ۔

''شاہ زیب......'' فریال اپنی آنکھیں بند کرکے کرب سے چلائی۔ ''تم...... تم تو مجھ سے محبت کرتے تھے پھر تم بھی نواز کی طرح وہی سوال کیوں کررہے ہو جو وہ کرتا تھا' وہ بھی مجھے تمہارے طعنے دے کر میری روح زخمی کرتا تھا اور اب تم بھی...... تم بھی شاہ زیب...... کیا تم بھی وہی کچھ کروگے؟'' وہ آنکھوں میں بے شمار بہتے نمکین پانی کے ساتھ اسے دیکھ رہی تھی کیا وہ دیوانگی کے عالم میں تھا۔

''میں ان آنکھوں میں یہ چمکتے موتی نہیں دیکھ سکتا جب کبھی رونا آئے تو شاہ زیب کے بارے میں سوچ لینا......'' اسے بے اختیار اس کا محبت بھرا جملہ یاد آیا۔ اس نے شاہ زیب کا ہاتھ پکڑ کر اپنی آنکھوں سے لگالیا۔ ''دیکھو میری طرف' یہ میں ہوں فریال...... تمہاری محبت نے کتنی مشکلوں سے حاصل کیا ہے مجھے...... دیکھو ان آنکھوں میں کتنے آنسو ہیں۔ تم تو کہتے تھے ان آنکھوں میں آنسو نہیں دیکھ سکتے' پھر تم خود ہی مجھے یہ آنسو کیوں دے رہے ہو' بولو...... کیوں؟'' فریال نے اسے جھنجھوڑا۔ وہ ایک جھرجھری لے کر ایک دم ہوش میں آیا اسے دیکھا تو بے اختیار اس کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں تھام لیا۔

''فریال...... میں نے تمہیں کہا تھا کہ میں ان آنکھوں میں آنسو نہیں دیکھ سکتا پھر بھی تم رو رہی ہو اور وہ بھی آج کی رات...... آج تو ہمارے ملن کی رات ہے' ہم نے کتنے برس انتظار کیا تھا اس رات کا کیوں...... کیوں رو رہی ہو میری جان؟'' شاہ زیب نے محبت سے اس کی پیشانی چوم لی اور اسے کسی متاع حیات کی طرح سمیٹ لیا۔

''خ...... خوشی کے آنسو ہیں شاہ زیب......'' وہ حیران پریشان اتنا ہی کہہ سکی کچھ اور سمجھ میں نہ آیا اور کہتی بھی کیا۔ کیسے کہتی کہ شاہ زیب نے اسے مہلت ہی نہ دی تھی۔ اپنی بے قراریوں اور برسوں کی چھپی آرزوؤں کی ایسی بارش برسائی کہ وہ اندر تک بھیگ گئی ابھی کچھ دیر پہلے والا شاہ زیب کہیں چھپ گیا تھا اور جس نئے شاہ زیب نے جنم لیا تھا وہ کتنا مختلف تھا۔ محبت کی مجسم تصویر لیکن......

☆......☆......☆

شاہ زیب پہلو میں پُرسکون نیند سو رہا تھا کتنی معصومیت اور آسودگی تھی اس کے چہرے پر یہ چہرہ اسے کتنا محبوب رہا تھا لیکن اب دل بے چینیوں کا شکار تھا۔ دل میں جیسے گرہ سی پڑگئی تھی۔ عورت کی محبت کے بارے میں اگر کوئی جان جائے تو چاہے شادی سے پہلے وہ کتنا اچھا دوست ہی کیوں نہ ہو' اس کا کتنا ہی احترام کیوں نہ کرتا ہو' اس کے شفاف کردار کو جانتا بھی ہو...... پھر بھی شوہر بن کر ہر بات بھول جاتا ہے۔ نواز تو اسے جانتا بھی نہیں تھا۔ اس کی دل دکھا دینے والی باتوں کو وہ سمجھ سکتی تھی لیکن شاہ زیب...... اس کو کیا ہوگیا تھا۔ وہ نواز سے محبت نہیں کرتی تھی اور نہ ہی نواز اس سے محبت کرتا تھا۔ اس نے ایک بار شاہ زیب کی تسلی کے لیے ایسا کہہ ضرور دیا تھا کیونکہ وہ شاہ زیب کو تب بھی پریشان نہیں دیکھ سکتی تھی' لیکن اب اس پر انکشاف ہوا تھا کہ ''نواز مجھ سے بہت محبت کرتے ہیں......'' اس کے دل میں اٹک گیا تھا اور آج رات اس جملے نے تصورات میں اسے پتہ نہیں کون کون سی تصویریں دکھائی تھیں کہ وہ اپنے آپ میں نہیں رہا تھا۔ پھر یہ حقیقت ہی تو ہے کہ محبت اپنی جگہ لیکن مرد کو ہمیشہ ان چھوئی عورت ہی چاہیے ہوتی ہے ورنہ اس کی سوچ کی دنیا جانے کہاں کہاں بھٹکتی ہے...... اور جب بھٹک کر پاؤں میں چھالے پڑنے لگتے ہیں تو ان چھالوں کی ساری جلن اور تکلیف عورت کو ہی سہنی پڑتی ہے۔ گرگٹ کے رنگ بدلنے کا تو سنا تھا لیکن...... مرد بھی گرگٹ ہی تو ہے اور جتنے رنگ وہ بدلتا ہے شاید گرگٹ بھی نہ بدلتا ہو تو کیا اب مجھے شاہ زیب کے ان بدلتے رنگوں کے ساتھ ہی زندگی گزارنی ہوگی؟ ہر وقت دھڑکا لگا رہے گا کہ کہیں پھر سے اس پر دورہ تو نہیں پڑگیا۔ کیا اس نے دوبارہ شادی کرکے غلطی کی ہے۔ کیا نواز کے ساتھ گزرے دن بار بار اسے عذاب میں مبتلا کریں گے...... کبھی شاہ زیب کی بے پناہ محبت اور کبھی نواز کے ساتھ کے طعنے۔

''ارے تم ابھی تک جاگ رہی ہو میری جان......'' شاہ زیب نے سوئی سوئی آنکھوں سے اسے دیکھا۔ ''خوشی کے مارے نیند نہیں آرہی ناں؟'' شاہ زیب نے اسے بازو سے کھینچ کر اپنے قریب کیا۔ پھر سکون سے آنکھیں بند کرلیں۔ فریال کی آنکھوں سے دو آنسو نکل کر شاہ زیب کی شرٹ میں جذب ہوگئے۔ لوگ کہتے ہیں عورت ایک پہیلی ہے لیکن مرد ذات تو وہ گتھی ہے جسے جتنا سلجھانے کی کوشش کرو' اتنا ہی الجھتی ہے۔ چاہے اس کوشش میں انگلیوں کی پوریں زخم زخم ہوجائیں۔

ہومیو کارنر

طلعت نظامی

متوازن غذا (Balanced Diet)

مفید خوراکیں جو خاص بیماری کی حالتوں میں استعمال کرنے سے فائدہ پہنچاتی ہیں اور بیماری دور کرکے صحت کو بحال کرنے میں مددگار ہوتی ہے۔ خوراک استعمال کرنے میں مندرجہ ذیل باتوں کو ہمیشہ پیش نظر رکھنا چاہیے۔

غذا اصلی ہونی چاہیے:۔

صرف ایک ہی غذا کھا کر ہمارے جسم کی تمام ضروریات پوری نہیں ہوسکتی اس لیے ہمیں بہت سی چیزیں ملا کر کھانا چاہیے مثلاً یہ خیال عام ہے کہ دودھ ایک مکمل غذا ہے جبکہ دودھ میں آئرن نہیں ہوتا گوشت میں کیلشیم یعنی چونا نہیں ہوتا ڈبل روٹی میں کاربوہائیڈریٹس تو ہوتے ہیں مگر چکنائی اور معدنی نمک نہیں ہوتے اس کے برعکس مکھن میں کاربوہائیڈریٹس اور پروٹین نہیں ہوتے اس لیے ہمیں اپنی تمام غذائی ضروریات یعنی اچھے قسم کے پروٹین مقررہ حرارے لینی نمک اور وٹامن حاصل کرنے کے لیے ایک سے زیادہ چیزوں کو ملا کر کھانا چاہیے۔

ہر روز ایک جیسی غذا نہیں کھانی چاہیے:۔

اگر ہماری خوراک مختلف اور متنوع ہوگی تو اس سے ضروری اجزاء حاصل ہوتے رہیں گے اس لیے ہمیں مختلف چیزیں بدل بدل کر کھانی چاہیں اس کے علاوہ روز روز ایک ہی قسم کی خوراک کچھ ذائقہ بھی نہیں دیتی جو خوراک مزے دار نہ ہو آسانی سے ہضم نہیں ہوتی۔

غذا صاف ستھری ہونی چاہیے:۔

جہاں تک ممکن ہوسکے ہر چیز تازہ استعمال کرنی چاہیے باسی، سڑی گلی چیزوں سے قطعی پرہیز لازم ہے ایسی چیزیں مضر صحت ہیں ان کے کھانے سے بجائے فائدے کے نقصان ہوتا ہے کھانے کی چیزیں صاف ستھرے برتنوں میں ڈھانپ کر رکھنی چاہیں بازاروں میں جو کھانے کی چیزیں بکتی ہیں وہ اکثر کھلی رہتی ہیں اور ان پر گرد وغبار کے علاوہ مکھیاں بھی بیٹھتی ہیں جس کی وجہ سے ان میں غلاظت اور جراثیم شامل ہوجاتے ہیں ایسی چیزوں کو کھانے سے کئی خطرناک بیماریاں پیدا ہوسکتی ہیں۔

غذا مقدار میں کافی ہونی چاہیے:۔

کافی مقدار سے مراد خوراک کا وزن نہیں ہمیں یہ دیکھنا چاہیے کہ خوراک سے ہمیں اعلیٰ قسم کے پروٹین، حرارے، معدنی نمک اور وٹامن اس مقدار میں مل سکیں جس مقدار میں ہمارے جسم کو ان کی ضرورت ہے۔

غذا لذیذ ہونی چاہیے:۔

لذیذ خوش رنگ اور خوش بودار غذا سے طبیعت میں اشتہا پیدا ہوتی ہے اس اشتہا سے معدے میں خوراک کو ہضم کرنے والی رطوبتوں کی مقدار میں اضافہ ہوتا ہے اور خوراک بہت جلد ہضم ہوجاتی ہے۔

غذا زود ہضم ہونی چاہیے:۔

زود ہضم ہونے کا مطلب یہ نہیں کہ خوراک اس قدر جلد معدے سے گزر کر چھوٹی آنت میں پہنچ جاتی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ خوراک آلات ہضم میں کتنے عرصہ میں تحلیل ہوکر جزو بدن بنتی ہے۔

کیمیکل اینڈ منرلز:۔

ہمیں پروٹین اور وٹامن کا پتا ہے کہ کس کس چیز میں یہ موجود ہوتے ہیں لیکن کیمیکلز اور منرلز کے بارے میں بھی آگہی رکھنا انسانی صحت کے لیے بہت ضروری ہے جیسے۔

گندھک یعنی سلفر والی غذائیں:۔

اناناس، گاجر، سلاد، پھول گوبھی، سیب، خوبانی، بادام، جو، لیموں، چقندر، گوبھی، پنیر، ناریل، سنگترہ، مٹر، آلو، پالک، مولی، ٹماٹر، شلغم، انڈے، تربوز، کھجور، خشک انجیر جلدی امراض کو روکتی ہیں بالوں کو مضبوط کرتی ہیں اور آنتوں کے لیے بھی بہترین ہیں۔

فاسفورس والی غذائیں:۔

دودھ، پنیر، انڈے کی زردی، گوشت، مچھلی، مٹر،

سنگترہ، مالٹا، جو، گندم، مکھن، گوبھی، کھیرا، سلاد، بند گوبھی، زیتون، مونگ پھلی، آلو بخارے، ایسی غذائیں ہڈیوں اور دانتوں کو مضبوط بناتی ہیں اور دماغ کے لیے بھی فائدہ مند ہیں۔

فولاد والی غذائیں:۔

کلیجی، خوبانی، انڈا، مچھلی، سلاد، پیاز، گاجر، مولی، آلو بخارہ، پنیر، اناناس، بند گوبھی، کھیرا، کھجور، سنگترہ، انگور، گندم، چقندر، سیب، ناشپاتی، یہ غذائیں چہرے کی سرخی، ہاتھ پاؤں کی حرارت طاقت اور عمدہ یادداشت کے لیے ضروری ہیں

کیلشیم والی غذائیں:۔

دودھ، پنیر، دہی، سیب، خوبانی، بادام، گوبھی، گاجر، کھیرا، انجیر، انگور، لیموں، سلاد، زیتون، پیاز، سنگترہ، مونگ پھلی، آلو بخارہ، اناناس، مولی، پالک، سویا بین، ٹماٹر، شلغم اور انڈا، یہ غذائیں بھی انسان کی ہڈیوں اور دانتوں کے لیے مفید ہیں۔ ریڑھ کی ہڈی کو یہ جھکنے نہیں دیتی بچوں کے لیے بہت ضروری ہیں۔

کلورین والی غذائیں:۔

کریم، پنیر، پالک، بکری کا دودھ، شلغم، انڈے کی سفیدی، مکھن، ٹماٹر یہ غذائیں قبض کشا بھی ہیں اور یہ موٹاپا کم کرنے میں بھی مددگار ہیں۔

آئیوڈین والی غذائیں:۔

مچھلی، جو، گندم، گاجر، گوبھی، کھیرا، چکوترہ، ٹماٹر مولی، یہ بھی جسم کو موٹاپے سے محفوظ رکھتی ہیں۔

میگنیشیم والی غذائیں:۔

لیموں، انجیر، کھیرا، گوبھی، آڑو، انڈے کی زردی، سیب، بادام، گاجر، ناریل، سلاد، پیاز، سنگترہ، چاول، آلو بخارا، مولی، شلغم، پالک، ٹماٹر، گندم یہ غذائیں اعصاب اور شریانوں کو مضبوط بناتی ہیں انسان کو جوان رکھتی ہیں۔

خوراک کی کمی کے اسباب (Mal Nutritional Diseases)

Deficeincy Disease سے مراد وہ امراض ہیں جو خوراک کی کمی کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں متوازن خوراک میں پروٹین کاربوہائیڈریٹ، نمکیات، وٹامن، چکنائی اور پانی کی مناسب مقدار ہوتی ہے متوازن خوراک میں کسی بھی ایک چیز کی کمی سے مختلف امراض پیدا ہوجاتے ہیں۔

پروٹین ہماری صحت کے لیے ہی نہیں بلکہ ہماری زندگی کے لیے بھی بہت ضروری ہیں ایک بالغ آدمی کے روزانہ کی خوراک میں تقریباً 22 گرام پروٹین ہونا لازمی ہے جبکہ بچوں کی خوراک میں اس کی مقدار سے تین گنا زیادہ ہونی چاہیے کیونکہ بچوں کے جسم میں پروٹینز کا ذخیرہ بالکل نہیں ہوتا یہی وجہ ہے کہ Protiens کی کمی کی وجہ سے بچوں میں بہت سی بیماریاں پیدا ہوجاتی ہیں بعض حالات میں خوراک کی تو کمی نہیں ہوتی بلکہ چھوٹی آنت میں سوزش کی وجہ سے خوراک صحیح طور پر جذب ہوکر جزو بدن نہیں بن پاتی جس کے نتیجے میں مریض کمزور ہونے لگتا ہے وزن کم ہوجاتا ہے رنگت پیلی پڑ جاتی ہے بچوں کی نشوونما متاثر ہوتی ہے خون کی کمی ہوجاتی ہے وغیرہ جسم میں خوراک کی کمی کی وجوہات حسب ذیل ہیں۔

- کم خوراک کھانا Reduce Intake
- ناقص انجذاب Mal-Absorbtion
- غذا کی ضرورت کا بڑھ جانا Excessive Demand
- Reduced Storage Facilities

جسم میں جگر کی خرابی کے باعث مختلف وٹامنز، آئرن، گلوکوز اسٹور نہیں ہوتا۔

بیاض دل

میمونہ رومان

علشبہ نور...... بھرکنڈ
دل میں پھر خوشیوں کا پیغام آرہا ہے
ہم سے ملنے بہت پیارا مہمان آرہا ہے
یہ جان کر ہم خوشی سے سرشار ہوں گے
ہو مبارک مومنوں، رمضان آرہا ہے

سعدیہ رب نواز...... ودھیوالی بھکر
نہیں ہم کو شکایت اب کسی سے
بس اپنے آپ سے روٹھے ہوئے ہیں
بظاہر خوش ہیں لیکن سچ بتائیں
ہم اندر سے بہت ٹوٹے ہوئے ہیں

آسیہ پروین...... گوجرانولہ
دل کی دہلیز پہ رکھ کے قدم نہ لوٹا پھر
کسی اور کا سایہ بھی عذاب ہوگا

☆......☆......☆

سچائیوں کا جن کے سروں میں جنون تھا
ہر شہر یارِ وقت نے وہ سر اڑا دیے
بارود کے خمار سے وحشت اٹھ پڑی
اپنے ہی بھائیوں نے بھرے گھر اڑا دیئے

تسنیم بشیر حسین...... ڈنگہ
یہ ہجر کیا ہے وصال کیا ہے
ہے گردشِ ماہ و سال کیا ہے
ہے جملہ رسمی سہی مگر تم
کبھی تو پوچھو کہ حال کیا ہے

سمیرا سواتی...... بھیر کنڈ
اک شخص جو کم کم میسر ہے مجھ کو
آرزو ہے کہ کسی روز وہ سرراہ مل جائے
اسے کہنا ملاقات ادھوری تھی وہ
اسے کہنا کہ کسی روز آکر دوبارہ مل جائے

لیلیٰ رب نواز...... ودھیوالی بھکر
بہت بے تاب ہوتا ہے آزادی کو تڑپتا ہے
مگر پنجرے میں بند ہوکر سفر اپنا وہ کرتا ہے
دن گن گن نہیں تھکتا نہ وہ مایوس ہوتا ہے
پرندہ ہم سے اچھا ہے امیدیں زندہ رکھتا ہے

پروین افضل شاہین...... بہاولنگر
ڈسا ہوا تھا تیری دوستی کے سانپوں کا
خود اپنے سائے کی حرکت سے ڈرگیا کوئی
بہت سکون دیا تھا مجھے اندھیروں نے
چراغ کیوں میرے کتبے پر دھر گیا کوئی

☆......☆......☆

کوثر خالد...... جڑانوالہ
قرب کے نہ وفا کے ہوتے ہیں
سارے جھگڑے انا کے ہوتے ہیں
بات صرف نیت کی ہے ورنہ
وقت سارے دعا کے ہوتے ہیں

شبنم دل اینڈ حمیرا نذیر...... مانسہرہ
اک دیا ایسا بجھا ہے مجھ میں
نوحہ گر اب کہ ہوا ہے مجھ میں
عکس در عکس بکھرنا ہے مجھے
جانے کیا ٹوٹ گیا ہے مجھ میں

(مقدس زہرہ...... جھنگ)
خود کو بکھرتے دیکھتے ہیں، کچھ کر نہیں پاتے ہیں
پھر بھی لوگ خوابوں جیسی باتیں کرتے ہیں
ایک ذرا سی جوت کے بل پر اندھیاروں سے بیر
پاگل دیے ہواؤں جیسی باتیں کرتے ہیں

ارم کمال...... فیصل آباد
دل نہ چاہے تو اک ساتھ بسر کیسے ہو
لیکن اس بات کی اب اس کو خبر کیسے ہو
ساتھ رہنے کی اذیت درودیوار سے پوچھ

دل نہ ملتے ہوں مکینوں کے تو گھر کیسے ہو

گلشن چودھری...... گجرات
اب تو کسی پر اعتبار نہیں رہا طیبہ
ہم اپنا راز دان کسی کو بنایا نہیں کرتے
جو کر نہ سکے وفا پہلے ہی قدم پر
ہم اس سے تعلق بڑھایا نہیں کرتے

انعم زہرہ...... ملتان
تہوار ہے دلوں کا دل سے منائیے
ہے دعوت محبت تشریف لائیے
دستور ہے دنیا کا کچھ لے کے کچھ دینا
اب دل لے ہی لیا ہے تو دل دے کے جائیے

نور حیدر...... خانیوال
جاتے ہوئے وہ مجھ سے میری ذات لے گیا
دل میں چھپی وہ اپنی ہر اک بات لے گیا
تنہا ضرور تھا میں کسی چاند کی طرح
دے کے وہ چاندنی بھرے لمحات لے گیا

سیدہ لوبا سجاد...... کروڑ پکا
وعدہ کیا تھا خواب میں آئیں گے رات کو
مارے خوشی کے نیند نہ آئی تمام رات

ہما طاہر...... ٹوبہ ٹیک سنگھ
ادب نے دل کے تقاضے اٹھائے ہیں کیا کیا
ہوس نے شوق کے پہلو دبائے ہیں کیا کیا
پہاڑ کاٹنے والے زمین سے ہار گئے
اسی زمین میں دریا سمائے ہیں کیا کیا

طیبہ سعید...... نواب چوک، گوجرانولہ
مرتا ہوں کہ مرمٹوں گا آخر
جینے کو تو عمر بھر جیا ہوں
ڈھل جاؤں گا اگلی بارشوں میں
دیوار پہ چاک سے لکھا ہوں

ذکاء زرگر...... جوڑہ
ہجر کی شب کا کسی اسم سے کٹنا مشکل
چاند پورا ہو تو پھر درد کا گھٹنا مشکل
قوتِ غم ہے جو اس طرح سنبھالے ہے مجھے
ورنہ بکھروں کسی لمحے تو سنبھلنا مشکل

ہما طاہر...... ٹوبہ ٹیک سنگھ
ابن آدم کے سخت لہجے نے
بنت حوا کو رلا رکھا ہے

فائزہ بھٹی...... پتوکی
دیکھ کر کہیں اور تیرے پیار کی برسات
خشک سالی سی اتر آئی ہے دل کی زمین پر

بشریٰ نواز...... ودھیوالی بھکر
دل ناداں کو سمجھاؤ محبت زخم دیتی ہے
تم اپنی قید سے باز آؤ محبت زخم دیتی ہے
محبت کا سفر آغاز کرنے پر تمہیں ہم نے
کہا تھا نہ کہ رک جاؤ محبت زخم دیتی ہے

مدیحہ نورین مہک...... گجرات
سجدوں سے تیرے کیا ہوا صدیاں گزر گئیں
دنیا تیری بدل دے وہ سجدہ تلاش کر

عنبر مجید عنبرو، کوٹ قیصرانی
آنسو کو یونہی تم پونچھتے جاؤ گے
یادوں میں میری تم یونہی ڈوبتے جاؤ گے
چاہ کر بھی نہ ہٹا پاؤ گے تصویر دل سے
ان آنکھوں میں چھپی تڑپ سے تڑپ جاؤ گے

ناز بلوچ...... حیدرآباد
یہ کیسے کیسے ریا کار ہیں زمانے میں
سزا کے نام سے چونکے، جزا کو لے ڈوبے

biazdill@aanchal.com.pk

ڈش مقابلہ

طلعت آغاز

لچھا دار پراٹھا

اشیاء:

میدہ	تین کپ
نمک	حسب ذائقہ
تیل یا گھی	حسب ذائقہ
انڈا	ایک عدد (اگر چاہیں تو نہ ڈالیں)

تمام چیزوں کو آٹے میں مکس کر کے پانی سے گوندھ لیں اور کم از کم پندرہ منٹ کے لیے ڈھک کر رکھ دیں۔

ترکیب:

آٹے کے مناسب سائز کے پیڑے بنا لیں اور روٹی کی طرح گول بیل لیں۔ اور اس پر گھی لگا کر تھوڑا سا میدہ چھڑک دیں۔

بیچ میں سے چھری سے ایک سائڈ سے کاٹ لیں، پھر اس کو رول کر لیں کہ وہ کون کی طرح بن جائے۔ پھر بل دیتے ہوئے پیڑا بنا لیں۔

پھر دوبارہ بیل کر فرائنگ پین میں تھوڑا گھی ڈالیں اور دائرے میں پڑھاتے کو چمچے سے گھما کر براؤن ہونے تک تلیں۔

کشور عرفان...... کراچی

انڈے کا خاگینہ

اشیاء:

انڈے	دو عدد
ٹماٹر	آدھا پاؤ
ادرک	ذرا سی
نمک، سرخ مرچ	حسب پسند
پیاز	ایک عدد
ہری مرچ	چار یا چھ عدد
گھی	چار بڑے چمچے
ہرا دھنیا	گارنشنگ کے لیے

ترکیب:

پیاز باریک کاٹ لیں ادرک، ہرا دھنیا سب باریک کاٹ لیں۔ ایک دیگچی میں گھی گرم کریں اور اس میں کٹی ہوئی پیاز ڈال دیں۔ ہلکی براؤن ہونے پر ذرا سا پانی ڈالیں اور ساتھ ہی نمک، سرخ مرچ، ٹماٹر اور ادرک ڈال دیں۔ دو چار بار چمچہ چلا کر تھوڑا پانی ڈال دیں تا کہ پیاز گل جائے، دس منٹ کے بعد اس کو کھولیں اور بھون کر مسالا خشک کر لیں۔ پھر اس میں انڈے ڈال کر آہستہ سے چمچہ چلائیں۔ انڈے کے ٹکڑے بڑے بڑے اور خوب صورت دکھائی دینے چاہئیں، اوپر سے ہرا دھنیا ڈال کر پیش کریں۔

نسرین بانو...... سیالکوٹ

کچے قیمے کے کباب

اشیاء:

قیمہ	آدھا کلو
پیاز (تل کر براؤن پیس لیں)	ایک کھانے کا چمچہ
بیسن (بھون لیں)	چار کھانے کے چمچے
انڈا	ایک عدد
ہرا دھنیا (چوپ کر لیں)	دو کھانے کے چمچے
ہری مرچیں (چوپ کر لیں)	دو عدد
پیاز (باریک چوپ کی ہوئی)	آدھا کپ
پپیتا پیسٹ	ایک چائے کا چمچہ
ثابت لال مرچیں	دس عدد
ثابت دھنیا	ایک چائے کا چمچہ
ثابت زیرہ	ایک چائے کا چمچہ
سیاہ مرچ پاؤڈر	چھ عدد
لونگ	چار عدد
دار چینی	ایک عدد (ٹکڑا)
چھوٹی الائچی	تین عدد
بڑی الائچی	ایک عدد

ترکیب:

ثابت لال مرچیں، ثابت دھنیا، ثابت زیرہ، سیاہ مرچ پاؤڈر، دار چینی، چھوٹی الائچی اور بڑی الائچی کو بھون کر پیس لیں۔ قیمہ میں براؤن کی ہوئی پیاز، لہسن، ادرک، پیسٹ، بیسن، انڈا، ہرا دھنیا، ہری مرچیں، نمک، پیاز، پپیتا پیسٹ اور بھون کر پسا ہوا مسالا ڈال کر مکس کر کے آدھا گھنٹہ میرینیٹ ہونے کے لیے چھوڑ دیں۔ اب آمیزے کے چھوٹے چھوٹے کباب بنا کر تھوڑے گرم تیل میں فرائی کریں۔ ہری چٹنی، پیاز اور روٹی کے ساتھ سرو کریں۔ مزے دار کچے قیمہ کے کباب تیار ہیں۔

فرخندہ ہمایوں...... لاہور

بھنا ہوا قیمہ

اشیاء:

قیمہ	آدھا کلو
پیاز	دو عدد
ابلے ٹماٹر	تین عدد
ہرا دھنیا	آدھی گڈی
ہری مرچ	چار عدد
کٹی لال مرچ	ایک کھانے کا چمچہ
ہلدی	ایک چائے کا چمچہ
خشک میتھی	ایک چائے کا چمچہ
ادرک لہسن کا پیسٹ	دو کھانے کے چمچے
نمک	حسب ذائقہ
تیل	ایک چوتھائی کپ

ترکیب:

پہلے کڑاہی میں تیل گرم کر کے دو عدد باریک کٹی پیاز شامل کر کے اتنا فرائی کریں کہ وہ اچھی طرح سے گولڈن ہو جائے۔ پھر اس میں دو کھانے کے چمچے ادرک لہسن کا پیسٹ اور آدھا کلو قیمہ شامل کر کے اتنا بھونیں کہ قیمہ کا تمام پانی خشک ہو جائے۔ پھر اس میں تین عدد کٹے ہوئے ٹماٹر چار عدد، ہری مرچ ایک کھانے کا چمچہ، کٹی لال مرچ ایک چائے کا چمچہ، ہلدی آدھا چائے کا چمچہ، پسا گرم مسالہ اور حسب ذائقہ نمک شامل کر کے خوب اچھی طرح سے بھنائی کریں۔

آخر میں ہرا دھنیا اور خشک میتھی ڈال کر مکس کر لیں اور سرو کریں۔

عابدہ شکیل...... ملتان

سموسہ پٹی

اشیاء:

میدہ	ایک کلو
نمک	حسب ذائقہ
پانی	حسب ضرورت
تیل	سات کھانے کے چمچے

ترکیب:

پیالے میں میدہ اور نمک ڈال کر پانی کے ساتھ گوندھ لیں۔ اب اس کے چھوٹے چھوٹے پیڑے بنائیں اور پھر چھوٹی روٹیاں بیل لیں۔ پھر ایک روٹی پر تیل لگا کر دوسری روٹی اس کے اوپر رکھیں اور اس طرح پانچ لیئرز بنا کر ایک بڑی روٹی بیل لیں۔ پھر گرم توے پر تھوڑا سا سینک لیں اور لمبائی میں سموسہ پٹی کی طرح کاٹ لیں۔ پھر لیئرز کو الگ الگ کر لیں۔ سموسہ پٹی تیار ہے۔

شائستہ انصار...... ڈیرہ غازی خان

اسپرنگ رول

اشیاء:

رول کے لیے پٹیاں	تیرہ عدد
بند گوبھی	ایک عدد (درمیانے سائز باریک کٹی ہوئی)
گاجر	دو عدد کدوکش کی ہوئی
شملہ مرچ	باریک کٹی ہوئی
ہری پیاز	چار عدد باریک کٹی ہوئی
نمک	حسب ذائقہ
کٹی ہوئی مرچ	ایک چائے کا چمچہ
کالی مرچ پسی ہوئی	ایک چائے کا چمچہ
اجینو موتو	ایک چائے کا چمچہ
سویا سوس	دو چائے کے چمچے
سرکہ	دو چائے کے چمچے
کوکنگ آئل	دو کپ

ترکیب:

تمام سبزیوں کو دو چمچے تیل ڈال کر فرائی کر لیں۔ تقریباً پانچ منٹ تک اس کے بعد تمام مسالے شامل کر لیں، جب تمام سبزیاں ٹھنڈی ہو جائیں تو ایک ایک پٹی پر تیار سبزیوں کو رکھ کر رول بنائیں اور ڈیپ فرائی کریں، کیچپ کے ساتھ نوش فرمائیں۔

کوثر ناز...... میر پور خاص

چکن اور آلو کے کٹلٹس

اشیاء:

ڈبل روٹی	ایک عدد
بغیر ہڈی کی مرغی	ڈیڑھ پاؤ
آلو ابلے ہوئے	ڈیڑھ پاؤ

نمک	حسب ضرورت
کٹی مرچیں	دو چائے کے چمچے
املی کا پیسٹ	چار کھانے کے چمچے
زیرہ (پسا ہوا)	ایک چائے کا چمچہ
تیل	تلنے کے لیے
کیچپ	حسب ضرورت

ترکیب:

ابلے ہوئے آلوؤں کو اچھی طرح سے مسل لیں، اب ان میں نمک، املی، کٹی مرچیں اور زیرہ شامل کردیں۔ چکن کو دو کپ پانی میں ڈال کر گلالیں اور گلنے کے بعد اس کے ریشے الگ کرلیں اور آلوؤں میں ملادیں۔ ڈبل روٹی کے سلائسز کے کنارے سے دبا کر پانی اس طرح نچوڑیں کہ سلائس نہ ٹوٹے (پانی کسی گہری پلیٹ میں لیں) اب اس سلائس کے درمیان آلو والا آمیزہ رکھ کر لمبائی یا گولائی میں فولڈ کریں، اس طرح سارے کٹلس بنالیں۔ اب تیل گرم کرکے ان کٹلٹس کو گولڈن براؤن ہونے تک فرائی کریں (دھیان رہے کہ ان کو ڈیپ فرائی نہیں کرنا ہے) براؤن ہونے پر ڈش میں نکال کر کیچپ کے ساتھ سرو کریں۔

تہمینہ اعجاز...... لاڑکانہ

قیمے کے سموسے

اشیاء:

قیمہ	دو سو پچاس گرام
پیاز (چوپ کرلیں)	ایک عدد
لہسن، ادرک پیسٹ	ایک چائے کا چمچہ
نمک	حسب ذائقہ
لال مرچ پاؤڈر	آدھا چائے کا چمچہ
ہلدی پاؤڈر	چوتھائی چائے کا چمچہ
زیرہ (کٹا ہوا)	ایک چائے کا چمچہ
ٹماٹر (چوپ کرلیں)	ایک عدد
ہرا دھنیا، ہری مرچیں	حسب پسند
تیل	ایک کھانے کا چمچہ

سموسے بنانے کے لیے:

میدہ	دو کپ
گھی	دو کھانے کے چمچے
نمک	حسب ذائقہ
پانی	حسب ضرورت

ترکیب:

قیمے کو دھو کر اس میں پیاز، لہسن، ادرک، پیسٹ، نمک، لال مرچ پاؤڈر، ہلدی پاؤڈر، زیرہ، ٹماٹر آدھا کپ پانی اور تیل ڈال کر ہلکی آنچ پر پکنے کے لیے رکھ دیں۔ قیمہ بھننے لگے تو اس میں ہری مرچیں اور ہرا دھنیا ڈال کر بھون لیں اور ٹھنڈا کرلیں۔

ترکیب سموسے بنانے کے لیے:

میدے میں نمک اور گھی مکس کرکے پانی ڈال کر سخت آٹا گوندھ لیں اور تھوڑی دیر چھوڑ دیں۔ اس کے بعد آٹے کا پیڑا بنا کر بیل لیں اور گول کٹر سے کاٹ لیں، ایک سائیڈ پر قیمہ رکھیں۔ دوسرا سائیڈ پلٹ کر کنارے دبادیں اور گرم تیل میں فرائی کریں، چٹنی، دہی کے رائتے کے ساتھ افطار پر سرو کریں۔

لائبہ زبیر...... گلشن اقبال کراچی

چکن پکوڑے

اشیاء:

چکن کی بوٹیاں	ایک پیالی
کھانے کا سوڈا	چٹکی بھر
لہسن، ادرک کا پیسٹ	چائے کا ایک چمچہ
سفید زیرہ	چائے کا ایک چمچہ
بیسن	ایک پیالی
سرخ مرچ (کٹی ہوئی)	حسب ذائقہ
نمک	حسب ضرورت
چاٹ مسالہ	چائے کا آدھا چمچہ

ترکیب:

چکن کی بوٹیوں کو آدھے لہسن، ادرک، بیسن اور نمک کے ساتھ ابال لیں۔ باقی تمام اجزاء کا بیسن کا گاڑھا آمیزہ بنالیں۔ بیسن کا آمیزہ بنانے کے لیے چکن کی یخنی استعمال کرنی ہے، پانی استعمال نہیں کرنا، چکن کی بوٹیاں بیسن میں ڈبو کر تل لیں۔

بیوٹی گائیڈ

روبین احمد

ہمارے یہاں اکثر سانولی خواتین لوگوں کے نامناسب رویے کی وجہ سے اپنے آپ کو خوب صورت خیال نہیں کرتیں اور خود پر توجہ دینا چھوڑ دیتی ہیں، ایسی خواتین سے ہمارا سوال یہ ہے کہ کیا خوب صورتی کا معیار صرف گورا رنگ ہے۔

رنگت نکھانے کے ساتھ ساتھ میک اپ اور لباس کا بھی تعین کریں

ہمارے یہاں گورا رنگ ہی خوب صورتی کا معیار سمجھا جاتا ہے، حالانکہ دنیا بھر میں خوب صورتی کا معیار اب بدل چکا ہے، یہاں تک کہ حسن کے عالمی مقابلوں میں بھی صرف رنگت نہیں دیکھی جاتی، بلکہ دوشیزاؤں کا قد، جسامت، چال، آواز، گفتگو، اعتماد، ذہانت اور تقریباً ہر وہ چیز دیکھی جاتی ہے جو انسان کی شخصیت کا حصہ ہے۔ اب خوب صورتی کا معیار صرف یہ نہیں ہے کہ آپ کا رنگ گورا ہے تو آپ خوب صورت کہلائیں گی، بلکہ آپ میں وہ تمام خوبیاں ہونی چاہئیں جو آپ کی مکمل شخصیت کی ترجمانی کریں اور جہاں تک چہرے کی خوب صورتی کی بات آتی ہے تو وہ بھی صرف گورے رنگ تک ہی محدود نہیں۔ اگر ایسا ہوتا تو ہر گوری لڑکی خوب صورت کہلاتی۔ آپ نے یقیناً بعض ایسے چہروں کو بھی دیکھا ہوگا جن کا رنگ گورا نہیں ہوتا، لیکن پھر بھی ہم انہیں بار بار دیکھنا چاہتے ہیں کیوں کہ ان چہروں میں اتنی کشش ہوتی ہے کہ جی چاہتا ہے انہیں بار بار دیکھا جائے، یہ کشش، یہ اٹریکشن ہی چہرے کی اصل خوب صورتی ہے، دنیا بھر میں اس بات کو تسلیم کرلیا گیا ہے، لیکن ہماری ایشین کنٹریز میں اب بھی صرف گورا رنگ ہی خوب صورتی کا معیار ہے۔ شاید اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ کافی عرصے تک انگریزوں کی غلامی میں رہنے کی وجہ سے ہم نفسیاتی طور پر انہیں اب بھی خود سے برتر سمجھتے ہیں اور ان کا گورا رنگ آج بھی ہمارے لیے باعث فخر ہے، یہ ہی وجہ ہے کہ ہمارے یہاں اکثر سانولی خواتین لوگوں کے نامناسب رویے کی وجہ سے اپنے آپ کو خوب صورت خیال نہیں کرتیں اور خود پر توجہ دینا چھوڑ دیتی ہیں۔ ایسی خواتین کو ہمارا یہ مشورہ ہے کہ وہ لوگوں کے رویے کی وجہ سے دل چھوٹا نہ کریں اور اپنے آپ پر توجہ دیں، ایک بات ہمیشہ یاد رکھیں کہ انسان خدا کی تخلیق ہے اور خدا کی ہر تخلیق خوب صورت ہے، چاہے وہ جس روپ میں بھی ہو، اس لیے لوگوں کی باتوں کی پروا مت کریں اور جو خوب صورتی خدا نے آپ کو عطا کی ہے اسے اجاگر کریں۔ آج ہم آپ کو بتائیں گے کہ وہ کون سی باتیں ہیں جن پر عمل کرکے آپ اپنی خوب صورتی کو اجاگر کرسکتی ہیں۔

☆ صحت: سب سے پہلا اور بنیادی نکتہ خوب صورتی کا یہ ہے کہ اپنی صحت کا خیال رکھیں، کیوں کہ اگر آپ صحت مند ہوں گی تو صحت مندی کی چمک آپ کو دلکشی عطا کرے گی۔ اپنی غذا کا خاص خیال رکھیں اور پانی مناسب مقدار میں استعمال کریں۔

☆ لباس: لباس آپ جو چاہے پہن سکتی ہیں، لیکن کلر کا خاص خیال رکھیں، مثلاً اسکائی بلیو، پنک، لائٹ گرین، آف وائٹ، لائٹ بلیو، لائٹ گرے، پرل وغیرہ اور خاص طور پر سفید رنگ ضرور استعمال کریں۔ یہ آپ کے سانولے رنگ کو نکھار دے گا۔ اگر آپ کو ڈارک کلرز پسند ہیں تو مایوس ہونے کی کوئی ضرورت نہیں آپ اپنی یہ خواہش بھی پوری کرسکتی ہیں، وہ اس طرح کہ جو بھی ڈارک کلر آپ پہنیں اس کے ساتھ لائٹ کلر کا کنٹراس کرلیں اور لائٹ کلر کو ہمیشہ چہرے سے قریب رکھیں، تاکہ آپ کے چہرے کا رنگ ماند نہ پڑے، مثلاً اگر آپ نیوی بلیو کلر پہننا چاہیں تو لائٹ کلر کا کنٹراس کرکے پہنیں۔ مثلاً نیوی بلیو پر وائٹ ایمبرائیڈری کروالیں یا کوئی خوب صورت وائٹ لیس لگالیں اور دوپٹا وائٹ استعمال کریں، اس طرح دوسرے ڈارک کلر بھی کنٹراس کرکے پہنے جاسکتے ہیں، اگر آپ کنٹراس نہ کرنا چاہیں اور پورا سوٹ ڈارک کلر کا پہننا چاہیں تو کبھی کبھار پہن سکتی ہیں۔ اس میں کوئی حرج نہیں۔

☆ میک اپ: چہرے کی کلینزنگ کسی اچھی کمپنی کے کلینزنگ ملک سے کریں، جب آپ کا چہرہ صاف ہوجائے تب میک اپ شروع کریں۔ فاؤنڈیشن میک اپ کی بنیاد ہے جب تک اچھی نہیں ہوگی، میک اپ سیٹ نہیں ہو پائے گا۔ سانولی رنگت پر ہلکے رنگ سوٹ کرتے ہیں۔

حسن کی حفاظت

بہت زیادہ سفید یا گلابی فاؤنڈیشن آپ کے چہرے پر سوٹ نہیں کرے گا، اگر آپ کی جلد کے مطابق کلر نہ ملے تو دو شیڈ ملا کر بھی آپ فاؤنڈیشن لگا سکتی ہیں، بلشر میں آپ کپڑوں کی مناسبت سے کوئی بھی شیڈ استعمال کرسکتی ہیں۔ سوائے

شاکنگ پنک کے۔ پہلے لپ اسٹک کے ہلکے رنگ سانولی خواتین کی چوائس ہوتی تھی کیونکہ کہا جاتا تھا کہ گہرے رنگ سانولی خواتین پر سوٹ نہیں کرتے مگر اب یہ مفروضہ بدل چکا ہے آپ تمام گہرے کلرز استعمال کرسکتی ہیں۔ مثلاً براؤن، میرون، ریڈ، گولڈ براؤن، صرف پرپل کلر آپ ذرا سوچ سمجھ کر استعمال کریں، کیونکہ پرپل کے اکثر شیڈ ایسے ہوتے ہیں جن سے آپ کا چہرہ سانولا نظر آنے لگتا ہے۔

سانولی رنگت پر ہائی لائٹر بہت جچتا ہے، رات کی تقریب میں ہائی لائٹر کا ہلکا سا ٹچ آپ کے چہرے کو چمک بخش دیتا ہے۔ یہ ہائی لائٹر سنہری، سلور، سفید اور کئی کلرز میں دستیاب ہے جو بھی آپ کی اسکن ٹون پر سوٹ کرے آپ استعمال کرسکتی ہیں۔ آئی شیڈو میں آپ براؤن، کوپر، ڈارک پرپل استعمال کرسکتی ہیں۔ یہ آپ کی اسکن پر اچھا تاثر دیں گے۔ آئی لائنر اور مسکارا بلیک ہی استعمال کریں۔ یہ آپ کی اسکن کے لیے بہترین ہے۔

☆ بال: سانولی رنگت پر ہمیشہ گہرے سیاہ بال خوب صورت لگتے ہیں۔ اس لیے اپنے بالوں کو ڈائی کرنے کی غلطی نہ کریں بلکہ اپنے بالوں کو ان کے قدرتی رنگ میں ہی رہنے دیں۔

☆ جیولری: سفید موتیوں کے زیورات سانولی خواتین پر بہت سوٹ کرتے ہیں۔ سفید موتی پہننے سے ان کے چہرے پر ایک خاص قسم کی چمک آجاتی ہے۔ چاندی اور اسٹیل کے زیورات بھی آپ کی خوب صورتی میں اضافہ کریں گے۔ آرٹی فیشل سلور زیورات بھی آپ کے چہرے پر بہت نکھار لے آئیں گے۔ سونے کے زیورات بھی آپ ضرور استعمال کریں، خاص طور پر سونے کے جڑاؤ سیٹ آپ کی خوب صورتی میں اضافہ کریں گے۔

ان مشوروں کو آزما کر دیکھیں ان شاء اللہ آپ کے حسن میں ضرور اضافہ ہوا۔

موسم گرما میں احتیاط کیجیے

چاروں موسموں کی تبدیلی ہماری صحت اور مزاج پر اثر انداز ہوتی ہے۔ چونکہ ہمارے ہاں سب سے زیادہ عرصے تک رہنے والا موسم گرمی کا ہے، اس لئے زیادہ تر لوگ اس موسم سے پریشان رہتے ہیں، اس کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ اس موسم میں باہر نکلنے والی خواتین کو بڑی مشکل پیش آتی ہے۔ لیکن اگر مناسب تدابیر اختیار کی جائیں تو موسم گرما کو بھی پرلطف موسم بنا کر لطف اندوز ہوا جاسکتا ہے۔

جلد کی حفاظت

موسم کے اثرات انسانی جلد پر پڑتے ہیں اور گرمیوں میں فنگس کا خطرہ بڑھ جاتا ہے، ایسے میں کوشش یہ کرنی چاہیے کہ فنگس کو بڑھنے نہ دیں اور یہ جب ہی ممکن ہے جب جلد کو خشک رکھا جائے، عموماً پسینہ چلنے پھرنے، گرد وغبار کے باعث جلد پر آتا ہے اور جلد صفائی سے محروم ہوجاتی ہے اور پھر فنگس بڑھنے لگتا ہے۔ دوسری اہم بات یہ ہے کہ ہمارے یہاں لوگوں میں صحت عامہ کا شعور نہیں، پر اپنے اپنے مسائل ہیں لیکن جلد کی صفائی کے لیے روزانہ نہانا ضرور ہے اس کے لیے اچھے میڈیکیٹڈ صابن کا استعمال کریں تو اس کا اچھا اور خوشگوار اثر پڑے گا۔ دوسرے یہ کہ گرمیوں میں ایسے وقت باہر نکلیں جب دھوپ کی تمازت کم ہو اور اگر باہر نکلنا ضروری ہو تو لازم ہے کہ سن بلاک کا استعمال کیا جائے۔

اس میں یہ احتیاط ضروری ہے کہ سن بلاک اچھی میڈیکل کمپنی کا تیار کردہ ہو آئل فری بھی ملتا ہے اور اگر اسے استعمال کرنے کی عادت ڈال لی جائے تو جھریاں اور چھائیاں بھی نہیں پڑتیں مگر ہوتا یہ ہے کہ ہمارے یہاں احتیاطی تدابیر یا حفظان صحت کے اصولوں کو مدنظر نہیں رکھا جاتا اور جب کوئی مسئلہ پیش آجائے تو اس پر ہزاروں روپے خرچ کرنے کے لیے تیار ہوجاتے ہیں۔ حالانکہ سوچنا چاہیے کہ بزرگوں نے کہا تھا کہ احتیاط علاج سے بہتر ہے اور یہ بہتری ہمارے اپنے ہاتھوں میں ہے، اگر سن بلاک کا استعمال بچپن سے شروع کیا جائے تو اس سے جلد کو خاصا تحفظ مل جاتا ہے، لیکن افسوس ناک پہلو یہ ہے کہ ہمارے یہاں اس کا رواج ہی نہیں ہشاذ و نادر ہی استعمال کیا جاتا ہے جب کہ یہ ایک طرح سے جلد کی ضرورت ہے۔ خواتین گرمی میں باورچی خانے میں چولہے کے پاس کام کرتی ہیں انہیں سن بلاک کا استعمال کرنا چاہیے کیونکہ چولہے کی گرمی اور تپش خواتین کی جلد کو متاثر کرتی ہے۔

ہالہ سلیم...... کراچی

نیرنگ خیال

ایمان وقار

حمد پاک (قانونِ فطرت)

ہے تیرا ہی سارے زمانوں پہ راج
آسمانوں، زمینوں، زمانوں پہ راج
کس دل پر نہیں ہے حکومت تیری
اس کو ہے مانے سارا سماج
ہے تیری حکومت ہی قانون فطرت
آئیں قانون فطرت کو دیں ہم رواج
ہے یقیں لوٹ آئے گا وہ عہد جس نے
خیرہ کردی نگاہیں تھیں مثل سراج
جب سے چھوڑا ہے ہم نے دستور تیرا
ملی خاک میں عزت ہوئے بے تاج
قانونِ فطرت کے پروکار ہے معجزہ یہ
عمل ہوتے ہیں اس کے مانند زجاج
سب جہانوں پہ ہے ایک ہی رنگ تیرا
آج تک کبھی بدلا نہ تیرا مزاج
قانونِ فطرت کی تھی جب تلک حکمرانی
خلافِ فطرت جو تھے جو رہتے دیتے خراج
کیوں بدلتے ہیں اہلِ دل اپنی حالت
امتی، ختم مرسل کے ہیں کس قدر خوار آج
قانونِ فطرت کے تابع کر ہوجائیں ہم تم
کیوں نہ پہنائے مولا پھر عزت کا تاج

(سائرہ حمید تشنہ...... فیصل آباد)

نعتِ رسول مقبول ﷺ

محشر میں رہ جائے بھرم
اے میرے شاہ امم
میں ہوں سراپا خطا
آپ ﷺ ہیں کرم ہی کرم
مل جائے دولت دوجہاں
اٹھ جائے گر نگاہِ کرم ﷺ
بنا کر صورت پیاری ﷺ
تو توڑ ڈالا حق نے قلم
رب نے بخشا آپ ﷺ کو
رحمتِ جو جہاں کا علم
رب سے پایا یہ اونچا مقام
نبیوں کے امام، نبی محترم ﷺ
بھیجے رابعہ درود و سلام
دور ہوں تیرے رنج و الم

(رابعہ چوہدری...... ضلع ایبٹ آباد)

سب مایا ہے

وقت کی طنابوں کو
کون کھینچ پایا ہے
وقت نے سکھایا ہے
جو بھی کچھ ہے دنیا میں
مال و زر یہ دھن، دولت
سب مٹی ہے، سب مایا ہے
جسم و جاں کے سب رشتے
تب تلک ہی جیتے ہیں
جب تلک ان رشتوں میں
بے ریا سی چاہت ہو
پرخلوص الفت ہو
بے غرض احساس ہو
تب تلک ہی جیتے ہیں
جسم و جاں کے سب رشتے
یہ نہ ہوں تو پھر سن لو!
مال و زر سے جڑنے پر
کسی نے کچھ نہیں پایا
اپنا آپ کھویا ہے
اپنا آپ گنوایا ہے
یہ مال و زر، یہ دھن دولت
سب مایا ہے
سب مایا ہے

(سباس گل...... رحیم یار خان)

دل بادشاہ

دل تو جیسے ہو بادشاہ کوئی

غیر ممکن کی آرزو رکھے
یہ کسی شخص کی چاہ بھی کرلے
روک پاتا نہیں اسے کوئی
بات کرتا نہیں اسے کوئی
پس اسے چاہنا ہی آتا ہے
چاہ کے سنگ مسکراتا ہے
نا کے احساس سے نہیں واقف
جو بھی ہے چیز اس کو ہے درکار
راہ میں آنے والی ہر اک شے
اپنے قدموں میں روند دیتا ہے
میرا حسن بھی ہو بادشاہ کوئی
اور یہ صرف تجھ کو مانگتا ہے
سمجھتا ہے اور نہ جانتا ہے
کیسے اس بادشاہ کو روکوں
تو بتا مسئلے کا حال کوئی
میں تو تھک ہار کے ہوں پس روئی
دل تو جیسے ہو بادشاہ کوئی
غیر ممکن کی آرزو رکھے
(فریدہ خانم......لاہور)

غزل

کبھی میری آنکھوں میں چمکتے تھے ستارے کتنے
اب تو ہیں ویران کسی کھنڈر کی طرح
تجھ کو چاہا نہیں، میں نے تیری پوجا کی ہے
تیری یادوں کی بستی بھی ہے مندر کی طرح
کتنی دلکش اور سادہ ہے طبیعت اس کی
جو اپنی ذات میں گہری ہے سمندر کی طرح
ایک ہی پل میں میری ہستی کو چرایا اس نے
وہ جو آیا میرے جیون میں سکندر کی طرح
(شگفتہ خان......بھلوال)

تنہائی

کل اس نے اک خط مجھ کو ارسال کیا
ہر اک حرف نے میرا استحصال کیا
میں نے آنکھ کا دریا سینچا کاغذ پر
ہر اک شعر میں آنسو استعمال کیا
اس کے جانے پر نیندیں بھی روٹھ گئیں
اس کی دوری نے میرا یہ حال کیا
خود بھی رویا اور مجھے بھی زخم دیے
اس نے میری خواہش کو پامال کیا
شاید وہ اس پار پلٹ کر آجائے
یاد کسی کو میں نے پورا سال کیا
جب بھی راشد لوٹ کے آیا رات گئے
گھر کی تنہائی نے استقبال کیا
(راشد ترین......مظفر گڑھ)

نظم

کیا ستم اس نے کیا
اپنی محبت کی
سلاخوں میں جکڑ کر مجھ کو
خود کسی اور کے سپنوں میں کھو گیا
دوستو......
اک اور ستم نجم انجم پہ ہو گیا
(نجم انجم اعوان......کراچی)

غزل

کچھ یادوں کو میں چھیڑوں تو
کچھ بھیگی بھیگی بات بنے
ان بھیگی بھیگی باتوں سے
جو رشتہ جڑ جائے آنکھوں کا
کچھ ظاہر نہ ہو باتوں سے
پھر ابھی سنبھلی زنجیروں کو
باندھ کر دل کی ڈوری سے
کچھ ایسے خیال میں لے چلوں
جہاں دردِ دل گر مل جائے
تو غم نہ ہو اسے پانے کا
خوابیدہ آنکھوں کو سونے دوں
پھر کبھی نہ ان کو کھلنے دوں
اک دھواں سا رگ رگ میں بھر جائے
پھر عشق، محبت، وصال، ہجر نظر نہ آئے
کوئی سادگی نہ ہو، نہ ہو شوخی کوئی
نہ ہو سبز رت، نہ ہو زرد موسم

بس خالی خالی لمحے ہوں
ان لمحوں میں، میں جی لو پھر
(شائستہ بٹ......چیچہ وطنی)

غزل

زمانے بھر کے جھنجھٹ سے ہمیں انجان رہنا ہے
ہمیں بن کر یہاں کچھ دیر مہمان رہنا ہے
برسنا ہے ہمیں ابرِ محبت بن کے لوگوں پر
ہمیں اس دھوپ میں ہاں مثل سائبان رہنا ہے
ہمیں اسلاف کی راہوں پر کرنا ہے سفر ہر دم
زمانے بھر میں بن کے ملتِ ذیشان رہنا ہے
جھکانا ہے ہمیں سر رب کائنات کے آگے
ہمیں بن کر رسول ﷺ پاک کا دربان رہنا ہے
یتیموں کے سروں پر ہاتھ رکھ کر سرخرو ہوں گے
خدائے لم یزل کے تابع فرمان رہنا ہے
جنہیں محنت مشقت کرنے کی عادت نہیں رہتی
انہیں تو زندگی بھر بے سروسامان رہنا ہے
ہمیں کب زیب دیتا ہے قمر یہ وحشیانہ پن
ہمیں تو اس جہاں میں صورتِ انسان رہنا ہے
(ریاض حسین قمر......لیبٹ بنک کالونی منگلا ڈیم)

غزل

مرے ہمدم ترے سوا مجھ سے
موسمِ گل ہوا خفا مجھ سے
بن گئی چیخ زندگی میری
درد ایسے الجھ پڑا مجھ سے
مانگتا ہے ترے وہ خدوخال
تری فرقت میں آئنہ مجھ سے
کس نے مجبور کردیا مجھ کو
کس نے چھینا ہے حوصلہ مجھ سے
پوچھتا ہے ترا پتہ اکثر
شب فرقت میں اک دیا مجھ سے
پھر جلا ہے تمہاری یاد کا دیپ
پھر الجھنے لگی ہوا مجھ سے
کیا بتاؤں جہاں کو تمثیلہ
کون تھا جو ہوا جدا مجھ سے
(تمثیلہ لطیف......لاہور)

نظم

شام سے وہ بہتا دریا
گھاٹ کھڑا ہے شجر ذرا سا
کچھ کچھ جھکتا پانی پیتا
جیسے پیاسی رام کی سیتا
یا پھر کوئی ہوشیار
گاگر بھرنے والی نار
پیت نبھاؤں کب سے آئی
پی نہ آیا شام در آئی
(شبیہہ مظفر رانجھا......بھلوال)

محبت کا امتحان

محبت کا سارا جہاں دیتا ہے
اسی محبت کا وہ مجھ سے امتحان لیتا ہے
میں اسے کیسے کہوں کہ وہ مجھے نہ چھوڑے
دلوں میں تو آخر خدا رہتا ہے
کوئی وعدہ کوئی عہد و پیماں نہیں کرتا
پھر بھی عاشقی کا اس پر گماں رہتا ہے
وہ جانتا ہے کہ میں نہیں رہ سکتی بن اس کے
محبت کی مجھے وہ سزا دیتا ہے
وہ رہتا ہے مجھ میں آبرو کی طرح
یہ راز بھی اس پر عیاں رہتا ہے
وہ جو روٹھ جائے تو جان پر بن جاتی ہے
یہی جان کر شاید وہ اکثر خفا رہتا ہے
(بجیرا نیلم......گجرات)

غزل

کوئی مظلوم جو ڈٹ جائے گا
ظلم کا ہاتھ بھی کٹ جائے گا
جیسے بادل ہے کوئی ساون کا
آتے آتے وہ پلٹ جائے گا
جب بھی سیلاب فنا آتا ہے
شہر میں آدمی گھٹ جائے گا
میرے اندر کا یہ وحشی انسان
اب میرے سامنے ڈٹ جائے گا

شام کیا آئی ہے غم کی انصر
سایہ سائے سے لپٹ جائے گا
(نعیم انصر ہاشمی...... جھنگ صدر)

اے مسلم

اے مسلم اپنی خودی پر اتنا ظلم نہ کر
کہ مسلم ہی مسلم کو مات دیتا ہے
ہونے سے پہلے خواب شرمندہ تعبیر
قاتل آنکھوں میں خواب مار دیتا ہے
کفر اپنے ہاتھوں سے مت تلاش کر
بھگوان کو مسلم لات دیتا ہے
مسلمان کا ٹیگ لگا کر
مسلم ہی کے قتل و غارت میں ہاتھ دیتا ہے
کیوں اتنا تو ہے مست و بے فکر
کہ دشمن عالم غفلت میں وار دیتا ہے
نمازیں نہ اتنی قضاء کر
کہ ہر مسلم کو اک دن حساب دینا ہے
(کے ایم نور الشال...... کھڈیاں قصور)

شاعری

کبھی زندان میں
قید پرندے کو
غور سے دیکھا ہے
جو یہاں سے وہاں
بے چین ٹہلتا ہے، پھڑ پھڑاتا ہے
باہر نکلنے کو مچلتا ہے
وہی حال اب کے میرا ہے
پہلے تیرے ساتھ کے لیے
مچلتی تھی، سلگتی تھی
اور اب تیری قربت میں تڑپتی ہوں
کبھی تو تم نے غور کیا ہوگا
اس سب کی وجہ کھوجی ہوگی
کچھ سمجھ میں آیا تو
مجھے بھی بتا دینا، ذرا سا سمجھا دینا
مجھے سکون کیوں نہیں ملتا
دل کیوں نہیں ٹھہرتا
میں بے چین پرندے کی مانند کیوں ہوئی ہوں
کوئی تو وجہ بتلاؤ، مجھے بھی سمجھاؤ
اور کبھی تو مجھے بھی اپنا بناؤ......
(ماریا یاسر...... کراچی)

غزل

پھر رات سزا کی آئی ہے
میں ہوں اور میری تنہائی ہے
خوش ہوں تو دنیا والوں نے
اک نئی کہانی بنائی ہے
پھر من میں پھول بھی کھل آئے
کہیں دور بجی شہنائی ہے
تیرے پہلے خط کو پڑھتے ہوئے
آنکھ میری بھر آئی ہے
پھر آج تمہارے لہجے نے......
غمگین کہانی سنائی ہے
اس وقت سے میری آنکھوں میں
موجوں سی روانی آئی ہے
(رابعہ عمران چوہدری...... رحیم یار خان)

تنہائی ساتھ دیتی ہے

زمانہ دوست ہے لیکن
تنہائی ساتھ دیتی ہے
ہجر کی لمبی راتوں میں
سیاہی ساتھ دیتی ہے
میرے آنسوؤں کے دریا کا
کوئی بھی بند نہیں لیکن
صبح کے اجالوں میں
خاموشی ساتھ دیتی ہے
محبت کے فسانوں میں
کوئی ناکام ہو لیلیٰ
نہ منزل ساتھ دیتی ہے
نہ موت ساتھ دیتی ہے
(لیلیٰ ربنواز...... ودھیوالی بھکر)

biazdill@aanchal.com.pk

دوست کا پیغام آئے

ہما احمد

میرا پیغام اہل وطن کے نام

میرے تمام قابل احترام اہل وطن کو میری طرف سے السلام علیکم! آپ میں سے بہت سے لوگ جانتے ہوں گے کہ قیام پاکستان کے لیے جب قائداعظم نے مسلم لیگ کی قیادت سنبھالی تو انہیں ایک نہیں دو نہیں بلکہ تین محاذوں پر لڑنا پڑا۔ ایک انگریز، دوسرا ہندو اور تیسرے نمبر پر اپنے وہ نام نہاد لوگ جنہوں نے نہ صرف قیام پاکستان کی راہ میں روڑے اٹکائے بلکہ اس کی شدید ترین مخالفت بھی کی۔ بالکل ویسے ہی حالات سے آج پاکستان نبرد آزما ہے۔ گزشتہ 15تا20 سال سے افواج پاکستان اور اہل پاکستان بیک وقت کئی محاذوں پر لڑ رہے ہیں۔ نہ صرف بیرونی بلکہ اندرونی دشمنوں سے بھی۔ ایک طرف ہمارا روایتی حریف بھارت جس کی آئے دن کی شر انگیزیوں سے نہ صرف ہمارے لوگوں میں خوف و ہراس پھیلتا ہے بلکہ بہت سے معصوم اور نہتے لوگ بے قصور اپنی جانوں سے ہاتھ دھو بیٹھے ہیں۔ دوسری طرف دہشت گردی کی عفریت جس نے مجرم نہ ہوتے ہوئے بھی پوری دنیا میں ہمیں مجرم بنادیا ہے حالانکہ اس دہشت گردی کے سیلاب کو روکنے کے لیے جتنا نقصان پاکستان نے اٹھایا اور جتنی قربانیاں پاکستانیوں نے دیں ان کی مثال دنیا میں کہیں نہیں ملتی۔ تیسرے ہمارے معاشرے میں موجود کالی بھیڑیں، انسانیت کے لبادے میں سفاک و بے حس درندے جن کی سفاکیت اور درندگی نے زینب جیسی نہ جانے کتنی ہی معصوم اور پاکیزہ کلیوں کو کھلنے سے پہلے ہی مسل ڈالا، خدا گواہ ہے کہ ایسی خبروں کو سن کر دل خون کے آنسو روتا ہے اور ایسے درندوں کے لئے دل سے اور زبان سے بددعائیں ہی نکلتی ہیں۔ میں ان ماؤں کو خراج عقیدت پیش کرتی ہوں جن کی گودیں دہشت گردی اور سفاکیت کی آگ میں جھلس کر ویران ہوگئیں۔ ان بہنوں کو خراج تحسین پیش کرتی ہوں جن کے سر سے سہاگ کی ردائیں چھین لی گئیں۔ میں ان تمام لوگوں اور خصوصاً ان بچوں کو جو اس بربریت کا شکار ہوئے سلام پیش کرتی ہوں جنہوں نے اپنی جانوں کے نذرانے تو پیش کردیئے مگر دشمن کے ناپاک ارادوں کو کامیاب نہ ہونے دیا بلکہ دشمن کو یہ پیغام دیا کہ

"تم تیر آزماؤ ہم جگر آزماتے ہیں"

ان تمام حالات کو دیکھتے ہوئے میں اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعا کرتی ہوں دل کی گہرائیوں سے کہ اللہ تعالیٰ تمام شہداء کو جوار رحمت میں جگہ دے۔ پاکستان اور اہل پاکستان کو امن وسکون اور بہاریں نصیب فرمائے۔ ہمارے ملک کو امن کا گہوارہ بنائے۔ اس وطن کو قیامت تک شاد، آباد اور آزاد رکھے، اس کے سبز ہلالی پرچم کو ہمیشہ سربلند رکھے اور اس کے دشمن کو نیست و نابود فرمائے۔ آمین ثم آمین۔
(کنزیٰ شکیلہ...... سیالکوٹ)

اپنوں کے نام

السلام علیکم کیسے ہیں سب، یقیناً ٹھیک ہی ہوں گے، پیاری اقراء حفیظ کیسی ہو، شہزا بلوچ اتنی مصروفیت اچھی نہیں ہوتی۔ نورین مسکان سرور پیاری دوست ہمیشہ کامیاب رہو، آمین...... ریحانہ آفتاب آپی اتنا اچھا کیسے لکھ لیتی ہیں پلیز بتائیں ناں مجھے بھی۔ شفقت شاہین خاص دوست ہر وقت جو بھی کام کہا جائے کر دینے والی دوست کیسی ہو اللہ آپ کو ہمیشہ خوش رکھے آمین...... "عنایہ گل" کیسے مزاج ہیں محترمہ کے...... اقراء کیوٹ گرل ہنستی مسکراتی رہا کرو ہمیشہ...... پروین افضل شاہین پیاری آپی جان کیسی ہیں آج کل کوئی الفت نہیں، کہیں ناراض تو نہیں ہیں، انیلا طالب کیسی ہو، ڈیئر حنا ارشد آپ کو کتاب کی اشاعت پر بہت ساری مبارک باد، اللہ آپ کو تمام مشکلات سے بچائے اور کامیاب رکھے آمین۔ ریحانہ آفتاب، آپ کو آپ کی کتاب "پیری پیا" کے لیے بہت سی نیک تمنائیں...... ارم کمال آنٹی نانی بننے پر مبارکباد اور پارٹی تو بنتی ہے ناں اب...... ماریہ کنول ماہی کیسی ہیں آپ...... فریدہ جاوید فری پیاری آنٹی جی کہاں گم ہیں آپ...... عینی غزل، اللہ آپ کے قلم سے نکلے ہر لفظ کو مہکتا رکھے آمین...... اور اب ایک پیاری سی دوست کے لیے کچھ الفاظ جس کا نام ہے "فلک زاہد" ان کی کتاب منظر عام پر آ گئی ہے۔ پراسرار کہانیوں کو اتنی کم عمری میں لکھنا اور باکمال لکھنا آسان کام نہیں، دراصل ایسے لوگ ہی ہمارے ملک کا سرمایہ ہیں، ہمیں ان کی عمدہ کاوشوں کو سراہنا اور ان کی حوصلہ افزائی کرنی چاہیے تمام پڑھنے والوں کو سلام اور مجھے بھی دعاؤں میں یاد رکھیے گا۔ زندگی رہی تو پھر ملیں گے۔
(مدیحہ نورین مہک...... گجرات)

فائزہ بھٹی، گل مینا خان کے نام

السلام علیکم! میری سویٹی فائزہ! امید ہے تم بالکل ٹھیک اور بے حد خوش ہوگی۔ "آنچل ہاؤس" کی اشاعت پر بہت بہت مبارک باد۔ مجھے بہت ہنسی آئی پڑھ کر کہ میں نے سمیرا شریف کے ساتھ بیٹھنے کا چانس مس کروادیا تمہارا (ہاہاہا) آسمان کی بلندیوں کو چھو جاؤ، بہت سی دعائیں ہیں تمہارے لیے۔ تم میرے دل کے بہت قریب ہو۔ میرا خیال ہے کہ اب ہمیں ٹیلی فونک رابطہ کرنا چاہیے۔ کیا خیال ہے؟ پیاری گل مینا خان! "مجھے تم سے پیار ہے" کی اشاعت پر تمہیں بھی بہت بہت مبارک ہو۔ خوشی ہوئی تمہاری دوستوں میں اپنا نام بھی دیکھ کر۔ پرنسز انا ثنا، اب سے پکی دوستی، لیکن وفا شرط ہے۔ اسما گل مغل، حسینہ انچ سلام محبت۔ نورین مسکان سرور ڈھیروں دعائیں آپ کے لیے۔ عائشہ پرویز، پروین آپی، انیلا طالب، ماہیہ کنول ماہی، عمر وقاص

بھائی، دلکش مریم، فریدہ فری، حافظہ سمیرا، ہندا افتخار، ایمن طاہر آپ سب کو بھی سلام محبت۔ دعاؤں میں یاد رکھیے گا۔ آپ سب کی اپنی۔

(مدیحہ کنول سرور...... چشتیاں)

پیاری ثمینہ کے نام

موسم ربیع کی نرم خو ریخ
بمع برق و باراں......
جب عالم دنیا کا طواف کر کے......
کواڑوں اور کھڑکیوں کو جھنجھوڑنے لگتی ہے......
تب تمہاری یاد زور پکڑتی ہے
تہ بہ تہ ابر کی بساط سے
جب بوندیں بنجر زمین کی جانب
لپکنے کو بے قرار ہوتی ہیں
تب تم بہت یاد آتے ہو
برق کی چمک
بادل کی کڑک
اولوں کی ٹھک ٹھک
بے نام سی وحشت
سے جب دل دہلنے لگتا ہے
تب تم بہت یاد آتے ہو
بعد از اختتامی بوندوں کے
اجلے نکھرے در و دیوار
جھاگ میں بہتا یہ غبار
فلک پر چھائی یہ دھنک
جب تن کو گدگداتی ہے
تو تب تم بہت یاد آتے ہو
ہاں تم بہت یاد آتے ہو

(اسماء صدیقہ...... عبدالحکیم خانیوال)

کزنز اینڈ اسکول فرینڈ کے نام

اسلام علیکم! کیسی ہو آپی جانی (گلناز دل) آپ دنیا کی بیسٹ آپی ہو۔ ناری مغل شادی کی بہت بہت مبارک ہو۔ جمیلہ جاوید اینڈ مریم قریشی تم دونوں بہنیں میری جان ہو سچ میں۔ مریم آپی میں آپ کے لیے ہر وقت دعا کرتی ہوں کہ آپ بی اے میں اچھے نمبر لو (آمین) صائمہ جدون اینڈ نبیلہ جدون جب تم لوگ ہمارے گھر نہ آؤ تو دن بہت بور گزرتا ہے۔ اور دل کرتا ہے تم لوگوں کی طرف چلی جاؤں۔ اور ہاں میری پیاری شہزادی میں تمہیں کیسے بھول سکتی ہوں۔ حمیرا اندیر تم بہت اچھی ہو اور ہاں جس دن تم اسکول نہیں آتی ہو تو مجھے بہت غصہ آتا ہے اور حمیرا کتنا مزا آتا ہے جب تم اور میں آنچل پر تبصرہ کرتے ہیں۔ تو فائزہ اور عامیہ کہتی ہیں بس بند کرو یہ آنچل نامہ اور حمیرا تم اور میں کہتے ہیں سب کچھ چھوڑ سکتے ہیں پر آنچل کو نہیں چھوڑ سکتے۔ ریحانہ بشیر تم ثناؤ کیسی ہو، راشدہ آپی، گل مینا خان (آپی) گل بہار، ماریہ کبھی چکر لگاؤ نہ ہماری طرف اور راشدہ آپی آپ بہت اچھی ہیں۔ بہت مشکل سے پوسٹ کروا رہی ہوں۔ اللہ حافظ۔

(شبنم دلپذیر...... خواجگان مانسہرہ)

نازیہ کنول نازی کے نام

السلام علیکم! کیا حال ہیں جناب! بچے ٹھیک ہیں؟ آنچل میں سب سے پہلا ٹیلی فونک رابطہ آپ سے ہی ہوا تھا، اگر آپ کو یاد ہو تو...... بات کرنی تھی آپ کے ناول کی "شب ہجر کی پہلی بارش" کیا زبردست اینڈ کیا ہے۔ بہت زیادہ کہانی میں اتار چڑھاؤ دکھائے، لیکن شکر ہے انجام اچھا کر دیا۔ وہ کیا ہے ناں اتنا عرصہ ساتھ رہ رہ کر کرداروں سے بھی مانوس ہو جاتے ہیں ناں ان کے دکھ اپنے دکھ اور ان کی خوشی اپنی خوشی لگتی ہے تو خوشگوار اختتام کے لیے ویلڈن، اور آنچل کے "باقی ستاروں کی چمک" کیوں ماندی ہے، طیبہ ڈیئر آپ بھی بھول گئیں اور نجم انجم آپ بھی...... جو لوگ پہلے لکھتے تھے سب کہاں مصروف ہیں، آ جائیں ناں آپ لوگ بھی۔ فائزہ بھٹی آپ کا بہت شکریہ کہ آپ نے مجھے بھی اس تقریب میں شامل رکھا۔ میرا رب آپ سب پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے اور آپ سب خوش رہیں (آمین) دعاؤں میں یاد رکھیے گا۔

(شگفتہ خان...... بھلوال)

آنچل کی پریوں کے نام

ڈیئر صائمہ مشتاق، دو ماہ سے کہاں غائب ہو۔ فائزہ بھٹی کیسی ہو؟ گل مینا خان آپ کا آرٹیکل پسند آیا۔ اقراء جٹ آپ تو آئیں اور چھا گئیں...... ارم کمال نواسے کی مبارک ہو۔ اپنی شہزادی سمیرا اسوتی، انیلا طالب، عائشہ پرویز، علشبہ، وفا ماہ رخ، مدیحہ نورین مہک، کرن شہزادی، رقیہ ناز، ثناء شہزادی، فوزیہ قمر بٹ، اسماء مغل گل، دلکش مریم، سب کو میری طرف سے سلام اور ڈھیر ساری دعائیں۔ باجی صدف چھ مئی کو آپ کی سالگرہ ہے۔ ہیپی برتھ ڈے۔ خدا آپ کو خوش و خرم رکھے (آمین) آپی نجم انجم اعوان آپ تو اپنی سی لگتی ہیں۔

(اقراء ممتاز...... سرگودھا)

حنا ارشد، سمیرا گل کے نام

آنچل لکھنے، پڑھنے والوں کو میری طرف سے السلام علیکم! میں اپنے امی، ابو، بہن بھائیوں سے بہت پیار کرتی ہوں۔ علی بھائی عمیر بھائی، آپ بہت یاد آتے ہو۔ علی بھائی آپ کے بھیجے ہوئے گفٹ ہمیں بہت پسند آئے۔ عمیر بھائی وہ دن بہت یاد آتا ہے جب آپ نے مجھے باگڑ بلا بنایا تھا اور میں نے آپ کو۔ سمیرا گل تم کیسی ہو ویسے سمیرا گل نہیں تمہیں تو دھاکہ کہنا چاہیے۔ عائشہ، نادیہ تم لوگ کیسے ہو۔ ہادی پیارے بھانجے بہت یاد آتے ہو جلدی سے آ جاؤ۔ حنا ارشد تم کیسی ہو، آپ کا شعری مجموعہ وقاص عمر کے توسط سے ملا، پڑھ کے بہت اچھا لگا، واقعی وقاص عمر آپ کی دل سے ہیلپ کر رہے ہیں۔ اللہ

پاک ان کو صلہ دے گا۔ لیلیٰ ربنواز تم کیسی ہو، وقاص عمر آپ کی بک پبلش کروانے جا رہے ہیں، ہمیں بہت انتظار ہے۔ وقاص عمر آپ کیسے ہو۔ آپ کی شاعری اور افسانے بہت پڑھتی ہوں، آپ بہت اچھے انسان ہیں۔ سچ میں بہت اچھا لکھتے ہو آپ اللہ پاک مزید کامیابیاں دے آمین۔ آنچل کے لیے دعا گو ہوں، پاکستانیوں اپنا خیال رکھنا اللہ حافظ۔

(سعدیہ رب نواز...... ودھیوالی بکھر)

آنچل فرینڈز اور نمی کے نام

السلام علیکم! سب کو محبت بھرا سلام اور آنچل کی سالگرہ مبارک ہو۔ "اس محفل میں" میں، میں پہلی بار شرکت کر رہی ہوں۔ پہلے ہمت نہیں ہوئی مگر اب کی ہے کیونکہ ہمارے پیارے آنچل کی سالگرہ ہے۔ آنچل فرینڈز سے دوستی کی خواہ ہوں۔ نورین انجم آپی آپ مجھے بہت پسند ہیں، کیا آپ مجھ سے دوستی کریں گی۔ نمی تمہیں تمہاری سالگرہ مبارک ہو۔ اس بار سوچا آنچل کے ساتھ تمہاری سالگرہ تمہیں وش کروں۔ کیک کھلا دینا۔ گفٹ کی فکر مت کرنا دے دوں گی۔ طوبیٰ اور نمی تم بڑی وہ ہو۔ تم دونوں نے مجھے درخت پر چڑھایا پھر جس کا درخت تھا وہ آ گئے اور میں دھڑام سے گری۔ بے شرم خود تو بھاگ گئیں، مگر مجھے پھنسا گئیں۔ چلو خیر تمہیں تمہاری سالگرہ مبارک ہو ڈیئر نمی۔ اور جن کی بھی سالگرہ ہے ان کو بہت مبارک ہو۔ خدا حافظ اپنا خیال رکھیے گا۔

(گلشن چودھری گل...... گجرات)

گل مینا اینڈ حسینہ ایچ ایس کے نام

السلام علیکم! "مانسہرہ" یہ علاقہ مجھے نہایت ہی پسند ہے بلکہ پاکستان سارے کا سارا، لیکن آپ کا علاقہ تو بے حد پسند ہے اور غم یہ ہے کہ میں کبھی بھی وہاں نہیں جا سکتی۔ آپ کو خط لکھنے کی وجہ یہ ہے کہ پلیز آپ اپنے خطوط میں اپنے علاقے کا ذکر زیادہ کیا کریں تاکہ میں جان سکوں کہ وہاں آپ کا طرز زندگی کیا ہے۔ ہمارے پاس انٹرنیٹ وغیرہ جیسی کوئی سہولت نہیں ہے۔ آنچل واحد ذریعہ ہے تفریح کا۔ اس لئے کافی عرصے سے آپ دونوں کا نام دیکھ رہی ہوں آنچل میں تو سوچا آپ سے پوچھ لوں اور آپ سے دوستی کرلوں تاکہ آپ سے اور آپ کے مانسہرہ سے اچھی طرح واقفیت ہو جائے۔ ایک بات بتاتی چلوں نا صرف مجھے یہ علاقہ پسند ہے بلکہ وہاں کے لوگ بھی بے حد اچھے لگتے ہیں۔ مدیحہ نورین مہک یہ تو ہماری ہمسائی ہیں یعنی ان کا اور ہمارا گاؤں ساتھ ساتھ ہے بلکہ ان کے گاؤں سے تو ایک ایم اے ٹیچر بھی ہمارے گاؤں میں پڑھانے آتی ہے۔ آپ جو بھی نگارشات بھیجتی ہیں وہ بے حد مزے کے ہوتے ہیں، خاص طور پر شمائلہ سے کیے جانے والے سوال، بڑا مزا آتا ہے پڑھ کر۔ آپ کا گاؤں میں نے دیکھا ہے اور جتنا میں نے دیکھا ہے مجھے تو پانی ہی پانی ہر طرف ملا ہے، البتہ کچھ جگہوں پر نہیں ہے۔ ہمارے اور ہمارے گاؤں کے بہت سارے رشتہ دار بھی آپ کے گاؤں میں مقیم ہیں۔ آپ کو جان کر اچھا لگا۔

طیبہ نذیر شادیوال اور طیبہ خاور وزیر آباد کیا یہ دونوں نام ایک ہی لڑکی کے ہیں؟ کیونکہ میں ہر آنچل میں طیبہ نذیر شادیوال ضرور لکھا دیکھتی تھی ہر سلسلے میں۔ لیکن کافی عرصہ ہو گیا ہے طیبہ نذیر نہیں دیکھا۔ مجھے لگتا ہے آپ ہی طیبہ نذیر تھیں جن کی شادی وزیر آباد کے کسی چک میں ہو گئی ہے اور آپ کے خاوند خاور صاحب ہوں گے۔ اگر نہیں ہیں تو پلیز معذرت۔ اگر ہیں تو آئی مس یو۔ مجھے نہیں پتہ کیوں، لیکن آپ کو میں نے مس کیا۔ اس کے علاوہ پروین افضل شاہین، فریدہ فرید، آ نٹی کوثر خالد ان کے بھی تقریباً ہر سلسلے میں نام شامل ہوتے ہیں، انہیں بھی سلام اور سب آنچل پڑھنے والوں کو سلام۔ میری بڑی اچھی دوست شانزہ، جویریہ، ہما نذیر اور ارم کو سلام۔ شانزہ جاوید کے جانے کی مبارک قبول ہو۔ ہاہاہا۔ نازیہ کنول نازی اور سمیرا شریف سے گزارش ہے کہ کوئی اچھی سی کہانی جو کہ ایک ہی حصے پر مبنی ہو لکھیں پلیز۔ اللہ حافظ۔

(نوشابہ جنت...... باشنہ)

آنچل کے قارئین اور میری فرینڈ کے نام

السلام علیکم! کیسے ہو آنچل والو فرسٹ انٹری ہے میری۔ اور ثناؤ سعدیہ کیسی ہو؟ اپنا خیال رکھنا ڈیئر۔ اور فون کر لیا کرو کبھی کبھی۔ سعدیہ عادل بننے کی بھی مبارکباد آنچل کے توسط سے۔ ستارہ، ثمرہ اور رابعہ رحمان، عابدہ باجی کیسے ہو آپ سب حیران ہوئے یا نہیں؟ فائزہ بھٹی چھوٹی آپ مجھے بہت پسند ہیں اور دلکش مریم چنیوٹ آپ بھی۔ مونا قریشی، کبیر والا آپ کہاں ہیں آج کل؟ اور کون کون عارف والا سے ہے؟ ان سب کو سلام اور عطرویہ سکندر نام کی بھی کوئی لڑکی تھی اوکاڑہ سے وہ آج کل نظر نہیں آتیں۔ اقراء جٹ منچن آباد تو میری موسٹ فیورٹ گرل ہیں۔ آپ کی طرح بالکل Same تبصرہ میں نے بھی لکھا تھا ہر مہینے کا الگ الگ، لیکن میں پوسٹ نہیں کر سکی۔ آپ کا تبصرہ پڑھ کر خوشی ہوئی۔ رابعہ رحمان، عارف والا، مدیحہ نورین مہک، گجرات، عائشہ پرویز کراچی، ثمینہ رباب ساہیوال، ارم کمال فیصل آباد، روشنی وفا، ماچھیوال آپ سب مجھے بہت اچھی لگتی ہیں۔ صباء زرگر اور اقصیٰ بھی ہوتی تھی کبھی آنچل میں، کیا آپ ان کی سسٹرز یا کزنز تو نہیں ہیں۔ باقی سب کو سلام۔

(افشاں سراج...... عارف والا)

جویریہ اور شانزہ کے نام

سلام الفت! کیسی ہو دونوں؟ میں بالکل خیریت سے ہوں امید ہے تم لوگ منہ کھولے حیرت سے پڑھتی اچھی ہوں گی۔ سوچا کہ تم دونوں کو کسی طریقے سے سرپرائز کروں تو سوچا کیوں ناں آنچل میں خط لکھ کر ہی کر دوں، ہاں جویریہ بھینی تم ذرا اپنی حیرت کم کرو اور غور سے سنو۔ میں تمہیں کوئی رسالے وسالے نہیں بھیج رہی، وہ سارا مکھن اس لیے لگایا تھا کہ میں تمہیں رسالے بھیجوں! خوب صورت خط لکھنے والا۔ مکھن اور کون سا؟ اور شانزہ جاوید صاحبہ! آپ کو اس دن مس کالز دے دے کر تھک گئی ہوں بندہ پوچھ ہی لیتا ہے کہ مسئلہ کیا ہے نہ میرے پاس بیلنس تھا نہ میسج تھے، عمیر فون گھر رکھ گیا تھا اور تم لوگوں سے بات کرنے

کاموقع تھالیکن تم دونوں ہی ماچھن ہو کہیں کی۔نہیں یہ جویریہ ماچھن ہے اور شانزہ مسلن۔اور سارے قارئین کو پڑھ کر خوشی ہوئی کہ انہیں اپنے ماچھن یا مسلن ہونے پر کوئی شرمندگی نہیں بلکہ فخر ہے کہ بےنام ونشان ہونے سے بہتر ہے کہ کوئی ذات ہے تو سہی۔ویسے تو شانزہ کمال ہے کہ یہ سب ذات پات تو ہمارا بنایا ہوا ہے اللہ نے تو سب لوگ برابر بنائے ہیں۔میرے خیال میں بہت اچھی بات کہی تم نے شانزہ۔ تمہاری جیسی سوچ سب کی ہوجائے تو ”دنیا جنت سے کم نہیں۔“ اور جویریہ تو ہے صابر وشاکر۔سارادن بےشمار کام کرنے پر بھی اس کے منہ سے اف تک نہیں نکلتی۔مجھے فخر ہے تم پر جویریہ اقبال۔ورنہ آج کل کی لڑکیاں تو سارادن چارپائیاں توڑتی رہتی ہیں۔ایک چھوٹا سا کام بھی کرلیں تو ہائے وائے کرنے لگتی ہیں۔لیکن ہماری جویریہ تو سارادن کاموں میں لگی رہتی ہے اور گھبراتی بالکل نہیں،بس باہر جانے کے بڑے خواب دیکھتی ہے جیسے اٹلی،فرانس وغیرہ۔لیکن خیر میری دعا ہے کہ اللہ تمہارے سارے خواب پورے کرے آمین۔باقی تسمینہ، صائمہ،سیرت،حلیمہ سعدیہ،ارم صابر،ربیعہ،انیتا،وینا حفیظ والی سمیعہ، ثناء،فروا،شہربانو،شگفتہ،ہما نذیر،شیبہ،حفصہ،سدرہ،مصباح،اقصیٰ دینہ چک کی وہ پاگل سی لڑکی،ان سب کو سلام،ہمارا ایک ساتھ بہت اچھا وقت گزرا اور مجھے یہ بات تو آخر میں یاد آئی کہ شانزہ اپنی ساس کی اتنی تعریف کی ہے کہ میں حیران ہوجاتی ہوں کہ آج کل کی لڑکیاں کب اتنی اچھائی کرتی ہیں اپنی ساسوں کی اور شانزہ تو کہتی ہے کہ اللہ کرے میرے سر پر میری ساس کا سایہ ہمیشہ ہمیشہ سلامت رہے آمین...... اللہ تمہیں اس چیز کا اجر دے اور تمہاری دعا قبول فرمائے۔اچھا اب اپنی تعریفوں پر موٹی نہ ہوجانا،خدا حافظ۔

(نوشابہ بنت......ضلع گجرات)

اپنے شاہ جی کے نام

اسلام علیکم!امید ہے کہ آپ بالکل خیریت سے ہوں گے اور بہت خوش بھی رہتے ہوں گے تو سنیے میرے شاہ جی!ماہی آپ کو خوش دیکھ کر ہی خوش ہے۔اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ آپ کو ہمیشہ خوش باش اور تندرست ہی رکھے آمین۔میرے پیارے شاہ جی!ایک بات اور کہنی تھی آپ سے وہ یہ کہ ہیپی برتھ ڈے ٹو یو اینڈ آئی لو یو سوچ...... ہمیشہ کی طرح مجھے آپ کی سالگرہ یاد ہے اور دیکھ لیں شاہ جی!آپ ہمیشہ میری برتھ ڈے بھول جاتے ہیں۔دس از ناٹ فیئر...... خیر چھوڑیں یار......بس آپ اتنا یاد رکھنا کہ ماہی کو چھوڑ کر گئے ناں تو پھر وہ ایسے ٹوٹے گی کہ جیسے کوئی شیشہ......اوکے اللہ حافظ میرے شاہ جی......آپ کی ماہی جٹ۔

(طیبہ سعید......گوجرانوالہ)

سویٹ فرینڈ کے نام

”دوستیں ہمیشہ یاد رہتی ہیں،کبھی ہونٹوں کی ہنسی بن کر تو کبھی
آنکھوں کا پانی بن کر۔“

السلام علیکم!کیا حال چال ہیں سب کے یقیناً سب ٹھیک ٹھاک بلکہ فٹ فاٹ ہوں گی۔بھئی تم لوگ مصروف بندے ہو،میں نے سوچا میں ہی یاد کرلوں،ہوسکتا ہے تم میں سے بھی کوئی یاد کرلے۔ام حبیبہ!نمبر کیوں بند ہے،اپنا نیا نمبر سینڈ کر مجھے۔تسنیم،عیشاء،حمیرا،ذوہا، وجیہہ،لاریب،اقراء بہادر،سویرا،ہندا فاطمہ،سامیہ،زینب،یاد آئی مس یو ویری مچ......میں بہت مس کرتی ہوں تم لوگوں کو۔حمیرا تو،تو مجھے مل کہیں،پھر تیری میری باتیں ہوں گی۔ارے واہ ردا تو نے تو مجھے سرپرائز کردیا۔میرے نام خط لکھا ہے تم نے واہ جی واہ۔یار میں نے کب تمہارا نام بگاڑا ہے۔ہاں یاد آیا تمہیں ماچھن کہا تھا اس کا غصہ اتار رہی تھیں تم(ہاہاہا)اور پڑھائی پر توجہ بڑی زبردست ہے۔دادی اماں تو مجھے نصیحتیں نہ کر۔اوہو میں نے تمہیں برتھ ڈے گفٹ ہی نہیں دیا(سوری)جلد ہی مل جائے گا تمہیں۔اپنا گفٹ تو لے لیتی ہو مگر میرا دینا بھول جاتی ہو۔چل خیر کوئی بات نہیں ہے،اور آرزو یار تم بھی اکیڈمی آجاؤ تمہیں بھی بہت مس کرتی ہوں۔اب اجازت چاہتی ہوں کہ اللہ آپ سب کو خوش رکھے(آمین)”ہم انمول ہیں ہماری قدر کرنا،اے دوست بارش کے قطرے زمین میں جذب ہونے کے بعد ملا نہیں کرتے“ اللہ حافظ۔

(ذکا مذرگر......جوڑہ)

حریم فاطمہ اینڈ آنچل فرینڈ کے نام

السلام علیکم!آنچل فرینڈ کیسے ہیں آپ سب،امید ہے مزے میں ہوں گے۔بہت عرصے بعد انٹری دی ہے آپ کی محفل میں ویلکم تو بنتا ہے۔سب سے پہلے میری ننھی پری میری جان میری بیٹی(حریم فاطمہ)کی 16 اپریل کو سالگرہ ہے،بہت بہت مبارک ہو۔بیٹا آپ پورے ایک سال کی ہوگئیں اور جنت میں حوروں کے ساتھ خوب مستی کررہی ہوں گی آہ......پورا ایک سال بیت گیا تمہیں گئے ہوئے پر تمہاری مما کو تمہارے بنا ایک پل بھی چین نہیں،ہزاروں سال بھی بیت جائیں پر تم ہمیشہ میرے دل میں رہو گی۔آئی لو یو سو مچ بیٹی۔اینڈ آئی ریئلی مس یو۔اللہ پاک تمہیں اپنی رحمتوں کے سائے میں رکھے آمین۔نجم باجی کیسی ہو آپ اور نورین کیسی ہے،آپ نے تو مجھے یاد کرنا بھی چھوڑ دیا۔ارم کمال اینڈ پروین افضل جی کیسی ہیں آپ؟اسماء گل یاد کرنے کا شکریہ۔مدیحہ نورین،نورین مسکان،دلکش مریم اینڈ اشک حنا کیسی ہیں آپ سب کہاں غائب ہیں۔ماریہ کنول شادی مبارک ہو اور میں نے اپنا نمبر آپا کو دے دیا ہے ان سے لے لینا پر پہلے ایس ایم ایس کرنا اپنے نام کا کیونکہ میں نیو نمبر اٹینڈ نہیں کرتی۔طیبہ نذیر کیسی ہو آپ؟اچھا دوستوں جن کے نام رہ گئے ان سے سوری اللہ آپ سب کو خوش رکھے آمین۔زندگی رہی اور اللہ نے چاہا تو پھر ملاقات ہوگی، سب کے لیے اللہ حافظ۔

(تمنا بلوچ......ڈی آئی خان)

فرینڈ کے نام

السلام علیکم......پیاری فرینڈز کیسی ہو۔حافظ اقراء جاوید اور بشریٰ جاوید ہمیں آپ کی دوستی دل وجان سے قبول ہے۔آپ ہمارے شہر خوشاب کی ہو،جہاں ہماری نانی جان رہتی تھیں اور ہم وہاں چھٹیوں میں جایا کرتے تھے۔نجم انجم آپ نے ہمیں یاد کیا،بےحد خوشی ہوئی، اللہ تعالیٰ آپ کو بھی خوشیاں دے آمین۔پروین بھابی ہم بےحد بیمار ہیں۔اس لیے نہیں لکھ پا رہے،کچھ یاد نہیں ہم نے کس کو تبصرہ دیا تھا پوسٹ کرنے کو،روبی علی تمہارا بےحد شکریہ یاد کرنے کا،اور سورۃ بقرہ سے علاج کرنے کا حجاب دائجسٹ میں بھی،پروین بھابی نے دعائیں دیں اور مدیحہ نورین مہک نے یاد کیا شکریہ۔پچھلے ماہ حجاب میں بھی کسی بہن نے پوچھا تھا کہ فریدہ فری کہاں چلی گئیں ہم گئے نہیں بلکہ شدید بیمار ہیں،اقراء جٹ یاد کرنے کا شکریہ،فصیحہ آصف،سباس گل،طیبہ عنصر مغل پروین بھابی،نزہت جبیں،عقیلہ حق،صدف آصف،دلکش مریم،ملالہ اسلم کوثر خالد،طیبہ خاور ہمیں بھول گئی ہیں ان سب کو بےحد سلام دعا اور پیار۔نوشین اقبال نوشی کو پیار۔

(شاعرہ فریدہ فری......لاہور)

پیاری میم صبا کے نام

السلام علیکم!میم جی یہ میں نے خاص طور پر آپ کے خاص دن کے لیے لکھا ہے۔یعنی سالگرہ کے دن کے لیے،تیم مئی کو آپ کی سالگرہ ہے تو اس موقع پر میں نے اپنے پیارے آنچل ڈائجسٹ کے ذریعے ایک انوکھے انداز میں آپ کو وش کرنے کا سوچا۔اللہ آپ کو ہمیشہ خوش رکھے اور سالگرہ کا دن بہت بہت مبارک ہو۔اللہ ایسی بہت سی خوشیوں کو آپ کے آنگن میں بہار کی مانند سجائے رکھے اور تلخ، یادوں اور رویوں کی ہمیشہ کے لیے دور ہوجائے۔میم ہمیشہ خوش رہیں۔ آباد رہیں(اللہ حافظ)

(شائستہ جٹ......چیچہ وطنی)

حنا ارشد،وقاص عمر،آنچل فرینڈ کے نام

سب سے پہلے تو آنچل کی اشاعت پر دل کی گہرائیوں سے مبارکباد قبول ہو۔آپ کا اور ہم سب کا یہ خوب صورت روشن آنچل بہت ہی زبردست اور شاندار ہے۔اپنی دوست حنا ارشد اور وقاص عمر کے توسط سے پہلی بار اس میں لکھ رہی ہوں۔بہت خوب صورت اور ماشاءاللہ سے بہت ہی زبردست سالہ ہے۔پیاری حنا ارشد کیسی ہو تم آپ کی شاعری بہت زبردست تھی،بہت نائس ہو تم اور آپ کی کتابیں اللہ کرے جلدی سیل ہوں،وقاص عمر بہت محنت کررہا ہے اس سلسلے میں......وقاص عمر کو میری طرف سے سلام اور امید ہے کہ وہ اسی طرح دلچسپ افسانے لکھتے رہیں گے۔زندگی کے تمام پہلوؤں کے بارے میں وقاص عمر کا نظریہ سب سے ہٹ کے ہے۔اللہ پاک مزید کامیابیوں سے نوازے۔ آمین۔لیلیٰ ربنواز،بشریٰ کنول،ماریہ کنول،اقراء جٹ،فائزہ بھٹی،ارم کمال،کوثر خالد،حنا ارشد،وقاص عمر،نورین انجم آپ سب کی نگارشات بہت زبردست لگیں۔وقاص عمر آپ کی پھوپھو خورشید بی بی کا بہت افسوس ہوا اللہ پاک مغفرت فرمائے(آمین)آخر میں آنچل کی ساری ٹیم کے لیے پرخلوص اور کامیابی کی دعائیں۔

(آسیہ پروین......گوجرانوالہ)

بےوفا دوستوں کے نام

آل ریڈرز،رائٹرز،اور میرے دل میں بسنے والوں کو سلام!انتہائی بےوفا لوگ ہیں جو دوستی کرکے بھول جاتے ہیں،کبھی بھولے سے یاد کرنا گناہ سمجھتے ہیں۔پروین آپی،ارم کمال،نجم انجم پارس شاہ،کرن شہزادی،مدیحہ نورین مہک،سمیعہ کنول آپ لوگوں کو تو میں ہمیشہ یاد رکھتی ہوں،پھر مجھے آپ اگنور کردیتی ہیں آئندہ زحمت کرکے دوستی کو برقرار رکھنا ہے بزی لوگوں......(حسینہ ایچ ایس بھئی اب HS کو ہٹادو)پلیز ابھی شادی مت کرو،اتنی چھوٹی سی عمر میں ابھی تو سترہ کی ہوئی ہو ہاہاہا)گیس کرو کس کا بولا ہوا جملہ ہے،ننھے سے ذہن پر دباؤ ڈالو۔یونہی شاد رہو۔دعائے سحر،آمنہ رحمٰن،تمنا بلوچ،صبا زرگر،سعدیہ حور عین،نورین مسکان،عائش کشمالے،ماروی یاسمین،اقراء لیاقت، ایس کوہر،میں آپ سب کو آج سے اپنا دوست مانتی ہوں اوکے۔کرن آپ کے ابو کے بارے میں پڑھ کر بہت دکھ ہوا۔اللہ آپ کو صبر عطا کرے۔میری سویٹ سی دوست رمشہ یار خوش رہا کرو۔جو کچھ ہوا اسے برا خواب سمجھ کر بھول جاؤ۔تہمینہ(مینا)بھئی بہت مبارک ہو اکیلے اکیلے مٹھائی کھائی ہمیں پوچھا تک نہیں یار جنید بھائی بہت ہینڈسم اور اچھے اخلاق والے ہیں خوش رہو دونوں......طاہرہ مصطفیٰ آپ نے اپنی زندگی کے بارے میں لکھا،خوشی ہوئی پڑھ کر،اللہ یونہی آباد رکھے۔ رابعہ بھٹی آپ کیسی ہو۔انیلا طالب پلیز ہر نماز کے بعد مجھے دعاؤں میں ضرور یاد رکھنا۔اچھا دوستوں اللہ حافظ......

(سمیرا سوائی......بھیر کنڈ)

اپنوں کے نام

ملتان کی میری پیاری بھانجیوں سلمٰی،کسیمرا،صبا،سدرہ،مریم، شاہدہ......آپ کے تایا جان کی وفات پر ہم آپ کے غم میں برابر کے شریک ہیں۔ان کی وفات پر آپ کے ماموں پرنس افضل شاہین ملتان گئے تھے،ہماری دعا ہے اللہ تعالیٰ انہیں جنت میں جگہ دے آمین۔نوشین اقبال نوشی اور فرح طاہر اللہ تعالیٰ آپ دونوں کے بھائیوں کو مکمل تندرستی عطا فرمائے آمین۔محسن عزیز حلیم،مدیحہ نورین مہک،اقراء جٹ،میری نگارشات پسند فرمانے کا شکریہ۔میری پیاری نند فریدہ جاوید فری!آپ کیسی ہیں۔اللہ تعالیٰ آپ کو ہمیشہ خوش وخرم رکھے اور آپ آنچل میں جگمگاتی رہیں آمین۔

(پروین افضل شاہین......بہاولنگر)

dkp@aanchal.com.pk

ہم سے پوچھئے

شمائلہ کاشف

انیلا طالب......گوجرانوالہ

س:۔ پیارے آنچل کو دل سے سالگرہ مبارک ہو اسی خوشی میں میری لگاتار دو تین کہانیاں لگادیں ناں شمائل اپیا؟

ج:۔ کاش میرے اختیار میں ہوتا تو ایک ماہ کا پرچہ تمہارے نام کردیتی لیکن پھر وہ خریدتا کون؟

س:۔ آپ کو نہیں پتہ کہ میں ایسی شاندار کہانیاں لکھتی ہوں کہ مجھے پینسل کہتی ہے پلیز......!

ج:۔ تم پینسل سے لکھتی ہو ہم تو قلم سے لکھتے ہیں جب ہی تو قیصرآپا تمہاری تحریر نہیں لگاتیں۔

س:۔ اگر آپ کو میری کوشش کا علم ہوجائے تو آپ تو بس مجھے ہی شائع کریں۔

ج:۔ بالکل ہے جب ہی تو تمہیں انتظار کرواتے ہیں۔

ج:۔ میری تیاری کو چھوڑو تم ماسی بن کر خالی ہاتھ کیوں آئی ہو کنجوس صرف کیک کھانے۔

س:۔ آپی قیصر آنی اتنی پولائٹ کیوں ہیں؟ اور آپ اتنی......ہاہاہا سمجھ لیں ناں؟

ج:۔ قیصر آنی کو کھن نہیں محنت پسند آتی ہے جس سے تم کتراتی ہو اور ایسے ہی کچھ بھی لکھ کر بھیج دیتی ہو۔

س:۔ جس کو عشق ہوجائے وہ جنگلوں میں کیوں بھاگتا ہے تنہائی کیوں چاہتا ہے؟

ج:۔ کیونکہ تنہائی میں اسے تم جو مل جاؤ گی چڑیل۔

اقرار شید سمیرا فردوس......بٹر

س:۔ آپی آپ مجھے بہت اچھی لگتی ہیں پتہ ہے کیوں؟

ج:۔ کوئی مطلب ہی ہوگا جب ہی مکھن لگارہی ہو۔

س:۔ آپی لوگ منگنی کی رسم اتوار کے دن ہی کیوں رکھتے ہیں؟

ج:۔ تم اپنی منگنی کی رسم جمعرات کو رکھ لینا اور چندہ بھی جمع کرلینا۔

نہیں ہوتا۔

س:۔ اگر کوئی بہار میں روٹھ جائے تو؟

ج:۔ خزاں کا انتظار کرنا پیلا زرد ہوکر خود ہی مان جائے گا۔

س:۔ آپ کے نام میرے دل کی صدا......
تجھ سے لفظوں کا نہیں روح کا رشتہ ہے میرا شمائل جی
تو میری سانسوں میں تحلیل ہے خوشبو کی طرح!!

ج:۔ شکریہ خوش رہو۔

عائشہ پرویز......کراچی

س:۔ آپی امید ہے سب سیٹ ہوگا زندگانی میں آنچل کی سالگرہ پر کون سا کیک آرڈر کررہی ہیں مجھے تو بلیک فورسٹ پسند ہے۔

ج:۔ میں نے تو فروٹ کیک آڈر کیا تھا اور تم وہ بھی کھا گئی۔

س:۔ کہتے ہیں دوریاں محبت کو امر کردیتی ہیں اور مجھے یقین ہے کہ میری آپ سے محبت امر ہوچکی ہے؟

ج:۔ امر ہونے ہی والی تھی کہ تم پھر سسرال سے یہاں

س:۔ آنچل سے وابستہ مجھے بارہ سال ہوگئے اس لیے آنچل کے ساتھ ساتھ مجھے گفٹ دینا نہ بھولیے گا او کے اللہ حافظ۔

ج:۔ تمہارے شوہر کی صورت تمہیں گفٹ دے چکے ہیں پہلے ہی اب اسی پر ہی گزارہ کرو۔

پروین افضل شاہین......بہاولنگر

س:۔ میرے میاں جانی پرنس افضل شاہین میری سالگرہ کیوں نہیں مناتے؟

ج:۔ انہیں تم اپنی عمر جو نہیں بتاتی۔

س:۔ میرے میاں کہتے ہیں اس سالگرہ پر میں تمہاری آنکھوں میں ڈوبنا چاہتا ہوں؟

ج:۔ ان سے کہہ دو جوتے سمیت مت آنا ورنہ آنکھیں خراب ہوجائیں گی۔

س:۔ سنا ہے کہ خوبصورت چہرے والے اپنے حسن پر غرور کرتے ہیں لیکن میں تو نہیں کرتی؟

ج:۔ کیونکہ تم مجھ سے زیادہ خوبصورت نہیں اس لیے۔

فیصل آباد

آپ کی صحت

ہومیوڈاکٹر ہاشم مرزا

حور عین قاضی، کراچی سے لکھتی ہیں کہ میری عمر اٹھارہ سال ہے، میرا پہلا مسئلہ یہ ہے کہ میری اور میری امی کے آنکھوں کے نیچے گہرے حلقے ہیں، دوسرا مسئلہ میرے اور میرے بھائی کے دانت پیلے ہیں جبکہ ہم صبح اور شام برش کرتے ہیں مگر پھر بھی پیلاہٹ نہیں جاتی، بہت شرمندگی ہوتی ہے، تیسرا مسئلہ میرے منہ یعنی ہونٹوں کے دائیں بائیں اور اوپر نیچے سیاہی ہوگئی ہے جو کہ جاتی ہی نہیں ہے، چوتھا مسئلہ میرا رنگ بہت فیئر ہے لیکن اب رنگت زردی محسوس ہونے لگی ہے، چہرے پر چھوٹے چھوٹے ہلکے سے تل آگئے ہیں جو کہ ابھی کم ہیں لیکن کہیں زیادہ نہ ہوجائیں۔ امید ہے آپ میرے تمام مسائل کا مناسب حل تجویز کریں گی۔

محترمہ آپ اور آپ کی والدہ China 30 کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں دن میں تین مرتبہ پئیں۔ دانتوں کی پیلاہٹ ختم کرنے کے لیے Anodyne Toathpast استعمال کریں۔ تل Thuja Q کے 10 قطرے آدھا کپ پانی میں دن میں تین مرتبہ پئیں۔

عاصمہ عبدالمالک، گوجر خان، راولپنڈی سے لکھتی ہیں کہ برائے مہربانی میرا مسئلہ شائع کیے بغیر علاج بتائیں۔

محترم آپ Ouram Mur 3x کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں دن میں تین مرتبہ پئیں۔

ماریہ الیاس، لاہور سے لکھتی ہیں کہ میں آنچل میں آپ کی صحت کا کالم لازمی پڑھتی ہوں، جس میں آپ ہزاروں مریضوں کو ان کی بیماری کے متعلق ہومیو پیتھک ادویات کے ذریعے ان کی رہنمائی فرماتے ہیں۔ اسی امید کے ساتھ اپنا مسئلہ آپ سے ڈسکس کررہی ہوں، تقریباً ایک سال پہلے سے میرے چہرے خصوصاً ہونٹوں کے اوپر، تھوڑی اور گردن پر بال نکل رہے ہیں، جو شروع میں ہلکے براؤن تھے اور اب گھنے بلیک ہورہے ہیں، جو کہ بہت بدنما نظر آتے ہیں، کچھ عرصے پہلے ایک ڈاکٹر سے علاج کروایا مگر ان کی میڈیسن سے کوئی فرق نہیں پڑا بلکہ سر کے بال بھی گرنے شروع ہوگئے اب سر کے بال بھی بہت کمزور ہوگئے ہیں۔ میں نے ایفروڈائٹ ہیئر انہبیٹر اور ایفروڈائٹ ہیئر گرور کی بہت تعریف سنی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات سے امید ہے کہ اس نے ان ادویات میں میرے لیے شفاء رکھی ہو، میڈیسن منگوانے کا طریقہ اور قیمت شکریہ کے ساتھ مطلع فرمائیں۔

محترمہ آپ ہمارے کلینک کے پتے پر مبلغ =/1600 روپے کا منی آرڈر یا ایزی پیسہ (اکاؤنٹ نمبر 03494900800) کریں، ایک Aphrodit Hair Grower اور ایک Aphrodit Hair Inhibitor آپ کے گھر پہنچ جائے گا۔

وردہ رفیق، حیدرآباد سے لکھتی ہیں کہ میرا مسئلہ یہ ہے کہ میرے بال، بے جان، کمزور، روکھے اور بے حد پتلے ہیں۔ پچھلے سال مجھے چکن گونیا ہوگیا تھا اس کے بعد سے سارے بال جھڑ گئے ہیں اور جو چوٹی کافی موٹی ہوتی تھی وہ اب انگلیوں کے برابر رہ گئی ہے۔ اس کے علاوہ ماتھے کے قریب سے سر کی جلد بھی نظر آنے لگی ہے۔ ہر طرح کا تیل اور دیسی ٹوٹکے استعمال کرکے دیکھ لیے، کوئی فائدہ نہیں ہوا، برائے مہربانی کوئی حل تجویز کردیں۔ میری عمر اس وقت 17 سال ہے۔

محترمہ آپ ہمارے کلینک کے پتے پر مبلغ =/900 روپے کا منی آرڈر یا ایزی پیسہ (اکاؤنٹ نمبر 03494900800) کریں، Aphrodit Hair Grower آپ کے گھر پہنچ جائے گا اس میں دوائی شامل کرکے دی جائے گی لہٰذا یہ آئل صرف آپ استعمال کریں گی اور آئل استعمال کرنے سے پہلے سر پر اُسترا کروالیں تو زیادہ بہتر اور جلدی رزلٹ ملے گا۔

رباب، حیدرآباد سے لکھتی ہیں کہ میری عمر 24 سال ہے، میرا پہلا مسئلہ بالوں کا ہے جو کمزور اور بے حد پتلے ہیں اور گروتھ نہ ہونے کے برابر ہے، کوئی حل بتائیں، اس کے علاوہ میرا دوسرا مسئلہ بے رونق چہرہ ہے، رنگ صاف ہے مگر چمک بالکل بھی نہیں ہے، جگہ جگہ دانوں کے دھبے بھی ہیں، اس کے علاوہ پچھلے سال سے ناک اور آنکھوں کے نیچے چھائیاں بھی ہیں جو محسوس نہیں ہوتی مگر اکثر دھوپ میں واضح دکھائی دیتی ہیں۔ برائے مہربانی چھائیوں کے خاتمے کے لیے اور چہرے کی رنگت اور چمک کے لیے کوئی دوا تجویز کردیں۔

محترمہ آپ ہمارے کلینک کے پتے پر مبلغ =/700 روپے کا منی آرڈر یا ایزی پیسہ (اکاؤنٹ نمبر 03494900800) کریں، Aphrodit Hair Grower آپ کے گھر پہنچ جائے گا اور چھائیوں کے لیے Barbaris Equifalium Q کے 10 قطرے آدھا کپ پانی میں دن میں تین مرتبہ پئیں۔

بنتِ اکبر علی، بھیرہ، سرگودھا سے لکھتی ہیں کہ میری عمر 25 سال ہے، میرے چہرے پر بہت سخت اور موٹے بال ہیں 2014ء میں مجھے Lungs Infection ہوگیا تھا پورا سال میڈیسن کھائی اس کے بعد میرے گال اور تھوڑی کے نیچے بال آگئے۔ 2015ء میں 4 دفعہ لیزر تھراپی کرائی اُس سے بال تو کم ہوئے لیکن پھر بہت زیادہ نکل آئے اب ہر 15 دن کے بعد ویکس کراتی ہوں بال کم ہونے کے بجائے ان 2 مہینوں سے اور زیادہ موٹے ہوگئے ہیں، مجھے پہلے ماہواری کا مسئلہ نہیں تھا لیکن

ہومیوڈاکٹر محمد ہاشم مرزا

ڈاکٹر صاحب مرحوم 50 سال سے زائد عرصہ طب کے شعبے سے وابستہ رہے اور 20 سال سے زائد عرصہ ''ماہنامہ آنچل'' کے معروف سلسلے ''آپ کی صحت'' کے ذریعے قارئین کو ہومیو پیتھک طریقۂ علاج کے مطابق طبی مشورے فراہم کرتے رہے۔ مندرجہ ذیل دوائیں ڈاکٹر صاحب کے 50 سالہ طبی تجربے کا نچوڑ ہیں۔

قدرتی بال، سر کی رونق بحال

ایک بوتل بذریعہ منی آرڈر

قیمت =/700 روپے

براہ راست کلینک سے لینے پر قیمت =/500 روپے

چہرے و دیگر غیر ضروری بالوں کا مستقل خاتمہ

ایک بوتل بذریعہ منی آرڈر

قیمت =/900 روپے

براہ راست کلینک سے لینے پر قیمت =/800 روپے

ایفروڈائٹ بریسٹ بیوٹی

ایک بوتل بذریعہ منی آرڈر

قیمت =/600 روپے

براہ راست کلینک سے لینے پر قیمت =/500 روپے

ایفروڈائٹ پین کلر

ایک بوتل بذریعہ منی آرڈر

قیمت =/700 روپے

براہ راست کلینک سے لینے پر قیمت =/500 روپے

ہومیوڈاکٹر محمد ہاشم مرزا کلینک

ایڈریس: دوکان نمبر C-5، کے ڈی فلیٹس فیز 4،
شادمان ٹاؤن نمبر 2، سیکٹر 14-B، نارتھ کراچی 75850
فون نمبر: 021-36997059، صبح 10 تا رات 9 بجے
منی آرڈر کی سہولت میسر نہ ہونے کی صورت میں فون پر رابطہ کریں

زیرِ نگرانی:
محمد عاصم مرزا
محمد آصف مرزا
محمد عامر مرزا

منی آرڈر بذریعہ پاکستان پوسٹ بھیجنے کا پتا:
منی آرڈر کرنے کے بعد فارم نمبر، نام، ایڈریس، مطلوبہ دوا، بھیجی گئی رقم، 0320-1299119 پر SMS کردیں

6 مہینوں سے ایک مہینہ چھوڑ کر ہوتی ہے اسی سال میری شادی بھی ہوئی ہے کوئی ہیلتھ پرابلم نہیں ہے میں گورنمنٹ ٹیچر ہوں بہت شرمندگی ہوتی ہے چہرے کے بالوں کی وجہ سے۔ دوسرا مسئلہ میری دوست کا نسوانی حسن کا ہے اس کی میڈیسن بھی چاہیے میں پیسے منی آرڈر کردوں گی۔

محترمہ آپ اپنے ہارمونز کا ٹیسٹ کرواکر رپورٹ ہمارے کلینک کے پتے پر ارسال کردیں۔ اس کے علاوہ آپ ہمارے کلینک کے پتے پر مبلغ 900/= روپے کا منی آرڈر کریں Aphrodit Hair Inhibitor آپ کے گھر پہنچ جائے گا اور دوست کے لیے 600/= روپے کا منی آرڈر کریں Aphrodit Breast Beauty آپ کی دوست کے گھر پہنچ جائے گا۔

سعید جنجوعہ کھوڑ سے لکھتے ہیں کہ میرا پہلا مسئلہ یہ ہے کہ مجھے عرصہ دراز سے اعصابی کمزوری اور جسمانی کمزوری لاحق ہے۔ دوسرا مسئلہ مردانہ کمزوری ہے کئی ادویات استعمال کیں نتیجہ صفر ہے بہت سی ہومیوپیتھک ادویات اور طلاء استعمال کرچکا ہوں مگر کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ براہ کرم کوئی مستند علاج بتائیں؟

محترم آپ Kali Phos 6x کی 2 گولیاں دن میں تین مرتبہ کھائیں ان شاء اللہ افاقہ ہوگا۔

عفت ندیم فیصل آباد سے لکھتی ہیں کہ میری عمر 20 سال ہے میرا مسئلہ یہ ہے کہ اکثر میری آنکھوں سے خراشدار اور ناک سے سادہ پانی بہتا ہے جو شام کو زیادہ ہوتا ہے کھانسنے سے بدبو دار بلغم نکلتی ہے۔ روشنی سے آنکھوں کی تکلیف میں اضافہ اور اندھیرے میں کمی آتی ہے کوئی دوا بتادیں۔

محترمہ آپ Euphrasia 30 کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں دن میں تین مرتبہ پئیں۔

نائلہ علی گجرانوالہ سے لکھتی ہیں کہ میری عمر 23 سال ہے غیر شادی شدہ ہوں مجھے اکثر قبض کی شکایت رہتی ہے چہرے پر دانے ہیں اور ماہانہ نظام بھی غیر متوازن ہے۔

محترمہ آپ Pulsatilla 30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں دن میں تین بار پئیں۔

مہوش ناز مظفر گڑھ سے لکھتی ہیں کہ میری عمر 22 سال ہے نسوانی حسن بہت کم ہے۔ کوئی دوا بتادیں؟ کچھ ماہ بعد میری شادی ہے میں بہت پریشان ہوں۔

محترمہ آپ Sabal Serrulata Q کے 10 قطرے آدھے کپ پانی میں تین وقت کھانے سے پہلے پیا کریں اور ہمارے کلینک سے بریسٹ بیوٹی منگوالیں دونوں دواؤں کے استعمال سے ان شاء اللہ افاقہ ہوگا۔

تنزیلہ لیاقت ملتان سے لکھتی ہیں کہ پیریڈز شروع ہونے سے پہلے کمر میں درد ہوتا ہے اس کے بعد لیکوریا کا اخراج جو وقت سے پہلے اور مقدار میں زیادہ پتلا ہوتا ہے۔ معمولی کام کرنے سے پسینہ بہت آتا ہے۔ ان دنوں میں چڑچڑاپن اور کسی سے بات کرنے کا دل نہیں چاہتا کوئی اچھی دوا بتادیں کہ میرا مسئلہ حل ہوجائے۔

محترمہ آپ Eupion 30 کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں دن میں تین مرتبہ پئیں۔

عروسہ کوٹلی آزاد کشمیر سے لکھتی ہیں کہ میری والدہ کے معدہ میں جلن رہتی ہے اور کھٹی ڈکاریں آتی ہیں۔ اور دوسرا مسئلہ میرا ہے مجھے لیکوریا کی شکایت ہے تیسرا مسئلہ میرا قد بھی چھوٹا ہے میری عمر 18 سال ہے کیا اس عمر میں قد بڑھ سکتا ہے؟ اکثر لوگ کہتے ہیں کہ ماہانہ نظام شروع ہونے کے بعد قد نہیں بڑھتا میرا خط ضرور شائع کیجیے گا۔

محترمہ آپ اپنی والدہ کو معدہ کی تیزابیت کے لیے Natrum Phos 6 کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں دن میں تین بار پلائیں اور لیکوریا کے لیے آپ Sepia 30 کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں دن میں تین بار پئیں اور قد کے لیے Calcium Phos 6x کی 4 گولیاں دن میں تین وقت کھائیں اور Barium Carb 200 کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں ہفتے میں ایک بار پئیں دوا چھ ماہ تک استعمال کریں اور اس عمر میں قد میں اضافہ ممکن ہے۔

بنت عبدالجبار سیالکوٹ سے لکھتی ہیں کہ وہ کسی کی زیادتی کا شکار ہوگئی تھیں اور اب اُن کی شادی ہونے والی ہے جس کی وجہ سے وہ بہت پریشان ہیں؟

محترمہ آپ اپنے مسئلے کے لیے روزانہ صبح 10 تا 1 بجے اور شام 6 تا 9 بجے (علاوہ اتوار) کلینک کے فون نمبر یا موبائل نمبر 0320-1299119 پر رابطہ کریں ان شاء اللہ آپ کا مسئلہ حل ہوجائے گا۔

ہومیو ڈاکٹر محمد ہاشم مرزا کلینک
ایڈریس: دکان نمبر C-5 کے ڈی اے فلیٹس فیز 4 شادمان ٹاؤن نمبر 2 سیکٹر 14-B نارتھ کراچی۔ 75850 فون نمبر: 021-36997059
صبح 10 تا 1 بجے شام 6 تا 9 بجے۔
ایزی پیسہ اکاؤنٹ نمبر: 03494900800
خط لکھنے کا پتا:
آپ کی صحت ماہنامہ آنچل کراچی پوسٹ بکس نمبر 75 کراچی۔

کام کی باتیں

حنا احمد

پانچویں شب قدر

انتیسویں شب قدر کو چار رکعت نماز دو سلام سے پڑھیں، ہر رکعت میں بعد سورۃ فاتحہ کے سورۃ قدر ایک ایک بار، سورۃ اخلاص تین تین مرتبہ پڑھیں۔ بعد سلام کے سورۃ الم نشرح ستر مرتبہ پڑھیں۔

یہ نماز واسطے کامل ایمان کے بہت افضل ہے۔

ان شاء اللہ، اللہ تبارک و تعالیٰ اس نماز کے پڑھنے والے کو دنیا سے مکمل ایمان کے ساتھ اٹھائے گا۔

ایضاً ماہ رمضان کی انتیسویں شب کو چار رکعت نماز دو سلام سے پڑھیں، ہر رکعت میں بعد سورۃ فاتحہ کے سورۃ قدر ایک ایک بار سورۃ اخلاص پانچ پانچ مرتبہ پڑھیں، بعد سلام کے درود شریف ایک سو دفعہ پڑھیں۔

ان شاء اللہ اس نماز کے پڑھنے والے کو دربار خداوندی سے بخشش و مغفرت عطا کی جائے گی۔

وظائف

ماہ رمضان المبارک کی انتیسویں شب کو سات مرتبہ سورۃ واقعہ پڑھیں۔ ان شاء اللہ ترقی رزق کے لیے بہت افضل ہے۔

ماہ رمضان کی کسی شب میں بعد نماز عشاء سات مرتبہ سورۃ قدر پڑھنی بہت افضل ہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ اس کے پڑھنے سے ہر مصیبت سے نجات حاصل ہوگی۔

جمعۃ الوداع

رمضان المبارک کے آخری جمعہ کو بعد نماز ظہر دو رکعت نماز پڑھیں، پہلی رکعت میں سورۃ فاتحہ کے بعد سورۃ زلزال ایک بار، سورۃ اخلاص دس مرتبہ، دوسری رکعت میں بعد سورۃ فاتحہ کے سورۃ کافرون تین مرتبہ پڑھیں۔ بعد سلام کے دس مرتبہ درود شریف پڑھیں۔ پھر دو رکعت نماز پڑھیں۔ پہلی رکعت میں بعد سورۃ فاتحہ کے سورۃ تکاثر ایک بار سورۃ اخلاص دس دفعہ، دوسری رکعت میں بعد سورۃ فاتحہ کے آیت الکرسی تین مرتبہ، سورۃ اخلاص پچیس مرتبہ بعد سلام کے درود شریف دس دفعہ پڑھیں۔

اس نماز کے بے شمار فضائل ہیں اور اس نماز کے پڑھنے والے کو اللہ پاک قیامت تک بے انتہا عبادت کا ثواب عطا فرمائے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

شوال المکرم

پہلی شب ماہ شوال بعد نماز عشاء چار رکعت نماز دو سلام سے پڑھیں ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ کے بعد سوۃ اخلاص اکیس اکیس مرتبہ پڑھنی ہے، ان شاء اللہ تعالیٰ یہ نماز پڑھنے والے کے لیے اللہ پاک جنت کے دروازے کھول دے گا اور دوزخ کے دروازے بند کردے گا۔

شوال کی پہلی شب بعد نماز عشاء چار رکعت نماز دو سلام سے پڑھیں، ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ کے بعد سوۃ اخلاص تین تین مرتبہ، سورۃ فلق تین تین مرتبہ، سورۃ ناس تین تین مرتبہ پڑھے، بعد سلام کے کلمہ تمجید (تیسرا کلمہ) ستر مرتبہ پڑھ کر اپنے گناہوں سے توبہ کریں، اللہ تعالیٰ اس نماز کی برکت سے ان شاء اللہ تعالیٰ اس کے گناہ معاف فرما کر اس کی توبہ قبول فرمائے گا۔

صلوٰۃ التسبیح

صلوٰۃ التسبیح بہت ہی فضیلت والی نماز ہے۔ اس نماز کو بندہ روزانہ پڑھے، اگر روزانہ نہ پڑھ سکے تو ہفتہ میں ایک مرتبہ، اگر ہر ہفتہ میں نہ پڑھ سکے تو ہر ماہ ایک مرتبہ پڑھیں، اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو سال میں ایک دفعہ پڑھ لیں، ورنہ اپنی زندگی میں تو ایک مرتبہ ضرور پڑھنی چاہیے۔

اگر سال میں ایک دفعہ پڑھے تو ماہ رمضان المبارک بروز جمعہ نماز ظہر سے قبل پڑھنی افضل ہے۔

ترکیب صلوٰۃ التسبیح

چار رکعت نماز صلوٰۃ التسبیح ایک سلام سے پڑھیں، پہلی رکعت میں سورۃ فاتحہ کے بعد سورۃ زلزال ایک بار پھر حسب ذیل کلمات پندرہ مرتبہ پڑھنے ہیں۔

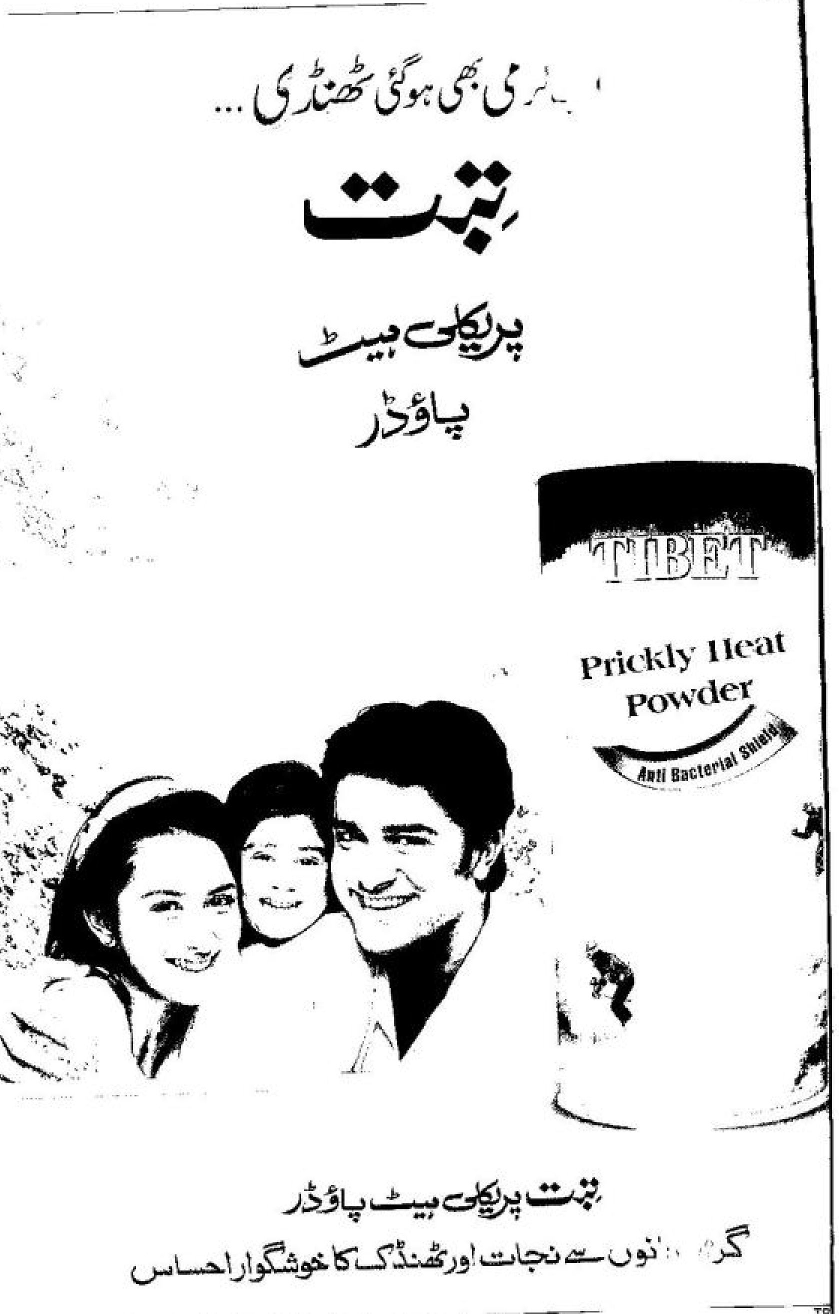

سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر

پھر رکوع میں جا کر رکوع کی تسبیح کے بعد یہی کلمات دس مرتبہ پڑھیں، پھر رکوع کے بعد کھڑے ہو کر قومہ کی تسبیح کے بعد دس مرتبہ، پھر سجدہ کی تسبیح کے بعد دس مرتبہ دونوں سجدوں کے درمیان یہی کلمات دس مرتبہ پھر دوسرے سجدے میں تسبیح کے بعد دس مرتبہ، پھر سجدہ سے اٹھ کر بیٹھے اور قعدہ میں دس مرتبہ پڑھیں، دوسری رکعت میں سورۃ فاتحہ کے بعد سورۃ عادیات ایک مرتبہ پڑھ کر پہلی رکعت کی طرح اوپر والے کلمات اسی ترکیب سے پڑھنا ہیں۔ تیسری رکعت میں بعد سورۃ فاتحہ کے سورۃ النصر ایک بار پڑھ کر وہی کلمات پڑھیں، چوتھی رکعت میں سورۃ فاتحہ کے بعد سورۃ اخلاص ایک بار پڑھ کر انہی کلمات کو اسی ترکیب سے پڑھیں۔ دوسرے اور چوتھے قعدہ میں بعد التحیات تشہد کے پڑھنا ہیں۔ ہر رکعت میں یہ کلمات پچھتر (۷۵) مرتبہ اور چار رکعت میں تین سو مرتبہ یہ کلمات پڑھے جاتے ہیں، یہ نماز شب قدر کی راتوں میں بھی پڑھنی افضل ہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ اس نماز کے پڑھنے والے کے اللہ پاک گناہوں کو معاف فرما کر مغفرت فرماتا ہے۔

دعا ایک انمول ہیرا

انسان کو اللہ تعالیٰ نے اشرف المخلوقات بنایا ہے۔ کائنات کی تمام چیزیں انسان کے لیے مسخر کی ہیں اور انسان کو عقل و شعور بخشا جس کی بدولت اس نے دنیا کی بہت سی چیزوں کو اپنے تابع بنایا۔ اس تمام قوت اور صلاحیت کے باوجود ایک ہستی ایسی ہے جس کے سامنے اس کی یہ تمام قوتیں اور صلاحیتیں کمزور تر ہیں۔ یہ ہستی رب العزت کی اعلیٰ ہستی ہے۔ جس کے آگے انسان عاجز و محتاج ہے۔ اور انسان کی زندگی میں ایسے نازک دور اور تکلیف دہ اوقات بھی گزرتے ہیں جب اس کو کسی کی اعانت اور مدد کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس کو دنیا میں ایسی پیچیدگیاں پیش آتی ہیں جنہیں کوئی انسان حل نہیں کرسکتا۔ جیسے دکھ درد، بیماری، تفکرات، غم و پریشانیاں اور الجھنیں وغیرہ...... ایسے میں انسان اس ہستی کے آگے بے بس ہو کر اپنی مدد اور اعانت کا طلب گار ہوتا ہے اور یہی وہ لمحے ہوتے ہیں جب انسان اس اعلیٰ ہستی کو پکارتا ہے جس کی طاقت اور اعانت سے ہی سکون و فرحت اور سرور حاصل کرتا ہے۔ وہی رب العزت ہے، جس نے اپنے انبیاء کے ذریعے انسان کو ایک ایسا انمول ہیرا دیا ہے جس کی قدر و منزلت ہر چیز کے آگے بلند تر ہے۔ وہ ہیرا ''دعا'' ہے۔ دعا ایک ایسا مضبوط قلعہ ہے جس سے رنج و غم، دکھ درد، مصائب، کرب و فکر دور ہوجاتے ہیں اور ہر مشکل آسان ہوجاتی ہے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''دعا مومن کا ہتھیار ہے۔''

(طبرانی)

یعنی اس سے مراد ہے کہ دعا سے بڑی بڑی مصیبتیں ٹل جاتی ہیں۔ شیطانی حملوں سے حفاظت ہوتی ہے۔ انسان دعا کی بدولت اپنے دشمن کے آگے زیر ہونے کے بجائے اپنے دشمن پر فتح یاب ہوجاتا ہے۔ بڑی بڑی نعمتیں جن کو حاصل کرنا انسان ناممکن سمجھتا ہے ممکن بن جاتی ہیں۔ حتیٰ کہ (مشکوۃ) کی حدیث ہے کہ ''دعا تقدیر بدل دیتی ہے۔'' یعنی کسی تقدیر میں خدانخواستہ برائی لکھ دی گئی ہو اور خود اس نے اپنے لیے یا کسی نے اس کے لیے دعائے خیر کی تو اللہ تعالیٰ اس دعا کی بدولت اس کی تقدیر کی برائی کو بھلائی میں تبدیل کردیتا ہے۔ جیسا کہ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ''اللہ پاک جو چیز چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے اسے ثابت رہنے دیتا ہے۔'' ایک اور جگہ سورۃ المومن میں ارشاد ہے۔ ''اور کہتا ہے تمہارا رب مجھ کو پکارو کہ پہنچوں تمہاری پکار کو بے شک جو لوگ تکبر کرتے ہیں میری بندگی سے اب داخل ہوں گے دوزخ میں ذلیل ہو کر۔''